اسلام کا نظامِ اراضی
عشر و خراج کے احکام اور فتوح الہند
مولانا مفتی محمد شفیع صاحب
دار الاشاعت

# فہرست مضامین

## احکام اراضی حصہ اوّل

☆☆☆☆

# فہرست مضامین

## فتوح الہند حصہ دوم از نظام الاراضی

# نظام الاراضی کے متعلق

# بعض اکابر علماء کی رائیں

جمادی الثانیہ ۱۳۶۷ھ اور مئی ۱۹۴۸ء میں جب احقر کا کراچی پہنچنا دستور اسلامی کا خاکہ تیار کرنے کے سلسلہ میں ہوا تو اسی مقصد کے لئے ہندوستان سے حضرت مولانا مناظر احسن گیلانی اور ڈاکٹر مولانا حمید اللہ حیدرآبادی بھی تشریف لائے ان کی معیت ہی میں اس مقصد کے لئے کام کیا گیا۔ زیر نظر کتاب "اسلام کا نظام اراضی" اس وقت ابتدائی تین باب اور حصہ دوم لکھا ہوا تھا۔ حصہ اول کے آخری تین باب لکھنا باقی تھے اسی حالت میں اس کا مسودہ اتفاقاً ان علماء محققین کی نظر سے گذرا اور انہوں نے اپنے تاثرات تحریر فرما دیئے۔

اس کی نوبت نہ آئی کہ دوسرے اکابر علماء کی خدمت میں پیش کر کے آراء حاصل کرنے کا اہتمام کیا جاتا اس لئے اس وقت انہی دو بزرگوں کی رائیں درج کی جاتی ہیں۔

## از حضرت مولانا مناظر احسن گیلانیؒ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مخدومی و محترمی مولانا محمد شفیع صاحب کی کتاب "احکام الاراضی" کے مسودے کے مطالعہ کی سعادت خاکسار کو بھی حاصل ہوئی۔ اراضی کے متعلق اسلامی وثائق میں جو منتشر معلومات پائے جاتے ہیں مولانا نے دین اور علم دونوں کی بڑی خدمت ان معلومات کو اس کتاب میں جمع کر کے انجام دی ہے۔ جہاں تک خاکسار کی رسائی ہے اس کی بنیاد پر کہہ سکتا ہے کہ اس مسئلہ کے متعلق جوہری معلومات تقریباً اس کتاب میں سمٹ گئے ہیں مجھے اس کی بھی خوشی ہوئی کہ قرآن و حدیث اور فقہی کتابوں کے ساتھ ساتھ مولانا نے تاریخ اور معاشیات کی کتابوں کی معلومات سے مسائل کے حل کرنے میں بجائے احتراز کے کافی فائدہ اٹھایا ہے اور یہی میرا خیال ہے کہ اسلامی حقائق و معارف کو صحیح دلنشین تعبیروں میں ہمارے علماء اب تک پیش کرنے پر قادر نہیں ہو سکتے جب تک کہ اسلامیات کے ساتھ عصری علوم اور ان علوم کی کتابیں جن زبانوں میں ہیں ان سے واقفیت حاصل نہ کریں۔ آخر میں دعا ہے کہ خدا مولانا کی عمر اور وقت میں برکت عطا فرمائے اور اس

سلسلہ کے دوسرے اہم ابواب کے متعلق بھی اپنی معلومات سے موجودہ نسلوں کو مستفیض کرنے کا سامان فرماتے رہیں گے۔

خاکسار مناظر احسن گیلانی

## از ڈاکٹر مولانا حمید اللہ صاحب حیدرآبادی حال مقیم فرانس

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

ملک کے ممتاز اہل علم مولانا مفتی محمد شفیع صاحب نے مالگذاری اراضی پر جو رسالہ تالیف فرمایا ہے اس سے قبل طباعت استفادے کا موقع خوش قسمتی سے مجھے بھی حاصل ہوا۔

یہ رسالہ ایک تاریخی تبصرہ ہے۔ ابتدائی اسلامی احکام اور روایات کے ذکر کے بعد برِ اعظم ہند اسلامی دورِ حکومت اور انگریزی عہد کے خصوصی احکام اور تبدیلیوں کو بھی اس میں واضح کیا گیا ہے اور اس طرح یہ کتاب بہت کارآمد ہو گئی ہے۔

اس کی طباعت سے ایک ایسی کتاب فراہم ہو جائے گی جو اپنے مفید مواد کی بنا پر عرصہ تک رہنمائی کرتی رہے گی۔

راقم

محمد حمید اللہ

جامعہ عثمانیہ حیدرآباد دکن

۱۶ رجب المرجب ۱۳۶۶ھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

# مقدمہ

سبحان الذی بیدہ ملکوت کل شئ وھو یرث الارض ومن علیھا والیہ یرجعون ولہ الارض یورثھا من یشاء من عبادہ والعاقبۃ للمتقین وھو یستخلف فی الارض جیلا بعد جیل لینظر کیف یعملون۔ والصلوۃ والسلام علی من نور الارض بنور ربہ وملاءھا قسطا وعدلا بعدما ملئت ظلما وجورا وعلی الہ واصحابہ وازواجہ وذریاتہ صلوۃ دائمۃ بدوام ملکہ وخالدۃ بخلودہ۔

زیر نظر کتاب میری تالیفات میں ایک خاص خصوصیت کی حامل ہے کہ اس کا ایک بڑا حصہ ہندوستان میں قبل از بنائے پاکستان لکھا گیا اور اس کی تکمیل اپنی زندگی میں ایک عظیم انقلاب یعنی پاکستان بننے اور اس کی طرف ہجرت کرنے کے سوا سال بعد ہوئی۔ ابتدا اس تصنیف کی یہ پیش آئی کہ تقسیم ہند و بنائے پاکستان سے پہلے زمینداری بل کے نام سے ایک مسودہ قانون ہند و پاک کی اسمبلی میں لایا جا رہا تھا اور حکومت ہند کے سامنے یہ مسئلہ زیر بحث تھا کہ ہندوستان کی تمام زمینوں کو حکومت کی ملکیت قرار دیا جائے یا قدیم زمینداری سسٹم کو باقی رکھا جائے۔ شرعی حیثیت سے اس مسئلہ پر غور کرنے کے لئے علماء کا ایک اجتماع مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور میں ہوا جس میں دیوبند، سہارنپور، دہلی وغیرہ کے علماء و جمعیت علماء ہند کے اکابر علماء بھی شریک تھے جن میں حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی، شیخ الادب حضرت مولانا اعزاز علی صاحب، حضرت مولانا حافظ عبداللطیف صاحب ناظم مظاہر علوم، شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحب خصوصیت سے قابل ذکر ہیں۔ احقر کو بھی اس مجلس میں شرکت کا موقع ملا۔ اس وقت یہ مباحث درمیان میں آئے کہ ملک میں جو بڑے بڑے زمیندار پائے جاتے ہیں جن کے قبضہ میں لاکھوں ایکڑ زمین ہے وہ عموماً وہ لوگ ہیں جن کو مغل بادشاہوں نے ان کی فوجی خدمات کے پیش نظر بطور مدد معاش جاگیردار یا تعلقہ دار بنایا تھا۔ جس کا حاصل یہ تھا کہ یہ مقدار اراضی ان کے سپرد ہوئی تھی جس کی پیداوار سے

اس کے لگان کی آمدنی سے وہ اپنی متعینہ فوج کا خرچ اٹھاتے تھے۔ یہ لوگ ان زمینوں کے قانوناً مالک نہ تھے بلکہ صرف آمدنی سے نفع اٹھانے کا حق رکھتے تھے۔ طوائف الملوکی کے زمانہ میں یہ لوگ خود زمین کے مالک بن بیٹھے۔ اصل زمین اس وقت بھی سرکاری ملکیت یعنی بیت المال کی زمین تھی اس لئے اگر ان زمینوں کو ان کے قبضہ سے نکال کر حکومت کی ملکیت قرار دے دیا جائے تو جائز ہوگا۔

مگر ظاہر ہے کہ صرف اس احتمال پر تمام ہندوستان کی زمینوں کا کوئی فیصلہ نہیں کیا جا سکتا اس لئے پہلے ہندوستان کی اراضی کے متعلق تحقیق کی جائے کہ مسلمان حکمرانوں کے زمانہ میں ان اراضی کا مالک کون تھا اور ان کی حکومت نے اول فتح کے وقت اراضی کے متعلق کیا حکم دیئے تھے؟ کیونکہ یہ بات مسلم ہے کہ کسی مسلمان فاتح نے اول فتح کے وقت ان اراضی کے ساتھ جو معاملہ کیا ہے اور جس کو کسی زمین کا مالک بنا دیا ہے بعد کے آنے والے مسلمان حکمران بھی شرعاً اس کے پابند ہوں گے۔ جابجا شرعی دوسروں کی ملک میں تصرف کرنے کے مجاز نہ ہوں گے۔ اس کے ساتھ یہ بحث بھی غور طلب تھی کہ جب انگریزوں نے اس اسلامی سلطنت پر قبضہ کیا تو انہوں نے یہاں کی اراضی کے بارہ میں کیا احکام دیئے؟ نیز اس پر غور کیا جائے کہ ان میں کون سے احکام ایسے ہیں جو شریعت اسلامی کی رو سے نافذ و واجب العمل ہیں۔ اس لئے یہ مسئلہ بڑی تفصیلی بحث و تحقیق اور پورے ہندوستان کی فتوحات اور دربارۂ اراضی فاتحین کے احکام و معاملات کے معلوم ہونے پر موقوف ہو گیا۔

مجھے ہندوستان کی تاریخ پر اس سے پہلے غور کرنے کا بھی موقع ملا تھا نہ فن کی حیثیت سے تاریخ بھی میرا فن نہ تھا۔ مسئلہ کی اہمیت اور بعض مخلص احباب کے ارشادات نے مجھے اس پر آمادہ کر دیا کہ خاص اس مقصد کے لئے پورے ہندوستان کی فتوحات کی تفصیل کا مطالعہ کروں اور اس کے مختلف خطوں اور مختلف حکمرانوں کے فرامین دربارہ اراضی جمع کر کے ان سے اصل صورت معاملہ کا سراغ لگاؤں۔ توکلاً علی اللہ یہ کام شروع کر دیا۔

## مختصر سرگزشت مصنف

یہ وہ زمانہ تھا کہ تقسیم ہند اور بنائے پاکستان کا مسئلہ اپنے شباب پر تھا تجویز پاکستان کو ہندوستان میں اسلام اور مسلمانوں کے مستقبل کے لئے صحیح سمجھ کر مسلمانوں کی رائے عامہ کو اس کے واسطے ہموار کرنے کے لئے بایما حضرت سیدی حضرت حکیم الامت تھانوی کی تحریک میں مقدور بھر حصہ لینا طے کیا اور اس کے لئے ربیع الاول ۱۳۶۲ھ میں دار العلوم دیوبند کے عہدہ افتاء سے

مستقل ہو کر پورے ملک کے دورے کئے۔ اور کچھ عرصہ سیدی حضرت حکیم الامت تھانوی کے ارشاد پر احکام القرآن کی تصنیف کے لئے تھانہ بھون میں قیام کیا۔ یہ زمانہ حضرت موصوف کے مرض وفات کا زمانہ تھا۔ بالآخر جب ۱۳۶۲ھ میں حضرت ممدوح کی رحلت کا سانحہ پیش آ گیا اور عین ہنگامی وقت میں اس سایہ رحمت سے محرومی ہو گئی۔ تھانہ بھون سے واپس دیوبند آیا تو تحریک پاکستان کی جدوجہد آخری مرحلوں پر پہنچی ہوئی تھی۔ استاذ محترم شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی کے ساتھ اب یہ تحریک ہی شب و روز کا مشغلہ بن گئی۔ اور اللہ تعالیٰ کے فضل سے ۲۷ رمضان ۱۳۶۶ھ اور ۱۴ اگست ۱۹۴۷ء کو یہ دیرینہ آرزو پوری ہو گئی کہ آزاد حکومت و سلطنت پاکستان کے نام سے مسلمانوں کو مل گئی۔ اگرچہ یہ ہندوستان کی تقسیم اور پاکستان کی تکوین، انگریز، ہندو اور مسلمانوں کے باہمی اتفاق اور معاہدہ سے عمل میں آئی تھی جس کا اثر عقلاً یہ ہونا چاہئے تھا کہ مسلمان اور ہندو اپنی اپنی آزاد ریاستوں کی تعمیر و استحکام کی فکر میں لگ جاتے اور باہمی آویزش جو عرصہ سے چلی آرہی تھی اس کا بالکل خاتمہ ہو جاتا۔ مگر ہندوؤں میں مہا سبھائی اور جن سنگھی ذہنیت عام تھی یہاں تک کہ گاندھی جیسے لیڈر کا نعرہ لگانے والے بھی اسی مسلمان دشمن پالیسی ہی کے دلدادہ تھے۔ متحدہ قومیت کا نعرہ ان کی طرف سے محض فریب تھا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ انگریز کی حکومت ہٹتے ہی انہوں نے ہندوستان کے ہر خطے میں مسلمانوں کا قتل عام شروع کرا دیا۔ جس کے نتیجے میں بچے کھچے مسلمانوں نے پاکستان کا رخ کیا۔

سیدی و استاذی شیخ الاسلام مولانا عثمانی "قیام پاکستان سے چند روز پہلے کراچی پہنچ چکے تھے۔ اہل و عیال ان کے بھی دیوبند میں محصور تھے۔

احقر اس فکر میں تھا کہ وطن مالوف کو کس طرح چھوڑے اور پورے خاندان کو پاکستان کس جگہ اور کس طرح منتقل کرے کہ مسلمانوں کے اس قتل عام نے سب راستے مسدود کر دیئے۔ ان حالات میں گوشہ تنہائی میں وقت گذر رہا تھا حوادث سے سرشکستہ اور ملک کے حالات سے قلب و ذہن مشوش تھے۔ مگر غموم و صدمات کی عطا کردہ ایک غیر اختیاری فرصت تھی۔ اراضی ہند کی تحقیقات کا جو کام اس تحریک میں ملتوی ہو گیا تھا غنیمت جان کر اپنی طاقت و ہمت کو اس میں صرف کیا۔ تاریخ اور فقہ کی سینکڑوں کتابوں کا مطالعہ کیا۔ ہزاروں اوراق پڑھے۔ ان سے جو کچھ اپنی مقدرت اور نہایت محدود فہم و بصیرت کی حد تک نکتے حاصل ہوا اس کو زیر نظر کتاب میں جمع کر دیا۔

ابھی یہ کتاب پوری نہ ہوئی تھی کہ ہندوستان تقسیم ہو کر پاکستان وجود میں آ گیا اور اس انقلاب

نے اس کتاب میں چند نئے ابواب کے اضافہ کا دروازہ کھول دیا کہ انقلاب کے بعد ہندوستان اور پاکستان کی زمینوں کے کیا احکام ہوں گے۔

لیکن اس کی ضرورت جس وقت سامنے آئی اسی وقت پورے ملک میں خونریزی اور مسلمانوں کے قتل عام کا بازار گرم ہو گیا۔ اس بدامنی اور مسلمانوں کے قتل عام نے پاکستان جانے کے راستے بھی مسدود کر دیئے۔ اس لئے آٹھ مہینے پاکستان بننے کے بعد بھی مجھے اپنے وطن دیوبند ضلع سہارنپور میں قیام کرنا پڑا۔ بڑا صبر آزما وقت تھا۔ "نہ جائے رفتن نہ پائے ماندن"۔ ہر روز ہر طرف سے ہندوؤں کی انتہائی درندگی اور بہیمانہ حرکتیں اور مسلمان مرد و عورت اور بچے بوڑھوں پر دلدوز مصائب کی خبریں قلب و دماغ میں جو کچوکے لگاتی تھیں تحریر کر بھی نہیں سکتے۔ ان حالات میں کسی تصنیف کا کام ہونا تو وہم و خیال میں بھی نہ آ سکتا تھا۔

بالآخر جب یہ خونریزی اور بدامنی کچھ کم ہوئی تو اہل فکر و نظر کو سب سے پہلے یہ ضرورت محسوس ہوئی کہ پاکستان کا دستور اور قانون اسلامی ہونا چاہئے۔ شیخ الاسلام سیدی حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ کی قیادت میں کراچی شہر کے چند علماء کے اجتماع میں یہ طے ہوا کہ دستور اسلامی کا خاکہ تیار کرنے کے لئے چند علماء کو کراچی میں جمع کیا جائے۔

اسی سلسلہ میں احقر بھی ۲۰ جمادی الثانیہ ۱۳۶۷ھ یکم مئی ۱۹۴۸ء کو دیوبند سے روانہ ہو کر براہ ہندو پور، حیدرآباد ۲۵ جمادی الثانیہ ۱۳۶۷ھ ۶ مئی ۱۹۴۸ء کو کراچی پہنچ گیا۔

تقریباً تین ماہ میں ان سب حضرات نے حضرت شیخ الاسلام کی زیر نگرانی دستور کا ایک خاکہ تیار کر لیا اور جب یہ کام پورا ہونے کے بعد یہ کشمکش سامنے تھی کہ جو ملک اتنی مشقتوں اور تمناؤں کے بعد حاصل ہوا ہے یہاں رہ کر اس کی خدمت میں باقی ماندہ عمر صرف کی جائے یا وطن دیوبند کو واپسی کی صورت ہو۔

احباب اور عزیزوں کی رائیں مختلف تھیں۔ مگر استاذ محترم شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانیؒ کی دلی خواہش یہ تھی کہ قیام پاکستان میں رہے۔ مگر میرے عیال کثیر کے ساتھ معاش کا کوئی انتظام نہ ہونے کی بنا پر کچھ زبان سے نہ فرماتے تھے۔ بعض احباب نے خصوصیت سے یہیں کے قیام پر زور دیا۔ ان میں سب سے زیادہ جس چیز نے مجھے یہاں کے قیام پر آمادہ کیا وہ سب سے پہلے تو استاذ محترم کی دلی خواہش تھی اور دوسرے درجہ میں اخی فی اللہ مولانا سید بدر عالم صاحب مہاجر مدنی کا باصرار یہ فرمانا تھا کہ تیری ضرورت ہندوستان سے زیادہ پاکستان میں ہے۔ بالآخر استخارہ اور مشورہ کے بعد بنام خدا تعالیٰ ترک وطن اور پاکستان میں قیام کا عزم کر لیا گیا۔ اور مقدر میں تھا

باقی ماندہ اہل دارالعلوم دیوبند و ساتھیوں کو یہاں منتقل کرنے کی کوشش شروع کی گئی جس کو حق تعالیٰ نے سال بھر کے اندر پورا فرمادیا۔

کراچی میں قیام کے بعد سے نئے اسلامی ملک کی دینی ضرورتوں کی ایک طویل فہرست سامنے آیا ان میں سے دو کام فوری طور پر زیادہ اہم سمجھے گئے۔ اول پاکستان میں اسلامی دستور کی تدوین کے لئے جدوجہد۔ دوسرے اسلامی تعلیم کے لئے کسی ایسی دینی درسگاہ کا قیام جو پاکستان کی ضرورت کو پورا کر سکے۔ کیونکہ تقسیم ملک میں کچھ اتفاق ایسا پیش آیا تھا کہ جتنے علمی اور دینی مدارس اور ادارے مشہور ہندوستان میں تھے وہ اکثر ایسے صوبوں میں واقع تھے جن میں مسلمانوں کی اکثریت نہ تھی اس بنا پر وہ سب ہندوستان کے حصہ میں آگئے۔ پاکستان میں خال خال کوئی مدرسہ یا دارالعلوم بمشکل باقی تھا۔

یہ دونوں مقصد زندگی کا محور اور شب و روز کا مشغلہ بن گئے اس سال کا ہر حصہ ان ہی مقاصد کے لئے صرف ہوا۔ اس کے ساتھ فتویٰ کا کام جو دیوبند سے اللہ تعالیٰ نے میرے ساتھ وابستہ کر دیا تھا نہ صرف پاکستان سے بلکہ ہندوستان اور دوسرے ممالک سے شرعی سوالات بکثرت آتے تھے روزمرہ میں ان کا جواب لکھنے اور روانہ کرنے کا اہتمام مستقل کرنا تھا۔ نہ کوئی اور مددگار۔ دو سال کے بعد ایک دارالافتاء مختصر پیمانے پر مسجد باب [illegible] نام مسجد روڈ کراچی میں قائم کیا گیا۔ پھر ایک سال بعد دارالعلوم کا قیام عمل میں آیا جس سے ان کاموں میں کچھ سہولتیں بھی پیدا ہوئیں اور کچھ مشکلات بھی بڑھ گئے۔

اس عرصہ میں کسی مستقل تصنیف کے لئے کوئی فرصت نہ تھی۔ البتہ وقتاً فوقتاً ضرورت سے کوئی مضمون یا مقالہ یا رسالہ لکھا گیا۔

کچھ عرصہ سے قویٰ کا انحطاط اور امراض کا تسلسل محسوس ہونے لگا تو فکر ہوئی کہ جن تصانیف پر کچھ کام ہو چکا ہے اور ابھی تک مکمل نہیں کی جاسکیں ان کی تکمیل کر دی جائے کہ کارآمد ہو سکیں۔

ان میں سب سے زیادہ اہم تین چیزیں سامنے تھیں۔ اول تو تفسیر معارف القرآن جو ہفتہ واری درس کی صورت سے ریڈیو پاکستان میں بارہ سال سے نشر ہو رہی ہے کی نظر ثانی اور تکمیل۔ دوسرے احکام القرآن بزبان عربی جو سیدی حضرت حکیم الامت تھانوی قدس سرہ کے ارشاد پر لکھی گئی تھی اس کی تکمیل ہنوز مکمل نہیں۔ تیسرے مکمل نظام اسلامی اقتصاد کی ایسی کتاب جس میں تمام مسائل اسلام معیشت اور موجودہ دور کے جدید مسائل بھی ان شاء اللہ تحقیق سے لکھے جائیں۔ اس کتاب کا کام شروع کرنے کا سلسلہ بہت پہلے سے چلا آ رہا ہے مگر ابھی تک اس کی تدوین و ترتیب کی نوبت نہیں آئی

آخر الذکر سلسلہ ہی سے تعلق رکھنے والی یہ زیر نظر کتاب بھی تھی جو اراضی ہندوستان کے احکام کی تحقیق پر لکھی گئی تھی۔

ان کاموں میں سے بنام خدا تعالیٰ تفسیر معارف القرآن پر نظر ثانی اور تکمیل کا سب سے پہلے قصد کر کے اس کو شروع کر دیا جس کا سلسلہ جاری ہے اور معلوم نہیں کہ یہ تکمیل کی آرزو پوری ہو سکے گی یا نہیں ⊙۔ للہ الامر من قبل و من بعد۔ دوسرے دونوں کام بالفعل ملتوی ہے۔

## زیر نظر کتاب: احکام الاراضی کی تکمیل

لیکن سال رواں میں ضعف و علالت تقریباً مسلسل ہو گیا اور اضمحلال قویٰ روز بروز بڑھتا ہوا دیکھ کر یہ خیال پیدا ہوا کہ احکام اراضی کی یہ کتاب ایک حد تک مکمل اور مفید ہے اس کو اسی حالت میں شائع کر دیا جائے۔ جن ابواب جدیدہ کا اس میں اضافہ کرنا ہے اگر میں نہ کر سکا تو کوئی دوسرا اللہ کا بندہ کر لے گا۔ "تقدیر بہ نیش گذشتن کار خردمندی نیست"۔ لیکن جب اس کتاب کی کتابت ہو کر سامنے آئی تو خیال آیا کہ جن ضروری ابواب کی ضرورت ہے ان کو بھی مختصر طور پر اتنا لکھ دیا جائے جس میں زیادہ تحقیق اور کاوش کی ضرورت نہ ہو۔

اس کتاب کے مسائل کو چھ ابواب پر تقسیم کیا تھا

باب اول:۔ بالحاظ خصوصیت ممالک اراضی مزروعہ و مسکونہ کے متعلق شرعی احکام۔

باب دوم: اول فتح کے وقت اراضی ہندوستان کے احکام۔

باب سوم: انگریزی عہد میں احکام اراضی ہند۔

باب چہارم: تقسیم ہند کے بعد پاکستان اور ہندوستان کی زمینوں کے احکام۔

باب پنجم: ہندو پاک میں اراضی اوقاف کے احکام۔

باب ششم: دونوں ملکوں اور ان کی زمینوں میں عشر و خراج کے احکام۔

ان چھ ابواب میں سے پہلے تین باب اور ان کے ضمن میں مختصر تاریخ فتوح الہند پہلے ہی قیام دیوبند کے زمانہ میں لکھے جا چکے تھے۔ آخری تین باب کی تکمیل اب سولہ سال کے بعد ہو رہی۔

واللہ الموفق والمعین۔

---

⊙ خدا کا شکر ہے کہ یہ تفسیر آٹھ جلدوں میں مکمل ہو کر مصنف کی زندگی ہی میں شائع ہو گئی جو بفضلہ تعالیٰ مقبول عام و خاص ہے۔ (م ش)

# التماسِ مصنف

وراثت کے احکام و مسائل چونکہ ان مسائل میں سے نہیں ہیں جن کی ضرورت ہر شخص کو ہر حال میں پیش آئے اور ہندوستان میں تقریباً دو سو برس سے انگریزی اقتدار انگریزی قانون کی ترویج نے ان مسائل کو بھی زیر دفعوں اور گمنامی میں ڈال دیا۔ اہلِ علم و فتویٰ کو بھی ان مسائل سے سابقہ کم رہا اس لئے ان کے اصول و فروع بھی نظروں سے اوجھل ہو گئے ان کا جمع کر کے پیش کرنا جوئے شیر لانے کا مترادف بن گیا۔

احقر ناکارہ نے اپنی قدرت کی حد تک کافی محنت و تحقیق سے اس مشکل کو حل کیا ہے کتاب میں حنفیہ کے دلائل اور حضرات فقہاء کی تحقیقات کو مستند حوالے کے ساتھ لکھ دیا ہے۔ بہت ممکن ہے کہ میرے قصور فہم سے اس میں کچھ غلطیاں ہوگئی ہوں اس لئے حضرات اہلِ علم سے گذارش ہے کہ اگر کہیں ایسا نظر آئے تو اس کی اصلاح فرما دیں اور جب تک یہ احقر زندہ ہے مجھے بھی اطلاع فرما دیں تو باعث احسان ہوگا۔ حقیقت حال یہ ہے کہ

نہ بحرف ساختہ سرخوشم نہ بنقش بستہ مشوشم
نفسے بیاد تو می زنم چہ عبارت و چہ معانیم

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا إِنَّكَ أَنْتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ۝

بندہ محمد شفیع عفا اللہ عنہ
دار العلوم کراچی نمبر ۱۴
۱۷ رجب المرجب ۱۳۸۶ھ

حصہ اوّل

# اسلام کا نظامِ اراضی

**مسمّٰی**

الْقَوْلُ الْمَاضِي

فِي

أَحْكَامِ الْأَرَاضِي

**از تالیفات**

حضرت علامہ مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ

صدر دارالعلوم کراچی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

باب اول

# تمام دنیا کے لئے اسلام کا قانون اراضی

جب کوئی ملک فتح کیا جائے تو اس کی زمینیں ابتداءً دو قسم ❶ پر ہوں گی۔

**اوّل** غیر مملوک جن کو مصطلحات فقہاء میں ارض مباحہ کہا جاتا ہے۔ یعنی جن کا کوئی خاص شخص مالک نہیں۔

**دوم** مملوک زمینیں جن پر خاص خاص زمیندار مالک و متصرف ہیں۔

پھر ملک کے فتح ہونے کی دو صورتیں ہیں۔ ایک یہ کہ جنگ کے ساتھ قہر و غلبہ سے فتح کیا جائے۔ دوسرے یہ کہ بدون جنگ کے صلح و امان کے ساتھ فتح ہو جائے۔ خواہ اس طرح کہ اپنے قدیم مذہب پر رہتے ہوئے صلح کے ساتھ ملک مسلمانوں کے حوالے کر دیں یا اس طرح کہ مال سے یا خراج ادا کرنے کا وعدہ لے کر انہیں اس ملک کی ریاست پر برقرار رکھا جائے۔

**اراضی قسم اول:** یعنی غیر مملوک میں ملک کے فتح ہونے کی دونوں صورتیں یعنی جنگ و صلح کے احکام ایک ہیں۔

**قسم دوم:** یعنی مملوک زمینوں میں صلحاً فتح ہونے کے احکام جدا اور جنگ سے فتح ہونے کے احکام جدا ہیں۔ ان تمام اقسام کے احکام کی تفصیل یہ ہے۔

## غیر مملوک اراضی

ارض مباحہ جس کا کوئی خاص شخص مالک نہیں اس کی تین قسمیں ہیں۔

اوّل: وہ جو آبادی کے قریب بستی والوں کے عام اور مشترک ضروریات میں کام آتی ہیں جیسے بستی کے اندر گلی کوچے اور سڑکیں یا بستی سے باہر قبرستان، عیدگاہ، چراگاہ وغیرہ کے میدان۔

دوم وہ غیر آباد جنگلات اور بیکار پہاڑی زمینیں جو کسی خاص ملک میں داخل ہیں اور نہ کسی بستی سے متعلق ہیں اور نہ بالفعل وہ قابل زراعت و انتفاع ہیں ایسی زمینوں کو اصطلاح شرع

❶ اقسام اراضی کی یہ تفصیل جامع کتاب الاموال ص ۱۸۱ تا ۱۹۰ اور کتاب الخراج ص ۲۶۱ تا ۲۶۴ سے ماخوذ ہے [illegible]

بھی ارض موات کہا جاتا ہے۔

سوم: وہ غیر مملوک زمینیں جو کسی بستی کی ضروریات میں مشغول نہیں مگر قابلِ زراعت و انتفاع ہیں ان کو اراضی بیت المال کہا جاتا ہے۔

## غیر مملوک اراضی کی قسم اول

## جن سے کسی بستی کی ضروریات متعلق ہوں

ان کا حکم یہ ہے کہ کسی وقت کسی شخص کا مالکانہ قبضہ یا تصرف ان پر جائز نہیں نہ سلطان مسلم خود ان کا مالک بن سکتا ہے نہ کسی دوسرے کو مالک بنا سکتا ہے نہ کسی دوسرے کو بطور جاگیر دے سکتا ہے بلکہ وہ ہمیشہ باشندگان بستی کی مشترک اور عام ضروریات ● کے لئے مثل وقف کے محفوظ رہیں گی۔

اسی ● طرح نمک وغیرہ کی کان اور مٹی کے تیل یا پٹرول وغیرہ کے چشمے جو عام لوگوں کی ضروریات زندگی میں شامل ہیں خواہ کسی بستی کے قریب ہوں یا نہیں وہ بھی کسی شخص کی مخصوص ملک یا جاگیر نہیں بن سکتی۔ نہ سلطان مسلم خود ان پر مالکانہ تصرف کر سکتا ہے نہ کسی دوسرے کو دے سکتا ہے بلکہ مفادِ عام کے لئے حکومت کی نگرانی میں ان کا انتظام کیا جائے گا۔

یہی وجہ تھی کہ جب نبی کریم ﷺ نے حضرت ابیض بن حمال مازنی کی درخواست پر مارب ● کی زمینیں انہیں عطا فرما دیں اور بعد میں معلوم ہوا کہ وہ نمک کی زمین اور منفعت عامہ کی چیز ہے تو واپس لے لی۔ (کتاب الاموال ابو عبید ص [illegible])

ف: مذکور الصدر زمینیں جو کسی بستی کی ضروریات میں مشغول ہیں صحیح اور مختار مذہب یہ ہے کہ ان میں بستی کے قریب یا بعید ہونے کی کوئی قید نہیں۔ اور بعض ائمہ نے جو بستی کے قریب ہونے کی قید اور اس کی مقدار کی تعیین فرمائی ہے وہ عام عادت کی بناء پر ہے کہ عموماً بستی کی ضروریات اس کے قریب جوار ہی سے متعلق ہوتی ہیں۔

(بدائع کتاب الاراضی۔ و بحر کتاب احیاء الموات)

---

● كما في الهندية كتاب الاراضي ص ۲۹۱ ج ۲ وكذا ما كان خارج البلدة من مرافقها مما لا غنى لهم عنها لا يكون مواتاً حتى لا يملك الامام اقطاعها لان ما كان من مرافق البلدة فهو حق اهل البلدة كنهر البلد وفي الاقطاع ابطال حقهم كذا۔

● وكذلك ارض الملح والقار والنفط ونحوها مما لا يستغنى عنها المسلمون لا تكون ارض موات حتى لا يجوز للامام ان يقطعها لاحد لانها حق لعامة المسلمين وفي الاقطاع ابطال حقهم بدائع ص ۱۹۴ ج ۶

● مارب یمن میں ایک مقام ہے جس کی زمین سے نمک نکلتا ہے (ج ۶ ص ۱)

## غیر مملوک کی قسم دوم ارض موات جن سے نہ کسی بستی کی ضروریات متعلق ہوں اور نہ وہ بالفعل قابل زراعت و انتفاع ہوں

ارض موات یعنی وہ غیر آباد جو بالفعل قابل زراعت و انتفاع نہیں اور نہ کسی شخص کی ملک ہے اور نہ کسی شخص کی ضروریات عامہ میں مشغول ہے اس کا حکم یہ ہے کہ امام یعنی سلطان اسلام سے اجازت ❶ لے کر جو شخص اس کو آباد اور قابل انتفاع بنالے وہی اس کا مالک ہو جاتا ❷ ہے خواہ آباد کرنے والا مسلم ہو یا غیر مسلم۔ حدیث میں ہے۔

من احیا ارضا میتة فهی له (اموال ابو عبید ص۲۸۵) جو شخص کسی بیکار زمین کو آباد کر لے وہ اسی کی ملک ہے۔ ❸

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ سے ایک صاحب نے ایک ایسی ہی غیر آباد زمین کی درخواست کی جو دجلہ کے کنارے پڑی ہوئی تھی۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے عامل عراق حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے نام فرمان بھیجا جس کے الفاظ یہ تھے۔

فان لم تکن ارض جزیة ولا ارضا یجری الیها ماء جزیة فاقطعها ایاه (اموال ابو عبید ص۔۔۔)

امام ابو یوسفؒ نے کتاب الخراج میں فرمایا ہے۔

وللامام ان یقطع کل موات و کل ما لیس فیه ملك لاحد ویعمل بما یری انه خیر للمسلمین (شامی ص۳۶۶ ج ۳)

ارض موات جو اذن امام آباد کرنے والے کی ملک ہو جاتی ہے اس میں مذہب مختار اور ظاہر الروایات یہی ہے کہ بستی سے قریب یا بعید دونوں کا حکم یکساں ❹ ہے۔

## قسم سوم اراضی بیت المال

یعنی وہ زمین جو کسی شخص کی مملوک نہیں اور کسی بستی کی حاجات عامہ میں بھی مشغول نہیں مگر آباد

---

❶ انما تملک فی الموات بشرط اذن الامام عند ابی حنیفة و عند ابی یوسف و محمد یثبت بمجرد الاحیاء و اذن الامام لیس بشرط (بدائع ص۱۹۴ ۔۔۔)

❷ و یملک الذمی بالاحیاء کما یملک المسلم لعموم الحدیث (بدائع ص۱۹۵ ج ۶) ۱۲ منہ

❸ و هل یشترط ان یکون بعیدا من العمران شرط الطحاوی فانه قال ما قرب من العامر فلیس بموات و کذا روی عن ابی یوسف ان ارض الموات هو الذی اذا وقف علی ادناه من العامر فنادی باعلی صوته لم یسمعه من العامر ولیس بشرط عند محمد وانه لیس بشرط (فی ظاهر الروایة) والصحیح جواب ظاهر الروایة (بدائع ص۱۹۳ ج ۶) ۱۲ منہ

اور قابل زراعت، واضح رہے اس کا حکم یہ ہے کہ وہ بیت المال کی زمین ہے، ان کی آمدنی و منافع ان لوگوں پر صرف ہوں گے جن کا بیت المال میں کوئی حق ہے۔ امام یعنی سلطان اسلام کو ان میں مختلف قسم کے اختیارات ہیں جن کی تفصیل آگے آتی ہے۔ شاہی انقطاعات (عطیات) اور جاگیر دینے کا تعلق بیشتر ان ہی زمینوں سے ہے۔

## اراضی بیت المال کی اقسام

اراضی بیت المال میں چند اقسام کی اراضی داخل ہیں

(الف) وہ زمینیں جو ملک فتح ہونے تک کسی کی ملک میں داخل نہ تھیں۔ تو فتح کے بعد وہ بیت المال ● میں داخل ہوں گی کما ھو ظاہر۔

(ب) وہ زمینیں جو اگرچہ ابتداءً کسی شخص خاص کی ملک تھیں مگر وہ لاوارث مر گیا اور یہ زمین بیت المال میں داخل ہو گئی اس قسم کی زمینوں کو اصطلاح فقہاء میں اراضی مملکت اور اراضی حوز یا اراضی سلطانیہ کہا جاتا ہے۔ (شامی ص ۲۶۵ ج ۳ باب العشر والخراج)

(ج) جس صورت میں مفتوح ملک کی مملوکہ زمینیں غانمین میں تقسیم کی جائیں جس کی تفصیل اراضی مملوکہ کے بیان میں آگے آئے گی۔ تو ان میں سے پانچواں ● حصہ بیت المال کا نکالا جائے گا۔ یہ زمینیں بھی اراضی بیت المال میں شامل ہوں گی

(د) جب کوئی ملک جنگ کر کے قہر و غلبہ کے ساتھ فتح کیا جائے تو اس کی مملوکہ زمینوں میں امام کو یہ بھی اختیار ہے کہ پوری اراضی مملوکہ کو بیت المال کے قبضہ و تصرف میں لے لے۔ نہ غانمین میں تقسیم کرے نہ اصلی مالکوں کی ملک میں رکھے۔ اس صورت میں یہ سب اراضی بھی اراضی بیت المال ہو جائیں گی۔ ●

---

● امام ابو یوسف کی کتاب الخراج میں ہے ولا للامام ان یقطع کل موات وکل ما لیس فیه ملک لاحد ویعمل بما یری انه خیر للمسلمین (شامی ص ۲۶۹ ج ۳)

● وما لا وارث للامام فیه حق ان یدفعها ... [illegible] ... عن بیت المال ... علی ان یعطوه الخراج ... الخراج علی ... [illegible]

(... [illegible])

● ومنها نوع ثالث ... [illegible] ... الاراضی ... المملکة والاراضی الحوز ... [illegible] ... المسلمین ... [illegible] ... الخراج ... [illegible] ... الامام ... [illegible] ... بعد ذلک ... [illegible] ... السلطان ... بیت المال ... [illegible]

(ھ) قہراً فتح ہونے کی صورت میں یہ بھی اختیار ہے کہ اراضی مملوکہ میں سے خاص خاص زمینوں کو بیت المال کے لئے مخصوص کر لے جیسے حضرت فاروق اعظمؓ نے عراق کی زمینوں میں سے بادشاہ کسریٰ اور اس کے متعلقین کی زمینیں اور جو شخص زمین چھوڑ کر بھاگ گیا اس کی زمین اور جو شخص کسی معرکہ میں قتل ہو گیا اس کی اراضی۔ ❶

اس طرح خاص خاص دوسری زمینیں بیت المال کے لئے مخصوص فرمائی تھیں اور اراضی میں سے لوگوں کو جاگیریں دیتے تھے۔ امام ابو یوسفؒ کی کتاب الخراج اور امام ابو عبیدؒ کی کتاب الاموال میں اس کی تفصیل مذکور ہے۔ حدیث میں ہے۔

عادي الارض لله وللرسول ثم هي لكم قال ابو عبيد والعادي كل ارض كان بها ساكن في آباد الدهر فانقرضوا فلم يبق منهم انيس فصار حكمها الى الامام۔ (اموال ابو عبید ص ۲۷۸)

## اراضی بیت المال کے مصارف

اراضی بیت المال کا مصرف وہ لوگ ہیں جن کا بیت المال میں کوئی حق ہے۔ مثلاً فقراء و مساکین یتیم اور بیوائیں۔ غریب الوطن مسافر، بیمار، اپاہج، مجاہدین اور لشکر اسلام کی علماء و فقہاء اور عمال سلطنت۔ نیز رفاہ عام کے کام بھی بیت المال کے مصارف ہیں مثلاً دریاؤں کے پل، سرحدات کی حفاظت، بنا مساجد و مدارس، شفاخانے، یتیم خانے وغیرہ۔

## اراضی بیت المال میں امام یعنی سلطان اسلام کے اختیارات

اراضی بیت المال مثل دیگر اموال بیت المال کے امام المسلمین یا امیر المومنین کی ذمہ داری اور اس کی نگرانی میں رہیں گی ان کے منافع امام ہی کے صوابدید کے موافق اپنے اپنے مصارف میں صرف ہوں گے۔ امام کو ان زمینوں کے متعلق حسب ذیل اختیارات حاصل ہیں۔ ان میں سے جس وقت جس صورت کو اسلام اور مسلمانوں کے لئے زیادہ مفید دیکھے اس کو اختیار کرے۔

---

❶ ان للامام ان يقطع من بيت المال الارض لمن يستحق۔ شامی باب العشر والخراج ج ۳ ص ... وفي رسالة العلامة زين الدين ابن نجيم صاحب الاشباه في حكم الاقطاعات مانصه قال ابو يوسف رحمه في كتاب الخراج وذلك بمنزلة المال الذي لم يكن لاحد ولا في يد وارث فللامام العادل ان يجيز منه ويعطي من كان له عناء في الاسلام ويضع ذلك موضعه ولا يحابي به فكذلك هذه الارض ويشترط ان يكون من مصارف الخراج وعلى هذا ليس له ان يعطيها لغير المصارف ... (الاتحاف ... ص ۵۰۵۴)

اس کے منافع اور آمدنی حاصل کرنے کا اختیار نسلاً بعد نسل دیا جائے۔ اس صورت میں امام بلا وجہ شرعی اس جاگیردار یا اس کے ورثاء کو زمین سے بے دخل نہیں کر سکتے ہاں وہ اسی زمین کو معطل کر کے چھوڑ دیں یا زمین کا عشر و خراج ادا نہ کریں تو ان سے لے کر دوسروں کو دی جا سکتی ہے۔ تیسری اس صورت میں جاگیردار یا اس کے وارثوں کو بیع و ہبہ و وقف کا اختیار نہیں ہوتا۔ باقی تصرفات جن کا تعلق پیداوار سے ہے وہ سب جائز ہیں۔

حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ جب مسلمان ہوئے تو رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا حسب وعدۂ قرآنی اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کو ساری زمین پر غالب و حکمران بنائیں گے تو بلاد شام میں جو میرا گاؤں ہے جس کو بیت لحم کہا جاتا ہے (جس میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت ہوئی ہے) یہ گاؤں آپ مجھے عنایت فرما دیں۔ جب ملک شام فتح ہو جائے گا تو یہ گاؤں مجھے مل جائے گا۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کی درخواست کے موافق یہ گاؤں بطور جاگیر ان کو دے دیا اور اس کے لئے فرمان لکھ دیا۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں ملک شام فتح ہوا تو حضرت تمیم داری یہ فرمان لے کر حاضر ہوئے حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں خود اس فرمان کا ایک گواہ ہوں اس لئے یہ جاگیر آپ کو دیتا ہوں مگر فرمایا کہ آپ کو اس کی بیع کا اختیار نہیں۔ لیث بن سعد اس واقعہ کی روایت کر کے فرماتے ہیں کہ یہ جاگیر آج تک حضرت تمیم کی اولاد کے تصرف میں ہے۔

عن الليث بن سعد ان عمر رضي الله عنه امضى ذلك لتميم وقال ليس لك ان تبيع قال فهي في ايدي اهل بيته الى اليوم۔ (اموال ابی عبید ص ۲۸۵)

ترجمہ "لیث بن سعد کہتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو یعنی تمیم کے لئے ہمیشہ جاری رکھنے کا فرمان دے دیا اس شرط پر کہ اسے فروخت کرنے کی اجازت نہیں چنانچہ وہ آج تک ان ہی کے خاندان میں چلی آتی ہے۔"

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے اس فرمان سے کہ آپ کو بیع کا اختیار نہیں اور پھر اس عمل سے کہ نسلاً بعد نسل اس کے منافع حضرت تمیم داری کی اولاد کو دیتے رہے۔ معلوم ہوا کہ آنحضرت ﷺ کے فرمان کا یہی منشا حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے سمجھا تھا ورنہ اس کی مخالفت نہ فرماتے۔

**فائدہ:۔** جس سلطان اسلام نے کسی شخص کو جاگیر بصورت مذکورہ نسلاً بعد نسل پیداوار سے نفع اٹھانے کے لئے دے دی، جب یہ سلطان مر جائے اور جاگیردار کا انتقال اس وقت ہو جب دوسرا امام اس کی جگہ تخت نشین ہو تو اس کو اور اسی طرح اس کے بعد آنے والے سلاطین کو اس کی اولاد کے بارہ میں سابق سلطان کے فرمان کا پابند رہنا ہوگا۔ سلطان اس کے انتقال پر جاگیردار کی

اولاد کے حق میں یہ معاہدہ بھی ختم ہو جائے گا اور جدید سلطان کو اختیار ہوگا کہ اولاد کے لئے اس کو باقی رکھے یا واپس لے لے۔ اس کے متعلق نصوص میں کوئی تصریح نہیں اور قواعد کلیہ سے جو کچھ حضرات فقہاء نے سمجھا ہے اس میں رائیں اور اقوال مختلف ہیں۔ (درمختار ❶) شامی وغیرہ میں شرح سیر کبیر کی بعض روایات کی بناء پر اس کو ترجیح دی ہے کہ اس قسم کی جاگیر کے اولاد میں منتقل ہونے کا معاملہ عطا کنندہ سلطان کی حیات تک رہے گا۔ اس کی موت پر ختم ہو جائے گا اور آئندہ امام وامیر کو اختیار ہوگا کہ جاگیردار کی وفات کے بعد اس کی اولاد اور وارثوں کو دے یا واپس لے لے۔ مگر خود جاگیردار کی حیات تک اس کی پابندی ہر سلطان وامیر کو کرنا ہوگی۔ کیونکہ اس کو عطیہ دیا جا چکا ہے بخلاف اولاد کے ان کو ابھی تک نہیں دیا گیا۔ ان کے حق میں محض ایک معلق وعدہ ہے۔ حضرت تمیم داری کی ایسی ہی جاگیر کا تا حال انہی کی نسل میں باقی رہنا جیسا کہ اوپر گذرا، یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ہر نئے امیر و امام نے اپنے اختیار سے اس کو باقی رکھا اور یہ بھی ممکن ہے کہ بعد میں آنے والے امراء و حکام نے سابق فرمان کی پابندی کو اپنے لئے لازم و ضروری سمجھ کر باقی رکھا ہو۔

(۳) تیسری صورت اقطاع و عطیہ جاگیر کی یہ ہے کہ نہ جاگیردار کو زمین کا مالک بنائیں اور نہ نسلاً بعد نسل منافع دیں۔ بلکہ تا حیات جاگیردار کو منافع لینے کا اختیار دیا جائے اس صورت میں حسب شرط جاگیردار کے انتقال کے بعد یہ زمین اس سے واپس لے لی جائے گی۔

(۴) چوتھی ❷ صورت یہ ہے کہ جاگیردار کو پیداوار سے منافع حاصل کرنے کی اجازت بلا کسی تحدید مدت کے دی جائے۔ اس صورت میں امام کو ہر وقت یہ اختیار ہے کہ جب ضرورت یا مصلحت کو دیکھے اس کے قبضہ سے نکال لے۔

---

❶ في الدر المختار ومن الحوادث لو اقطعها السلطان له ولاولاده ونسله وعقبه على ان من مات منهم انتقل نصيبه الى اخيه ثم مات السلطان وانتقل [illegible] سلطان آخر هل يكون لاولاده [illegible] ومقتضى القواعد [illegible] بموت المعلق [illegible] وهذا هو [illegible] من كلام الشامي في هذا البحث. (شامی ص ۲۶۳ ج ۳)

❷ قال في الدر المختار [illegible] من قول [illegible] حكم [illegible] الاقطاع [illegible] ولا وقفه [illegible] على اجارة المستاجر [illegible] قال الشامي [illegible] الامام [illegible] الاجارة [illegible] الملك الى [illegible] شامی ص ۲۶۳ ج ۳ [illegible] العلامة قاسم [illegible] (شامی ص ۲۶۳ ج ۳)

<u>مسئلہ</u> ● جاگیر کی مذکورالصدر چاروں صورتوں میں سے صرف صورت اولیٰ میں جاگیردار کو ہر قسم کے مالکانہ تصرفات بیع و ہبہ اور وقف وغیرہ کے حق حاصل ہیں۔ باقی تین صورتوں میں یہ مالکانہ تصرفات جائز نہیں۔ البتہ جاگیردار کو یہ حق حاصل ہے کہ اس زمین کو خود کاشت کرے یا اس میں مسکن بنا کر نفع اٹھائے یا کرایہ پر دے کر اس کی اجرت سے فائدہ حاصل کرے۔

(۵) پانچویں صورت یہ ہے کہ نہ زمین کی ملکیت سے جاگیردار کا کوئی تعلق ہو نہ اس کی پیداوار و منافع بلا واسطہ اس کے دئیے جائیں، بلکہ زمین کا جو عشر یا خراج بیت المال میں داخل ہوتا ہو وہ کل یا بعض کسی مستحق شخص کو دے دیا جائے۔ اس صورت میں اگر زمین پر کوئی کاشتکار کرایہ دار منجانب امام قابض و متصرف ہے وہ اپنی جگہ بحال رہے گا، جاگیردار اس کو بے دخل کر کے دوسروں کو اجارہ پر نہ دے ● سکے گا بلکہ شرط کے موافق اس کا تعلق عشر و خراج کے اس حصہ سے ہوگا جو امیر نے اس کے لئے مقرر کر دیا ہے۔

(۶) چھٹی صورت اقطاع اور عطاء جاگیر کی یہ ہے کہ وہ اراضی بیت المال میں سے نہ ہو بلکہ اراضی مملوکہ سے متعلق ہو اور صورت اس کی وہی ہوئی جو پانچویں صورت میں مذکور ہے کہ زمین کی پیداوار سے جاگیردار کا بلاواسطہ کوئی تعلق نہیں، بلکہ پیداوار اس صورت میں زمیندار مالک زمین کی ہوگی۔ جاگیردار کے لئے امام اس خراج کا کل یا جزء ● مقرر کر دے جو اس زمین سے بیت المال میں داخل ہوتا ہے۔ اور حکم اس کا بھی وہی ہے جو نمبر (۵) میں گذرا اور اس طرح کے اقطاع

---

● وفي التحفة المرضية لابن نجيم عن اوقاف الخصاف و صرح الشيخ قاسم في فتاواه بأن من اقطعه السلطان ارضاً من بيت المال ملك المنفعة بمقابلة استعداده لما اعد له فله اجارتها وتبطل بموته او اخراجه من الاقطاع لان للسلطان ان يخرجه منها. انتهى (رسائل ابن نجيم ص [illegible])

● في رد المحتار. لكن الاقطاعات الارض تزرع و اصحابها يقيمون عليها ولهم فيها حرث و كبس ونحوه يسمى كردار ... ما عليها لا تصح اجارتها لغيرهم (شامي ص [illegible] ج ۳) وفي رسالة الاقطاعات للعلامة زين بن نجيم رحمه الله واما اقطاعه من اراضي بيت المال فانه لا يملك فلا يصح رقبتها ولا التصرف بما يخرجها عن ملك ولا تورث عنه وانما ملك الانتفاع بها فله ... فللامام ان يخرجها عن غيره ... محل له خراجها الذي كان يحصل لبيت المال الكل او البعض ويشترط ان يكون من مصارف الخراج وعلى هذا فليس له ان يخرجها عن المتصرف ... (رسائل ابن نجيم ص [illegible])

● في رسالة ابن نجيم ... الامام ... في احكام الاوقاف قال هلال الارض الاقطاع وفي ارض خراج ... ملك لا ... السلطان ... الذي ... من الارض الزرع ... السلطان من هذا الصنف الذي ... بيت المال ... من هذا الصنف ... وجعلت غلته ... بيت المال و ... من جميع ما يخرج الارض قال وقف ... القطع ذلك ... لم يجز الوقف في ذلك من قبل ان الذي اقطع ليس يملك رقبة الارض وانما اقطع شيئا من حق بيت المال فالوقف في ذلك باطل انتهى (ص [illegible])

میں بھی یہ شرط ہے کہ یہ جاگیردار مصارف خراج میں سے ہو جو شخص مصرف خراج میں سے نہ ہو اس کو یا تجوییں اور یعنی صورت کی جاگیر نہیں دی جا سکتی۔ (خلاصہ جامع رسالہ حسن التحریر فی الاقطاعات)

(۷) ساتویں صورت یہ ہے کہ جاگیر میں اراضی بیت المال سے دی جائے نہ مملوکہ زمینوں کے خراج سے بلکہ غیر آباد زمین جس کو ارض موات کہا جاتا ہے اس سے دی جائے۔ اس صورت میں یہ جاگیر ہر شخص کو دی جا سکتی ہے خواہ مصارف بیت المال میں داخل ہو یا نہ ہو اور مسلم ہو یا غیر مسلم ذمی۔ اور جس کو یہ جاگیر دی گئی جب وہ اس کو آباد کرے گا تو رقبہ زمین کا مالک خودمختار ہو جائے گا۔ اور ہر قسم کے مالکانہ تصرفات اس کے لئے جائز ہوں گے جیسا کہ ابھی اس کی تفصیل گزر چکی ہے۔

ف: آخر الذکر دو صورتیں اگرچہ بیت المال کے اقطاع میں داخل نہیں لیکن اقطاع کی سب صورتوں کو یکجا جمع کرنے کے لئے ان کو بھی اس جگہ لکھ دیا گیا ہے۔

## غیر مملوکہ زمین کی اقسام واحکام کا خلاصہ

یہ ہے کہ جو زمین کسی خاص کی ملک نہ ہو اس کی تین قسمیں ہیں:۔

۱) ... اراضی فناء بلدہ جو بستی کی عام اور مشترک ضروریات میں مشغول ہوں۔

۲) ... ارض موات۔ غیر آباد ناقابل زراعت ومنفعت زمینیں جن سے کسی بستی کی ضروریات متعلق نہ ہوں۔

۳) ... اراضی بیت المال باقسامہا

ان میں قسم اول کسی حال اور کسی وقت کسی شخص کی ملک خاص نہیں ہو سکتی اور قسم دوم کو جو شخص مسلم یا غیر مسلم مستحق یا غیر مستحق امام المسلمین سے اجازت لے کر آباد کرے وہ اس کا مالک ہو جائے گا۔ اور قسم سوم میں تفصیل ہے بعض میں جاگیردار اس زمین کا مالک ہو جائے گا۔ بعض میں مالک نہ ہو گا۔ اور یہ امر اس کی سب صورتوں میں مشترک ہیں کہ اس کا عطیہ صرف ان لوگوں کو کیا جا سکتا ہے جن کا بیت المال میں حق ہے۔ (واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم)

## اراضیٔ بیت المال کا وقف

اراضیٔ بیت المال کے اقسام واحکام کی جو تفصیل اوپر ذکر کی گئی ہے اس سے معلوم ہو چکا کہ یہ اراضی بعض صورتوں میں خاص خاص افراد کی ملک بھی ہو سکتی ہے مثلاً ولیکن بیت المال اس کو

---

● قال الشامی وھذا صریح فی ان الاقطاع قد یکون من الموات وقد یکون من بیت المال لمن ھو من مصارفہ الخ (ص ۱۶ ج ۳)

فروخت کر دے اور خود سلطان یا کوئی دوسرا شخص خرید ● لے یا امام کسی کو مستحق سمجھ کر یہ زمین بطور ملکیت جاگیر وار میں دے دے۔ ان صورتوں میں جو لوگ ان زمینوں کے مالک ہوں گے وہ ان کو وقف بھی کر سکتے ہیں جو عام اوقاف کی طرح ہمیشہ شرائط واقف کے ماتحت جاری رہیں گے۔

اور اگر امام نے بغیر تملیک و تملک کے بیت المال کی اراضی میں سے کسی زمین کو کسی خاص کام کے لئے وقف کر دیا۔ مثلاً بنا مساجد، مدارس یا مسافر خانے اور خانقاہیں وغیرہ تو یہ وقف اگرچہ حقیقۃً وقف نہ ہوگا کیونکہ اس کے لئے ملک واقف شرط ہے اور یہاں وقف کنندہ امام اس زمین کا مالک نہیں۔ لیکن عموماً احکام میں یہ بھی بحکم اوقاف رہیں گی کہ جس مصرف خاص کے لئے امام نے مقرر کر دیا ہے اسی میں صرف کیا جائے گا۔ تغیر تبدل کا کسی کو اختیار نہ ہوگا بشرطیکہ وہ مصرف مصارف بیت المال میں سے ہو۔ اس قسم کے اوقاف سلطانیہ کو اصطلاحات فقہاء میں ارصادات کہا جاتا ہے (شامی ص ۲۶۵ ج ۳) سنہ ۷۸۰ھ میں سلطان نظام الملک برقوق نے یہ ارادہ کیا کہ اس قسم کے اوقاف توڑ دیں کیونکہ وہ درحقیقت اوقاف نہیں بلکہ بیت المال سے نکالے گئے ہیں۔ اس کے علاوہ علماء کی ایک مجلس بغرض مشورہ و فتویٰ طلب کی گئی جس میں شیخ سراج الدین بلقینی اور شیخ اکمل الدین بابرتی شارح ہدایہ اور شیخ برہان بن جماعت وغیرہ حضرات تشریف لائے۔ شیخ بلقینی نے فیصلہ دیا کہ اس قسم کے اوقاف جو علماء طلباء کے لئے کئے گئے ہیں جن کا حق خمس بیت المال میں ہے وہ بدستور باقی رکھے جائیں اور جو بلا وجہ شرعی کسی غیر مستحق کے لئے مخصوص کر دیئے گئے وہ توڑ دیئے جائیں۔ دوسرے علماء نے بھی اس کی موافقت فرمائی۔ (شامی ص ۲۶۵ ج ۳)

## قسم دوم اراضی مملوکہ

شروع رسالہ میں معلوم ہو چکا ہے کہ اراضی مفتوحہ کی ابتدائی تقسیم سے دو قسمیں نکلتی ہیں، غیر مملوکہ اور مملوکہ۔ ان میں سے قسم اول غیر مملوکہ کے اقسام و احکام کا مفصل بیان آ چکا ہے۔ قسم دوم

---

● ..... ولو المقطعة السلطان ارضاً مواتاً او ملكها السلطان ثم اقطعها له جاز وقفها او بمختار قال الشامي لوقفه او ملكها السلطان اى صاحبه بشراء من وكيل بيت المال الحنفي. (شامی ص ۲۶۵ ج ۳) وفي البحر بعد ذلك فالارصاد من السلطان ليس بايقاف البتة لعدم الملك ومنه ارصاد السلطان بعض القرى والمزارع من بيت المال على المساجد والمدارس ولنحوها لمن يستحق من بيت المال كالعلماء والائمة والمؤذنين ونحوهم كأنه لاجل وصول الحق على طريق حاجاتهم بما انه لم يكن وقفاً حقيقة لعدم ملك السلطان له بل هو تعيين شيء من بيت المال على بعض مستحقيه فلا يجوز لمن بعده ان يغيره او يبدله كما قدمناه ... شامي ص ۲۶۵ ج ۳ وبسطه في رسالة الاقطاعات لابن نجيم ... لا رقاب المصحف والله اعلم ۱۲ منه

اراضی مملوکہ یعنی جو زمینیں ملک فتح ہونے کے وقت خاص خاص افراد و اشخاص کی ملک میں تھیں ان زمینوں کے احکام میں تفصیل ہے جس کا مدار ملک فتح ہونے کی مختلف صورتوں پر ہے تفصیل اس کی یہ ہے۔

## اراضی مفتوحہ صلحاً

کسی ملک یا شہر کے صلحاً فتح ہونے کی دو صورتیں ہیں۔

(۱) ... ایک یہ کہ فتح کے وقت اہل ملک مسلمان ہو جائیں اور امام المسلمین کی اطاعت قبول کرلیں۔ اس صورت میں ہر شخص اپنی اپنی املاک منقولہ اور غیر منقولہ پر بدستور مالک و متصرف رہے گا۔ امام اور حکام اسلام کو ان کی املاک میں کسی تصرف کا کوئی اختیار نہیں۔ حدیث میں اسی صورت کا یہ حکم مذکور ہے۔

عصموا منی دماءھم واموالھم

ترجمہ: "یعنی اگر انہوں نے اسلام قبول کر لیا تو اپنی جانوں اور مالوں کو محفوظ کر لیا۔"

مدینہ طیبہ کے انصار چونکہ پہلے ہی مسلمان ہو چکے تھے اس لئے رسول اللہ ﷺ نے مدینہ کی اراضی کے ساتھ یہی معاملہ فرمایا۔ ہر شخص اپنی اپنی املاک و جائیداد پر بدستور مالک و متصرف رہا۔ البتہ حضرات انصار نے مدینہ طیبہ کی وہ زمینیں جہاں پانی نہیں پہنچتا ان میں اپنی خوشی و رضا سے آنحضرت ﷺ کو اختیار دے دیا تھا کہ جو چاہیں کریں۔ یہی سبب ہوا کہ آپ نے مدینہ طیبہ کے علاقہ کی زمین حضرت بلال بن حارث کو بطور جاگیر (اقطاع) عطا فرما دی تھی۔ (کتاب الاموال لابی عبید ص ۲۸۷) ❶

(۲) ... دوسری صورت صلحاً فتح ہونے کی یہ ہے کہ اہل ملک مسلمان نہ ہوں مگر بامعاہدہ صلح کے ساتھ امام المسلمین کی اطاعت قبول کرلیں۔ اس صورت میں ملک کی اراضی مملوکہ کے متعلق جن شرائط پر صلح ہوئی ہے ان کی پابندی لازمی اور دائمی ہوگی کسی کو ان میں تغیر تبدیل یا کمی بیشی کا حق نہ

❶ ... قال ابو عبید فلما رجعنا الآثار عن رسول اللہ ﷺ والخلفاء بعده فوجدناها في افتتاح الارضين ثلاثة احكام ارض اسلم عليها اهلها فهي لهم ملك ايمانهم وهي ارض عشر لا شيء عليهم فيها غيره وارض افتتحت صلحا على خرج معلوم فهم على ما صولحوا عليه لا يلزمهم اكثر منه وارض اخذت عنوة فهي التي اختلف فيها المسلمون فقال بعضهم سبيلها سبيل الغنيمة فتخمس وتقسم فيكون اربعة اخماسها خططا بين الفاتحين خاصة ويكون الخمس الباقي لمن سمى الله تعالى وقال بعضهم بل حكمها والنظر فيها الى الامام ان رأى ان يجعلها غنيمة فيخمسها ويقسمها كما فعل رسول الله ﷺ بخيبر فذلك له وان رأى ان يجعلها فيئا فلا يخمسها ولا يقسمها ولكن تكون موقوفة على المسلمين عامة ما بقوا كما صنع عمر بالسواد فعل ذلك (ص ۵۹)

ہوگا۔ اگر اس پر صلح ہوئی ہے کہ اراضی بدستور سابق مالکوں کی ملک و تصرف میں رہیں گی تو اس کی پابندی کی جائے گی۔ البتہ ان کی زمینوں پر خراج اور اس پر جزیہ مقرر کر دیا جائے گا جو بیت المال میں سالانہ داخل کیا جائے گا۔ (کتاب الاموال ابو عبید کا باب المعنعہ والمصنعة کے شروع میں ہے)

اذا فتح الامام بلدة صلحا جری علیٰ موجبه و کذا من بعده من الامراء و ارضها تبقی مملوکۃ لھم۔

"یعنی جب امام کوئی شہر صلحاً فتح کرے تو شرائط صلح کے موافق عمل کرنا لازم ہے اور ایسے ہی اس کے بعد کے دوسرے امراء و سلاطین بھی ان شرائط صلح کی مخالفت نہیں کر سکتے اور صلحاً فتح کئے ہوئے بلدہ کی زمینیں انہی لوگوں کی ملک رہیں گی۔ (شامی ص ۲۱۲ ج ۳)

## اراضی مفتوحہ قہراً

فوجی قوت اور قہر و غلبہ کے ساتھ جو فتح ملک ہو۔ اس صورت میں ملک کی اراضی مملوکہ کے متعلق امام المسلمین کو تین قسم کے اختیارات حاصل ہیں۔

(الف) یہ کہ منقول اموال غنیمت کی طرح اراضی کو بھی تقسیم کر دے۔ یعنی پانچواں حصہ بیت المال کے لئے نکال کر باقی چار حصے غانمین جنہوں نے یہ ملک فتح کیا ہے ان میں تقسیم کر دے تقسیم غنیمت کا یہ قاعدہ قرآن کریم کی آیت وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَیْءٍ ...... الآیۃ میں بصراحت مذکور ہے اور رسول اللہ ﷺ نے خیبر کی زمینوں کے ساتھ یہی ● معاملہ فرمایا کہ خمس نکال کر چار حصے غانمین میں تقسیم فرما دیئے۔

اس صورت میں پانچواں حصہ اراضی کا جو بیت المال کے لئے نکالا گیا ہے وہ اراضی بیت المال میں شامل ہو جائے گا جس کے احکام و اقسام کی تفصیل اراضی غیر مملوکہ کے بیان میں آ چکی ہے اور جو اراضی غانمین میں تقسیم ہوں گی ان میں ہر شخص اپنے اپنے حصہ کا مالک ● ہوگا اس کو ہر

---

● ۔۔ قال ابو عبید حدثنا یزید بن هارون حدثنا یحیی بن سعید ان بشیر بن یسار اخبره ان رسول الله ﷺ لما افاء الله علیه خیبر قسمها علی ستة و ثلاثین سهما جمع کل سهم منها مائة سهم و عزل نصفها لنوائبه و ما ینزل به و قسم النصف الباقی بین المسلمین و سهم رسول الله ﷺ فیما قسم الشق و النطاة و ما حیز معهما و کان فیما وقف الکتیبة و الوطیحة و سلالم. (کتاب الاموال ابو عبید ص ۱۴۴)

● قال الجصاص فی احکام القرآن من سورة الحشر و اختلف اهل العلم فی احکام الارضین المفتتحة عنوة فقال اصحابنا و الثوری اذا افتتحها الامام عنوة فهو بالخیار ان شاء قسمها و اهلها و اموالهم بین الغانمین بعد اخراج الخمس و ان شاء اقر اهلها علیها و جعل علیها و علیهم الخراج و یکون ملکا لهم و یجوز بیعهم و شراؤهم لها (احکام القرآن ص ۲۰۰ ج ۳) و قال ایضا فی آیة الغنیمة و اعلموا انما غنمتم الآیة فالمقتضی بظاهر ذلک ملک للغانمین الی قوله و جعل الارضین غنیمة لهم و ملکه بخیبر فکذلک. ص ۱۱ ج ۳

قسم کے بلحاظ تصرفات بیع و ہبہ اور وقف وغیرہ کے مکمل اختیارات ہوں گے اور اس کے انتقال
کے بعد یہ زمین ان کے وارثوں میں حسب حصص شرعیہ منتقل ہوگی۔

دوسرا اختیار امام کو یہ ہے کہ اراضی مفتوحہ میں سے جو زمینیں لوگوں کی املاک ہیں ان
پر انہی لوگوں کی ملکیت کو برقرار رکھتے ہوئے ان کی زمینوں ● پر خراج اور جزیہ مقرر کر دے ان
زمینوں کا خراج ہمیشہ بیت المال میں داخل ہو کر مسلمانوں کی موجودہ اور آئندہ نسلوں میں احکام
خراج کے ماتحت صرف ہوتا رہے جیسے کہ رسول اللہ ﷺ نے مکہ کی زمینوں کے ساتھ ● یہی
معاملہ فرمایا کہ ان کے مالکوں کی ملکیت برقرار رکھی اور حضرت فاروق اعظمؓ نے عراق اور شام اور
مصر کی تمام اراضی مملوکہ کے ساتھ یہی دستور العمل اختیار فرمایا کہ زمینوں کو باوجود بعض حضرات
کے مطالبہ کے تقسیم نہیں کیا بلکہ بدستور قائم رکھ کر ان کا خراج مسلمانوں کی آئندہ نسلوں کے لئے
دائماً محفوظ کر لیا اور مطالبہ کرنے والوں کے سامنے سورۂ حشر کی آیات قرآنیہ اپنی حجت میں پیش
فرمائیں جن میں مال غنیمت کے اندر آئندہ پیدا ہونے والے یا آئندہ اسلام قبول کرنے والے
مسلمانوں کا حق قرآن نے رکھا ہے:۔

قال اللّٰہ تعالیٰ ۔ والذین جاء و من بعدھم یقولون ربنا اغفرلنا

---

● قال فی البدائع من الغنیمة اما الارض فالامام فیه بالخیار ان شاء خمسها و یقسم الباقی بین الغانمین لما بینا وان شاء ترکها فی ید اهلها بالخراج و جعلهم ذمة الی قوله و هذا مذهب عندالشافعی لیس للامام ان یترک الارض فی ایدیهم بالخراج بل یقسمها لنا اجماع الصحابة ﷺ فان سیدنا عمر ﷺ لما فتح سواد العراق ترک الارض فی ایدیهم و ضرب علی رؤسهم الجزیة و علی اراضیهم الخراج بمحضر من الصحابة الکرام ولم ینقل انه انکر علیه منکر فکان ذلک اجماعا منهم (ص ۱۱۹ ج ۷) و قال الجصاص فی سورة الحشر یدل علیه ان النبی ﷺ فتح مکة عنوة و من علی اهلها فاقرهم علی املاکهم فقد حصل بدلالة الآیة و اجماع السلف والسنة تخییر الامام فی قسمة الارض او ترکها ملکا لاهلها و وضع الخراج علیها (احکام القرآن ص ۴۳۸ ج ۳)

● قال ابو عبید فقد صحت الاخبار عن رسول اللہ ﷺ انه افتتح مکة وانه من علی اهلها فردها علیهم ولم یقسمها ﷺ یجعلها فیئا (ص ۱۰۵ اموال)

● قال الامام ابو بکر الجصاص لا تخلو الارض المفتتحة عنوة من ان تکون للغانمین لا یجوز للامام صرفها عنهم بحال الا بطیبة من انفسهم او ان یکون للامام مخیرا بین اقرار اهلها علی املاکهم فیها و وضع الخراج علیها و علی رقاب اهلها علی ما فعله عمر فی ارض السواد فلما اتفق الجمیع من الصحابة علی تصویب عمر فیما فعله فی ارض السواد بعد خلاف من بعضهم علیه (ص ۳۰ ج ۳) [illegible]

کے لئے مخصوص فرمائی تھیں اور باقی پر مالکان سابق کی ملک برقرار رکھ کر ان سے خراج کا معاملہ فرما لیا۔ (کتاب الاموال لابی عبید، کتاب الخراج لامام ابی یوسف)

بعض فقہاء کی تحقیق مصر و شام و عراق کی زمینوں کے متعلق بھی یہ ہے کہ حضرت فاروق اعظمؓ نے ان میں یہی تیسری قسم کا اختیار نافذ فرمایا ہے اور اسی لئے فقہاء کے نزدیک عراق و شام وغیرہ کی اراضی کی بیع و شراء جائز نہیں، کیونکہ ان کی تحقیق کے موافق یہ زمینیں ان کی ملک نہیں بیت المال کی اراضی ہیں اس میں اختلاف اور بحث طویل ہے، ترجیح و تحقیق قول کا فیصلہ آگے آتا ہے۔

امام ابو عبید نے کتاب الاموال میں لکھا ہے کہ فتح عراق کے بعد چند صحابہؓ نے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ فاتح عراق سے یہاں کی اراضی تقسیم کرنے کا مطالبہ کیا، انہوں نے امیر المؤمنین فاروق اعظمؓ کو خط لکھ کر اس بارہ میں اجازت طلب کی، فاروق اعظمؓ کا فرمان بالفاظ ذیل پہنچا۔

بعد حمد و صلوٰۃ آپ کا خط میرے پاس آیا کہ لوگ آپ سے غنائم کی تقسیم کا مطالبہ کر رہے ہیں سو آپ کو چاہئے کہ اموال منقولہ جو غنیمت میں جمع ہوئے ہیں وہ سب تو حسب قاعدہ شرکاء جہاد غانمین میں تقسیم کر دیں اور اراضی ان کے عمال کے پاس رہنے دیں تاکہ مسلمانوں کے عطیات میں ہمیشہ کام آئیں اس لئے کہ اگر ہم نے یہ زمینیں بھی موجودین میں تقسیم کر دیں تو ان کے بعد آنے والے مسلمانوں کے لئے کچھ نہ رہے گا۔ (ص ۵۹) اسی طرح فتح مصر کے وقت جب حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ وغیرہ نے مطالبہ کیا کہ اراضی بھی تقسیم کی جائیں انہوں نے بھی حضرت فاروق اعظمؓ کو خط لکھا جس کے جواب میں ارشاد ہوا۔

دعها حتى يغزو منها حبل الحبلة قال ابو عبيد اراه اراد ان تكون فيئا موقوفا للمسلمين ما تناسلوا يرثه قرن عن قرن فتكون قوة لهم على عدوهم (اموال ص ۵۸)

ترجمہ "زمینوں کو بدستور چھوڑ دیجئے تاکہ ان کے بچے کے بچے جہاد کریں" امام ابو عبید فرماتے ہیں کہ اس کا مطلب میرے خیال میں یہ ہے کہ یہ زمینیں مسلمانوں کے لئے عمومی طور پر وقف رکھی جائیں کہ نسلاً بعد نسل ان کا نفع ان کو پہنچتا رہے ایک قرن کی جماعت دوسروں کو ملے، تاکہ ان کو دشمنوں کے مقابلہ پر قوت حاصل ہو۔

اور بعض روایات میں ہے کہ حضرت فاروق اعظمؓ نے اراضی عراق کے متعلق صحابہ سے مشورہ لیا تو حضرت علی مرتضیٰؓ نے رائے دی کہ "یہ زمینیں تقسیم نہ کی جائیں" تاکہ منافع

مستحقین کے لئے دائمی سامان ہو جائے۔ اور حضرت معاذ رضی اللہ عنہ ● نے فرمایا کہ اگر آپ یہ زمینیں غانمین میں تقسیم کر دیں گے تو بڑی بڑی جاگیریں ان خاص خاص لوگوں کی ملک ہو جائیں گی اور پھر جو مسلمان آئندہ اسلامی خدمات انجام دیں گے ان کے لئے کچھ نہ رہے گا اس لئے آپ کوئی ایسی صورت سوچیں جو اگلے پچھلے سب مسلمانوں کے لئے خوشحالی کا ذریعہ بنے۔" حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ اور معاذ رضی اللہ عنہ کی رائے کو اختیار فرمایا۔ ان زمینوں سے خمس نکالا اور نہ غانمین میں تقسیم کیں بلکہ مصالح مسلمین کے لئے وقف کر دیا۔ (کتاب الاموال ص ۵۷)

**فائدہ**:۔ روایات مذکورہ کے عام الفاظ یہ ہیں کہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے عراق، شام اور مصر کی زمینوں کو مسلمانوں کے لئے وقف کر دیا۔ اس جگہ یہ تو ظاہر ہے کہ لفظ وقف اپنے حقیقی معنی میں نہیں کیونکہ اس کے لئے ملک واقف شرط ہے اور ظاہر ہے کہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ ان زمینوں کے مالک نہیں تھے۔ اس لئے امام اعظم ابوحنیفہؒ اور دوسرے بہت سے ائمہ و فقہاء نے اس جگہ وقف کرنے کا یہ مطلب قرار دیا ہے کہ اراضی پر بیت المال کی ملکیت کو برقرار رکھ کر ان پر خراج مقرر کر دیا جو ہمیشہ ہمیشہ مسلمانوں کی ضروریات میں کام آتا رہے گا جیسے اراضی موقوفہ کی آمدنی مصارف وقف کے لئے دائمی ہوا کرتی ہے۔ اسی لئے بعض کتب فقہ حنفیہ میں بھی ان ممالک کی زمینوں کو باوجود ملک مالکان تسلیم کرنے کے بطریق وقف کہا ہے۔ چنانچہ جامع الرموز ص ۴۲۵ ج ۳ طبع قازان کے یہی الفاظ ہیں اور ابن حزم نے محلّی میں امام اعظمؒ سے اس کی تصریح بالفاظ ذیل نقل کی ہے:۔

قال ابو حنیفة الامام مخیر ان شاء قسمها وان شاء اوقفها فان اوقفها فهی ملك الكفار الذین كانت لهم۔ (محلی ص ۳۴۳ ج ۷)

ترجمہ: "امام ابوحنیفہ فرماتے ہیں کہ امام کو اختیار ہے چاہے مفتوحہ زمینوں کو غانمین میں تقسیم کر دے اور چاہے وقف کر دے لیکن اگر وقف کیا تو زمینیں انہیں کفار کی ملک رہیں گی جن کی ملک میں پہلے تھیں۔"

ابن حزم نے محمول کیا کہ اس جگہ لفظ وقف ملک کے منافی نہیں کیونکہ مراد اس وقف سے یہ ہے کہ اراضی موقوفہ کی طرح ان کے خراج کی آمدنی ہمیشہ مفاد مسلمین کے لئے محفوظ رہے گی اور

● اس روایت کے الفاظ یہ ہیں: فقدم عمر الجابية فاراد قسم الارض بين المسلمين فقال له معاذ: والله اذاً ليكونن ما تكره، انك ان قسمتها صار الريع العظيم في ايدي القوم ثم يبيدون فيصير ذلك الى الرجل الواحد او المرأة ثم يأتي من بعدهم قوم يسدون من الاسلام مسداً وهم لا يجدون شيئاً فانظر امراً يسع اولهم وآخرهم (الاموال ص ۵۷)

حافظ ابن قیم نے زاد المعاد میں اور بھی زیادہ وضاحت سے اس کی تصریح فرمائی اور یہ بھی بتلا دیا کہ دوسرے ائمہ جو اراضی مفتوحہ کے وقف ہونے کے قائل ہیں ان کی مراد بھی یہی ہے۔ وقف سے وقف اصطلاحی نہیں بلکہ وہی معنی مراد ہیں کہ ان اراضی کا قیام مثل وقف کے مسلمانوں کی دائمی منفعت کے لئے مخصوص رہے گا۔

ونقطة قسمة الارض لا تدخل في الغنائم والامام مخير فيها بحسب المصلحة وقد قسم رسول الله ﷺ وترك وعمر رضي الله عنه لم يقسم بل اقرها على حالها وضرب عليها خراجاً مستمراً في رقبتها يكون للمقاتلة فهذا معنى وقفها ليس معناه الوقف الذي يمنع من نقل الملك في الرقبة بل يجوز بيع هذه الارض كما هو عمل الامة وقد اجمعوا على انها تورث والوقف لا يورث وقد نص الامام احمد على انها يجوز ان تجعل صداقاً والوقف لا يجوز ان يكون مهراً في النكاح ولان الوقف انما امتنع بيعه ونقل الملك في رقبته لما في ذلك من ابطال حق البطون الموقوف عليهم من منفعته والمقاتلة حقهم في خراج الارض فمن اشتراها صارت عنده خراجية كما كانت عند البائع فلا يبطل حق احد من المسلمين بهذا البيع.

(زاد المعاد فصل الارضی المغنومة ص ۳۲۵ ج ۱)

**فائدہ**۔ تقریر مذکور کے ساتھ فتح کی ہوئی زمینوں کے متعلق ائمہ کے مذکورۃ الصدر مختلف اقوال و روایات کی تفصیل مذکور سے قرآن مجید کی دو آیتوں کا ظاہری تعارض بھی رفع ہو گیا اور رسول اللہ ﷺ کے عمل خیبر سے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عمل عراق و شام وغیرہ میں بھی تطبیق ہو گئی۔ یہ دو آیتیں ایک سورۂ انفال میں ❶ واعلموا انما غنمتم من شیء اور دوسری سورۂ حشر میں وما افاء اللہ علی رسولہ من اہل القری بظاہر متعارض نظر آتی ہیں کیونکہ پہلی آیت سے تو اموال غنیمت کا یہ حکم معلوم ہوتا ہے کہ خمس بیت المال کے لئے نکال کر باقی چار خمس مجاہدین میں تقسیم کر دیئے جائیں۔ اور دوسری آیت سے یہ مستفاد ہوتا ہے کہ تقسیم نہ کئے جائیں۔ کیونکہ اس

❶ [illegible]

آیت میں مال غنیمت کا حقدار ان مسلمانوں کو بھی قرار دیا ہے جو بعد میں آئیں گے اور ظاہر ہے کہ موجودہ فاتحین میں اراضی تقسیم ہو جانے کے بعد آئندہ آنے والے مسلمانوں کے لئے کچھ نہیں رہتا۔ اس ظاہری تعارض کو دیکھ کر بعض علماء نے سورۂ حشر کی آیت کو منسوخ قرار دے دیا لیکن حقیقت یہ ہے کہ ان میں تعارض ہے اور نہ دونوں آیتوں میں سے کوئی آیت منسوخ ہے بلکہ دونوں صورتیں جائز اور اپنی اپنی جگہ پر امام کے زیر اختیار معمول بہا ہیں۔ امام ابو عبیدؒ نے اسی کے متعلق فرمایا ہے:۔

وکلا الحکمین فیه قدوة ومتبع من الغنیمة والفیٔ الا ان الذی اختاره من ذلك ان یکون النظر فیه الی الامام کما قال سفیان وذلك ان الوجهین جمیعاً داخلان فیه ولیس فعل النبی ﷺ براد لفعل عمر رضی اللہ عنہ ولکنه ﷺ اتبع اٰیة من کتاب اللّٰه تبارك وتعالیٰ فعمل بها واتبع عمر اٰیة اُخریٰ فعمل بها وهما اٰیتان محکمتان (اموال ص ۶۰)

ترجمہ: اور غنیمت وفیٔ کے دونوں حکام میں ہمارے لئے اسوۂ موجود ہے تو قابل بات یہ ہے کہ اس میں امام کو اختیار ہے کہ حسب صوابدید خود جس صورت کو مسلمانوں کے لئے انسب سمجھے اس کو اختیار کرے اور رسول اکرم ﷺ کا عمل فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے عمل کو رد نہیں کرتا بلکہ آنحضرت ﷺ نے حسب صوابدید ایک آیت پر عمل فرمایا اور عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے وقت کی مصالح کا لحاظ کر کے دوسری آیت پر عمل کیا اور یہ دونوں آیتیں غیر منسوخ ہیں۔ (امام کو اختیار ہے جس پر چاہے عمل کرے)

اور امام ابو بکر جصاص نے بھی احکام القرآن میں تقریباً یہی مضمون لکھا ہے۔

وهذا یدل علی ان هذه الاٰیة غیر منسوخة وانها مضمومة الی اٰیة الغنیمة فی الارضین المفتتحة فان رای قسمتها اصلح للمسلمین وارد علیهم قسم وان رای اقرار اهلها علیها واخذ الخراج منهم فیها فعل (ص ۵۲۹ ج ۳)

ترجمہ: "اور یہ اس پر دلالت کرتا ہے کہ یہ آیت منسوخ نہیں اور یہ کہ یہ آیت اراضی مفتوحہ کے بارہ میں آیت غنیمت کے ساتھ ملی ہوئی ہے پس اگر امام اراضی کی تقسیم کو مسلمانوں کے لئے زیادہ بہتر سمجھے تو تقسیم کر دے اور یہ بہتر سمجھے کہ زمینوں پر انہی لوگوں کو برقرار رکھ کر ان کا خراج مصالح مسلمین کے لئے دائمی طور پر محفوظ کر دے تو اس طرح رہنے دے۔"

سابق مالکان کی ملکیت بحال رکھنے کا جواز جو ائمہ حنفیہ کا مذہب ہے اس پر رسول اللہ ﷺ کا وہ عمل شاہد ہے جو آپ نے اراضی مکہ کے متعلق فرمایا جو خود امام ابو عبیدؒ کے الفاظ میں یہ ہے:

فقد صحت الاخبار عن رسول الله ﷺ انه افتتح مكة وانه من على اهلها فردها عليهم ولم يقسمها ولم يجعلها فيئا۔ (کتاب الاموال ص ۶۰)

ترجمہ: "یہ روایات صحت کے درجے کو پہنچی ہوئی ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے مکہ فتح کیا اور آپ نے اہل مکہ پر احسان فرمایا کہ ان کی زمینیں انہی کو واپس دے دیں۔ نہ غانمین میں تقسیم فرمائیں اور نہ ان کو مال غنیمت (کی طرح اراضی بیت المال) قرار دیا۔"

یہ دوسری بات ہے کہ امام ابو عبیدؒ خود اس صورت جواز کے قائل نہیں اور اراضی مکہ کے معاملہ کو اہل مکہ یا آنحضرت ﷺ کی خصوصیت پر محمول فرماتے ہیں لیکن دوسرے ائمہ کے نزدیک یہ خصوصیت کا دعویٰ مسلّم نہیں۔ حدیث کے الفاظ عام ہیں اور اگر اراضی مکہ کا یہ معاملہ آنحضرت ﷺ کے ساتھ خاص ہوتا جیسے حرم مکہ میں قتال کا جواز آپ کی ذات اور ایک معین وقت کے ساتھ مخصوص تھا تو جس طرح خصوصیت قتال کا آپ نے صاف لفظوں میں اعلان فرمایا اسی طرح خصوصیت معاملہ اراضی کا بھی اعلان ہوتا۔ حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فتح مکہ کے دن یہ اعلان فرمایا:

انه لم يحل القتال فيه لاحد قبلي ولم يحل لي الا ساعة من نهار فهو حرام بحرمة الله الى يوم القيامة۔

ترجمہ: "حرم مکہ میں قتال مجھ سے پہلے کسی کے لئے حلال نہیں ہوا اور میرے لئے بھی صرف ایک دن کی ایک گھڑی کے لئے حلال ہوا تھا اور اب پھر وہ حرام ہے اللہ تعالیٰ کی حرمت کے ساتھ قیامت کے دن تک۔" (متفق علیہ، مشکوٰۃ)

اور چونکہ معاملہ اراضی کی خصوصیت کا کوئی اعلان آنحضرت ﷺ کی طرف سے نہیں ہے تو معلوم ہوا آئندہ ہونے والے امراء و خلفاء کو بھی یہ اختیار ہے کہ اراضی مفتوحہ کو مالکان سابق کی ملکیت میں بدستور رہنے دیں۔ حضرت فاروق اعظمؓ نے جو سوادِ عراق، شام، مصر کی زمینوں کے ساتھ فرمایا کہ سابق مالکان اراضی کا قبضہ ان پر بدستور رکھا۔ اس قبضہ کی نوعیت میں بھی ائمہ مذکورین کا اختلاف ہے۔ امام مالکؒ، امام احمد بن حنبلؒ وغیرہ اس قبضہ کو قبضہ اجارہ اور ان کی بیع و شراء و ہبہ و وقف کو ناجائز فرماتے ہیں اور ایک جماعت صحابہ و تابعین اور ائمہ مجتہدین کی اس کو مالکانہ قبضہ قرار دیتی ہے اور تمام تصرفات مالکانہ بیع، ہبہ و وقف وغیرہ جائز رکھتی ہے۔ حضرت عمرؓ

زمینوں کی خرید و فروخت ثابت ہے۔ (خطیب ص ۹ ج ۱)

حفص بن غیاث فرماتے ہیں۔

تباع ویقضی بہا الدین وتقسم فی المواریث۔

ترجمہ: "یہ زمینیں بیچی جا سکتی ہیں اور قرض میں دی جا سکتی ہیں اور میراث میں تقسیم کی جا سکتی ہیں۔"

حضرت امام احمد بن حنبلؒ کے پاس بغداد کی ایک زمین تھی جس کی پیداوار سے آپ گذر کرتے تھے اور اسی کے ایک مکان میں رہتے تھے۔ اس کے متعلق ایک شخص نے آپ سے سوال کیا کہ اس زمین کا آپ کے نزدیک کیا حکم ہے تو فرمایا ھذا شئی ورثتہ عن ابی فان جاء نبی احد فصح انہ لہ خرجت عنہ ودفعتہ الیہ (ص ۲۰ ج ۱)

فقیہ و محدث ابن ابی لیلیٰ بھی ان زمینوں کی خرید و فروخت کو جائز قرار دیتے ہیں (ص ۲۰ ج ۱) خطیب بغدادی نے اس مسئلہ میں ائمہ فقہاء کا اختلاف اور جوازین کے شواہد نقل کرنے کے بعد فرمایا ہے۔

وتحصیل مسئلہ ان ارض بغداد ملک لاربابہا یصح ان تورث و تستغل وتباع وعلی ذلک کان من ادرکنا من العلماء والقضاۃ والشہود والمتفقہۃ لا یکرھون الشہادۃ فی بیع ولا یتوقفون عن الحکم فی موروث وبہم یقتدی فیہا ومع اتفاق فیہ وحکمہم ھو الحجۃ علی مخالفیہ (خطیب ص ۲۲ ج ۱)

ترجمہ: "اس سے یہ حاصل ہوا کہ اراضی بغداد اہل اراضی کی ملک ہے ان کا وارث منتقل ہونا، کرایہ پر دینا، بیع کرنا وغیرہ سب جائز ہے۔ ہم نے جتنے علماء اور قضاۃ اور شہود اور فقہاء کو دیکھا ہے اسی پر عمل کرتے دیکھا ہے کہ اراضی کی بیع و شراء پر شہادت دینے کو برا نہیں جانتے تھے اور موروثی وراثت میں تقسیم کرنے میں کوئی توقف نہ کرتے تھے اور جس معاملہ میں کوئی نزاع ہو یہی حضرات اس میں قابل اقتداء ہیں اور انہی کا حکم خلاف کرنے والوں کے مقابلہ میں حجت ہے۔ (تاریخ خطیب)"

امام ابو حنیفہؒ ان چاروں حضرات میں سے ہیں جو ان زمینوں کو وقف غیر مملوک قرار دیتے تھے لیکن وہ بھی صرف عراق کی جائیداد کے بارہ میں یہ رائے رکھتے ہیں کیونکہ مکانات و عمارات کے متعلق ان کا اور جمہور صحابہؓ و تابعین رحمہم مجتہدین کا متفق فیصلہ یہ ہے۔

قال ابو عبید انما کان اختلافہم فی الارضین المغلۃ التی یلزمہا

الخراج من ذات المزارع والشجر فالمساكن والدور بأرض
السواد فما علمنا احدا كره شراءها وحيازتها وسكناها
قد اقتسمت الكوفة خططا في زمن عمر وهو اذن في ذلك ونزلها
من اكابر اصحاب رسول الله ﷺ وكان منهم سعد بن ابي
وقاص وعبد الله بن مسعود وعمار وحذيفة وسلمان وخباب
وابو مسعود رضی اللہ عنہم وغيرهم ثم قدمها علي رضی اللہ عنہ فيمن من الصحابة
فاقام بها خلافته كلها ثم كان التابعون بعد بها فما بلغنا
احدا منهم ارتاب بها ولا كان في نفسه منها شيء بحمد الله
ونعمته وكذلك سائر السواد والحديث في هذا اكثر من ان
يحصى۔ (تاریخ خطیب ص ۲ ج ۱)

ترجمہ: ''امام ابوعبیدؒ فرماتے ہیں کہ ان حضرات کا اختلاف درحقیقت ان پیداواری زمینوں
میں تھا جن پر خراج لازم ہوتا ہے مثلاً وہ زمینیں جن میں کھیتی یا باغات ہوں۔ لیکن مسکونہ
زمینیں اور مکانات جو سواد عراق وغیرہ میں ان کے متعلق ہمیں ایک عالم کا بھی علم نہیں جو
ان کی بیع وشراء یا قبضہ یا اس کی سکونت کو برا کہتا ہو۔ کوفہ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں بھی
مختلف قطعات (پلاٹوں) میں تقسیم کیا گیا اور یہ تقسیم کرنا خود ان کی اجازت سے تھی پھر اس میں
بڑے بڑے صحابہ کرامؓ سکونت پذیر ہوئے۔ حضرت سعد بن ابی وقاص، عبداللہ بن
مسعود، عمار، حذیفہ، سلمان، خباب، ابو مسعود وغیرہم رضی اللہ عنہم اجمعین اس کے بعد حضرت
علی کرم اللہ وجہہ نے وہاں قیام فرمایا اور آپ کے ساتھ بہت سے صحابہؓ نے اور پوری
مدت خلافت وہیں قیام رہا اس کے بعد حضرات تابعین کا قیام رہا ہم نے کسی کو نہیں سنا جو
یہاں کے قیام میں کوئی شبہ کرتا ہو یا اس کے دل میں اس سے کوئی کھٹک ہو اور یہی طرح تمام
علاقہ عراق کا حال ہے اور اس کے ثبوت میں روایات بے شمار ہیں۔'' (تاریخ خطیب ص ۲ ج ۱)

اور عراقی زمینوں کے متعلق بھی امام ابوعبیدؒ باوجود اختلاف رائے رکھنے کے فرماتے ہیں۔

قال ابو عبيد ومع هذا كله انه قد سهل في الدخول في ارض
الخراج ائمة يقتدى بهم ولم يشترطوا عنوة ولا صلحا منهم
الصحابة وابن مسعود ومن التابعين محمد بن سيرين وعمر بن

عبدالعزیز و کان ذلک رأی سفیان الثوری فیما یحکی عنہ۔

ترجمہ: ''اس کے بعد باوجود خراجی زمینوں کے خریدنے اور ان میں رہنے کے بارہ میں بہت سے آثار جو منقول مانے گئے ہیں انہوں نے سہولت کا حکم دیا ہے وہ کوئی شرط اس کی نہیں فرماتے کہ ملک صلح سے قبضہ میں آیا ہو یا جنگ سے۔ صحابۂ کرام میں سے عبداللہ ابن مسعودؓ اور تابعین میں سے محمد بن سیرین اور عمر بن عبدالعزیزؒ کو اور ان کے بعد سفیان ثوری کا یہی مسلک تھا۔'' (تاریخ خطیب ص ۱۸۱ ج۱)

## تنبیہ ضروری

اس مسئلہ میں اگرچہ ائمہ فقہا کا اختلاف ہے کہ جو اراضی مفتوحہ ان کے مالکان سابق کے پاس چھوڑ دی گئی ان پر ان لوگوں کا قبضہ مالکانہ ہے یا بطور اجارہ داری۔ لیکن اس میں کسی کا اختلاف نہیں کہ ان کا یہ قبضہ بطور ملک کے ہو یا بصورت وقف اجارہ داری کے کسی حاکم یا حاکم اسلام کو یہ حق حاصل نہیں ہوگا کہ بلا وجہ شرعی ان کے قبضہ سے نکال کر دوسروں کو دے دے یا براہ راست بیت المال کے قبضہ میں لے لے۔

قال فی ردالمحتار ثم اعلم ان اراضی بیت المال المسماۃ باراضی المملکۃ وباراضی الحوز اذا کانت فی یدی ذراعها لا تنزع من ایدیهم مادامو یؤدون ما علیها ولا تورث عنهم اذا ماتوا ولا یصح بیعهم لها ولکن جرت الرسم فی الدولۃ العثمانیۃ ان من مات عن ابن انتقلت لابنه مجاناً والا فلبیت المال ولو له بنت او اخ لاب له اخذها بالاجارۃ الفاسدۃ (شامی ص۲۶۴ ج۳)

یہی وجہ ہے کہ جب کسی بادشاہ اسلام نے ان زمینوں کو اصحاب اراضی کے قبضہ سے نکالنے کا ارادہ کیا ہے تو ہر زمانہ میں اس وقت کے علماء نے اتفاق و اجماع کے ساتھ اس کی مخالفت کی اور ان کو اپنے ارادہ سے باز آنا پڑا۔

محقق ابن حجر مکیؒ کے زمانہ میں کسی سلطان مصر نے یہ ارادہ کیا کہ ملک مصر کی زمینوں کو بیت المال میں داخل کر دے اور بہانہ یہ تھا کہ یہ ملک قہراً فتح ہوا ہے لہذا یہاں کی زمینیں بیت المال کا حق ہیں کسی کی ملک خاص نہیں اور نہ ان کے کئے ہوئے اوقاف درست ہیں۔ محقق موصوف نے شدت کے ساتھ اس کی مخالفت کی اور سب مذاہب اربعہ کے علماء نے ان کی موافقت کی۔ علامہ شامی نے اس مسئلہ پر نہایت مفصل اور محققانہ کلام کیا ہے جس کے ضروری جملے یہ ہیں:۔

وقد سمعت التصريح في المتن تبعاً للهداية بان ارض سواد العراق مملوكة لاهلها يجوز بيعهم لها وتصرفهم فيها وكذلك ارض مصر والشام كما سمعته وهذا على مذهبنا ظاهر وكذا عند من يقول انها وقف على المسلمين فقد قال الامام السبكي ان الواقع في هذه البلاد الشامية والمصرية انها في ايدي المسلمين فلاشك انها لهم اما وقفاً وهو الاظهر من جهة عمر رضي الله عنه واما ملكاً وان لم يعرف من انتقل منه الى بيت المال فان من بيده شيء لم يعرف من انتقل اليه منه يبقى في يده ولا يكلف بينة ثم قال من وجد بالي بيده و ملكه مكانا منها فيحتمل انه احيي او وصل اليه وصولاً صحيحاً۔

(ردالمحتار ص ۲۲۲ ج ۳)

ترجمہ: "اور آپ متن میں بااتباع ہدایہ اس کی تصریح معلوم کر چکے ہیں کہ علاقہ عراق کی زمینیں زمین والوں کی ملک ہیں ان کے لئے ان کی بیع اور ہر طرح کا تصرف جائز ہے اسی طرح مصر و شام کا حال ہے اور یہ بات حنفی مذہب پر تو بالکل واضح ہے اسی طرح ان لوگوں کے مسلک پر بھی جو ان زمینوں کو عام اہل اسلام کے لئے وقف قرار دیتے ہیں مثلاً امام سبکی نے کہا ہے کہ واقعہ بلاد مصر و شام یہ ہے کہ ان کی زمینیں مسلمانوں کے قبضہ میں ہیں اور کوئی شبہ نہیں کہ وہ انہی کی ملک ہیں خواہ بحیثیت وقف کے اور فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے عمل سے یہی راجح معلوم ہوتا ہے یا بطور ملک کے اگرچہ اس شخص کا حال معلوم نہ ہو جس کی طرف سے یہ زمین بیت المال میں منتقل ہوئی۔ کیونکہ جس شخص کے قبضہ میں کوئی چیز ہو اور یہ معلوم نہ ہو کہ اس کے پاس کہاں سے آئی وہ اسی کے قبضہ میں رکھی جائے گی اور وہ اس کا مکلف نہیں کہ اس کا ثبوت پیش کرے کہ یہ چیز میرے پاس فلاں شخص یا فلاں جگہ سے آئی ہے کیونکہ جس شخص کے قبضہ میں ہم کوئی زمین یا مکان پاتے ہیں اس میں یہ احتمال واضح ہے کہ اس کے پاس کسی جائز طریقے سے آیا ہے (جب تک اس کے خلاف کوئی ثبوت نہ ہو اس پر کوئی الزام نہیں لگایا جا سکتا)

محقق ابن حجر مکی نے اپنے فتاویٰ فقہیہ میں امام سبکی کا مذکورۃ الصدر قول نقل کرنے کے

بعد فرمایا۔

"یہ کلام اس بارہ میں صریح ہے کہ ہم اصحاب املاک اور اصحاب اوقاف کے لئے ان کا قبضہ جس طرح پہلے سے چلا آتا ہے اسی طرح قائم رکھنے کا حکم کریں گے اور اس حکم پر اس کا کوئی اثر نہیں پڑتا کہ یہ زمین اصل سے بیت المال کی ملک ہوں یا وقف علی المسلمین ہوں کیونکہ ہر ہر زمین پر علیحدہ علیحدہ نظر کی جائے تو یہ لازم نہیں کہ یہ اسی ملک بیت المال یا وقف میں سے ہے کیونکہ یہ بھی احتمال ہے کہ یہ زمین موات (غیر آباد) ہو جس کو اس کے موجودہ یا سابق مالک نے باجازت امام احیاء (آباد) کیا ہو۔ اور یہ بھی فرض کرلیں کہ یہ بیت المال کی زمینیں ہیں تب بھی ان پر مستمر قبضہ اور زمانہ دراز سے مالکانہ تصرفات قرائن ظاہرہ قطعیہ اس امر کے ہیں کہ یہ قبضہ ان کا جائز درست ہے ان کے قبضہ سے نکالنا ان اراضی کا کسی کے لئے جائز نہیں۔ علامہ سبکی نے فرمایا ہے کہ اگر ہم موجودہ محقق (یعنی ثابت و قائم شدہ قبضہ) کو بغیر کسی شہادت و بینہ کے محض سابقہ احوال کے تخمینہ پر زائل کردینے کا حکم دیں تو لازم آتا ہے کہ ہم ظالموں کو لوگوں کے اموال و املاک پر مسلط کردیں۔ اس کے بعد محقق ابن حجرؒ نے فرمایا کہ اس تقریر سے یہ امر واضح ہو گیا کہ اس میں کسی شبہ کی گنجائش باقی نہیں رہتی کہ جو اراضی مصر و شام میں لوگوں کے ہاتھوں میں ہے اور یہ معلوم نہیں کہ کہاں سے اور کس طرح ان کو پہنچیں وہ انہی کے قبضہ میں بدستور رکھی جائیں گی اور ان سے کسی طرح کوئی تعرض نہ کیا جائے گا۔ کیونکہ ائمہ فقہاء نے جبکہ شہروں میں بنے ہوئے سکانیں (گھروں) کو محض اس احتمال پر قائم رکھا کہ شاید وہ ابتداء صحرا میں ہوں پھر آبادی متصل ہو کر شہر میں شامل ہو گئے ہوں تو ظاہر ہے کہ ان اراضی کو ان مالکان و قابضان کے قبضہ میں بدرجہ اولیٰ باقی رکھا جائے گا۔ اس احتمال پر کہ یہ ارض موات (غیر آباد زمین) ہو پھر باجازت امام آباد کرلی گئی ہو یہ کہ ان کی طرف کسی جائز طریقہ سے منتقل ہوئی ہو۔ انتہی

(شامی کتاب العشر والخراج ص ۲۵۵ ج ۳)

اس واقعہ سے پہلے ساتویں صدی ہجری میں ملک ظاہر بیبرسؒ جو دولت ممالیک میں مصر میں فرماں روا ہوئے ہیں ایک مرتبہ یہ ارادہ کیا کہ مالکان اراضی سے ان کی ملکیت کی سند و شہادت کا مطالبہ کریں جو سند پیش نہ کر سکے اس سے زمین لے کر بیت المال میں داخل کردیں اور بہانہ ان کا بھی یہی تھا کہ یہ زمینیں اپنی اصل سے اراضی بیت المال اور وقف علی المسلمین ہیں ان پر کسی کا مالکانہ قبضہ اور خرید و فروخت درست نہیں جس وقت اس زمانہ کے شیخ الاسلام امام نوویؒ نے اس کی سخت

مخالفت کی اور فرمانروائے مصر کو بتلایا کہ ان کا یہ ارادہ بالکل خلاف شرع اور جہل و عناد ہے جو علماء اسلام میں سے کسی کے نزدیک جائز نہیں بلکہ جو چیز جس کے قبضہ میں زمانہ قدیم سے چلی آتی ہے وہ اسی کی ملک سمجھی جائے گی اور کسی کو (بدون شہادت شرعیہ کے) اس پر اعتراض کا حق حاصل نہیں اور اس سے شہادت و سند کا مطالبہ کرنے کا بھی حق نہیں۔ امام نوویؒ سلطان ظاہر بیبرس کو برابر نصیحت و موعظت کرتے رہے یہاں تک کہ وہ اس ارادہ سے باز آگئے۔

(شامی باب العشر والخراج والجزیہ ص ۲۵۵ ج ۳)

محقق ابن نجیمؒ نے امام نوویؒ کا مذکورۃ الصدر مقالہ نقل کرنے کے بعد فرمایا۔

فهذا الخبر الذي اتفقت علماء المذاهب على قبول نقله والاعتراف بتحقيقه وفضله نقل اجماع العلماء على عدم المطالبة بمستند عملا بالدليل الظاهر فيها انها وضعت بحق (شامی)

ترجمہ: "یہ خبر جس پر تمام علماء مذاہب متفق ہیں کہ اس کی نقل کو قبول کرنا اور اس کو صحیح ماننا وہ نقل اجماع ہے اس بات پر کہ جس شخص کے قبضہ میں کوئی زمین یا مکان ہے (بغیر کسی وجہ شرعی کے) اس سے اس ثبوت کا مطالبہ جائز نہیں کہ اس کے پاس یہ مکان کس طرح اور کہاں سے آیا ہے کیونکہ قبضہ علامت ملک ہے اور اس میں ظاہر یہی ہے کہ یہ ملک کسی جائز طریقے سے حاصل ہوئی ہے جب تک اس کے خلاف کوئی دلیل نہ ہو"

علامہ ابن عابدین شامیؒ ان تمام اقوال کو نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ "یہ ان ائمہ فقہا کا کلام ہے جن کے نزدیک مصر و شام کی زمینیں وقف علی المسلمین ہیں وہ بھی اس کو جائز نہیں سمجھتے کہ ان لوگوں کے قبضہ میں جو زمینیں اور مالکانہ تصرفات کے ساتھ قدیم سے چلی آتی ہیں ان کا قبضہ ہٹایا جائے تو ہمارے نزدیک (یعنی مذہب حنفیہ میں) جب کہ یہ زمینیں اصحاب اراضی کی مملوک ہیں ان کے قبضہ سے نکالنا کیسے درست ہو سکتا ہے۔ بلکہ یہ صریح ظلم ہے۔ (شامی ص ۲۵۶ ج ۳)

## خلاصہ اقسام و احکام اراضی

مذکورۃ الصدر تحریر میں معلوم ہو چکا ہے کہ اراضی کی ابتدائی تقسیم سے دو قسمیں مملوک اور غیر مملوک نکلتی ہیں پھر ہر قسم کے تحت میں تین تین اقسام ہیں اور ہر ایک قسم کا حکم جدا ہے۔ ذیل میں ان تمام اقسام و احکام کا اجمالی نقشہ بصورت جدول پیش کیا جاتا ہے کہ ان کا استحضار عام ہو جائے۔

## اراضی غیر مملوکہ

| نمبر شمار | قسم اراضی | حکم شرعی |
|---|---|---|
| ۱ | وہ اراضی جو کسی کی ملک خاص نہیں مگر کسی بلدہ یا قریہ کی ضروریات عامہ میں مصروف ہیں یا جن میں ضروریات عامہ کی چیزیں ہیں جیسے نمک یا مٹی کا تیل یا پٹرول وغیرہ ہیں۔ | یہ زمینیں ہمیشہ ضروریات عامہ کے لئے مشغول ہونے سے حکومت کی زیر نگرانی رہیں گی نہ کوئی حاکم یا امیر خود ان کا مالک بن سکتا ہے نہ کسی کو مالک بنا سکتا ہے۔ |
| ۲ | ارض موات یعنی وہ غیر آباد زمینیں اور وہ ناقابل انتفاع زمینیں جو کسی بستی کی حوائج میں کارآمد نہ ہوں۔ | جو شخص ان زمینوں کو آباد کرنا اور قابل انتفاع بنانا چاہے امام وقت سے اجازت لے کر آباد کر سکتا ہے اور جب وہ آباد اور قابل انتفاع بنائے تو وہی ان کا مالک ہوگا اس میں نہ کسی استحقاق و قابلیت کی شرط ہے نہ مسلم غیر مسلم کا فرق، جو شخص بھی درخواست کرے اس کو یہ زمین دی جا سکتی ہے |
| ۳ | اراضی بیت المال یعنی وہ زمینیں جو کسی کی ملک خاص نہیں اور نہ کسی بستی کی حوائج ضروریہ ان سے متعلق ہیں اور وہ قابل انتفاع بھی ہیں جن میں پانچ قسم کی اراضی داخل ہیں۔ | امام کو ان میں حسب ذیل اختیارات حاصل ہیں۔ (۱) قابل کاشت زمینوں کو کاشت کرائے اور مکانات زمینوں کو کرایہ پر دے کر ان کی آمدنی بیت المال میں جمع کرے (۲) حسب ضرورت مسجد، مدارس، مسافر خانہ وغیرہ رفاہ عام کی چیزیں بنائے۔ (۳) ضرورت و مصلحت مقتضی ہو تو ان کو فروخت کر کے ضروریات بیت المال میں صرف کرے۔ (۴) جو شخص مصارف بیت المال میں حق رکھتا ہے اس کو حسب صوابدید ان میں سے کوئی زمین یا جاگیر بنا کر دے دے جس کی سات صورتیں ہیں اور ہر صورت کے احکام جدا ہیں۔ |

بسم اللہ الرحمن الرحیم

**باب دوم**

## الاحکام الشرعیہ للاراضی الہندیہ ⓿

# پاکستان و ہندوستان کی اراضی

پہلے باب میں اراضی کا عام اسلامی قانون آپ معلوم کر چکے ہیں کہ زمینوں کی کتنی مختلف صورتیں اور احکام ہیں اور مالکین کو ان میں کیا کیا اختیارات ہوتے ہیں۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ ہندوستان کی زمینیں ان اقسام میں سے کس کس قسم میں داخل ہیں تاکہ ان کے احکام کی تعیین کی جاسکے۔ اور ظاہر ہے کہ اس کا مدار ممالک ہند کی فتوحات اور ان کی تفصیلی کیفیت پر موقوف ہے کہ مسلمان فاتحین نے اول فتح میں یہاں کی اراضی کے ساتھ کیا معاملہ کیا۔

اس کے لئے احقر نے فتوح الہند سے متعلق تاریخ ہندوستان کا با استیعاب مطالعہ کیا۔ عربی۔ فارسی۔ اردو کی بعض معتبر و مستند تواریخ لی گئیں ان کا وہ حصہ جو کیفیت فتح سے یا اراضی سے متعلق فرامین سلطانی سے متعلق ہے اس کو منتخب کیا۔ اس سلسلہ میں سب سے زیادہ امداد مولانا اکبر شاہ خاں صاحب نجیب آبادی کی کتاب "آئینہ حقیقت نما" سے ملی۔ کیونکہ موصوف کے لئے ان کی دلچسپی اور شغف کے موافق حق تعالیٰ نے ایسے اسباب جمع فرمادیے تھے کہ اس موضوع پر ان سے بہتر لکھنا مشکل ہے۔ اول تو ہندوستان کی کتب تاریخ کا اتنا بڑا ذخیرہ ان کے پاس جمع ہو گیا تھا کہ اس کا اجتماع دوسرے کے لئے آسان نہیں۔

انہوں نے اس کتاب میں کسی جگہ لکھا ہے کہ پچیس سے زیادہ ہندوستانی تاریخ کی قدیم و جدید فارسی و اردو کی کتابیں ان کے زیر مطالعہ ہیں جن سے اپنی تصنیف کا مادہ اخذ کیا ہے جن میں سے بعض کے نام یہ ہیں۔

▪ تاریخ فرشتہ، تاریخ حقی، طبقات ناصری، لب التواریخ، طبقات اکبری، تاریخ فیروز شاہی

---

⓿ یہ مقالہ تقسیم ملک سے پہلے لکھا گیا تھا اس لئے اس کا نام صرف اراضی ہند تھا، پاکستان بعد میں بڑھایا گیا ہے۔

ضیاء برنی، خلاصۃ التواریخ، تاریخ بدایونی، خلاصۃ التواریخ، منتخب التواریخ، منتخب اللباب، تاریخ زین المآثر، روضۃ الصفا، خوند شاہ، تاریخ ظفر، تاریخ المفصل، تاریخ بنگال، راحت، تاریخ حمزہ بطور مآخذ پیش نظر رہے۔

دوسری خصوصیت یہ ہے کہ مصنف موصوف نے ہر جگہ اپنی خداداد قابلیت تحقیق و تنقید سے کام لیا ہے۔ بے بصیرت نقل نہیں کیا۔ تیسری خصوصیت یہ ہے کہ ہر زمانہ کی تاریخ و سوانح میں ان مصنفوں پر زیادہ اعتماد کیا ہے جو خود اس زمانہ میں موجود تھے اور حالات اکثر چشم دید یا ایک دو واسطے سے لکھتے ہیں۔ مثلاً خاندان غزنوی کے حالات میں ابو الفضل بیہقی کی کتاب "تاریخ بیہقی" پر اعتماد کیا ہے جس کی تصنیف ۴۵۰ھ میں ہوئی اور اس کے مصنف سلطان مسعود ابن محمود غزنوی کے میر منشی تھے۔ (آئینہ ص ۲۱)

اسی طرح خاندان غوری کی تاریخ میں منہاج السراج کی طبقات ناصری کو معتبر قرار دیا کیونکہ منہاج السراج کے والد مولانا سراج الدین، سلطان شہاب الدین کی جانب سے لشکر ہندوستان کے قاضی اور امام مقرر تھے۔ منہاج السراج نے اس خاندان اور اس حکومت کے حالات کو چشم خود دیکھا ہے (آئینہ ص ۲۳۵) منہاج السراج اس زمانہ کے بڑے علماء میں معروف تھے۔ دہلی میں ان کا حلقہ درس کافی شہرت سے معمور تھا۔ حضرت سلطان نظام الدین اولیاءؒ بھی آپ کے حلقہ درس میں شامل ہوتے تھے (آئینہ حصہ دوم ص ۲۲) اسی طرح خاندان خلجی کے حالات و سوانح کا متن ضیاء برنی کی تاریخ فیروز شاہی کو قرار دیا ہے۔ کیونکہ یہ تاریخ ۷۵۸ھ میں تصنیف ہوئی۔ مصنف کے والد اور چچا اور دوسرے رشتہ دار سلطنت کے اعلیٰ عہدوں پر مسلسل مامور رہے۔ اس خاندان کے تینتیس (۳۳) سالہ واقعات کو مصنف نے خود دہلی میں رہ کر دیکھا ہے (آئینہ ص ۱۰)

واقعہ یہ ہے کہ مذکورہ بالا مقدمہ سب میں زیادہ تر مولانا اکبر شاہ خان صاحب کی کتاب "آئینہ حقیقت نما" پر اعتماد کیا اور اکثر روایات ان سے بلفظہ اور کہیں تلخیص کے ساتھ نقل کی ہیں اور جو روایات دوسری عربی فارسی کتب تاریخ سے لی ہیں ان کے ساتھ ان کا حوالہ مذکور ہے

یہ تاریخی مجموعہ چونکہ متحدہ ہند کے پورے برِ اعظم کی حکومت سے متعلق ہے جس کا سلسلہ اسلامی پہلی صدی ۸۹ھ سے محمد بن قاسم ثقفی کے ہاتھ پر شروع ہو کر اسلام کی آٹھویں صدی [illegible]ھ میں علاؤ الدین خلجی پر پورے پچھتر سال میں مکمل ہوا۔ ایک طویل المدت تاریخ ہے جس میں اجمالی اختصار سے کرتے بھی ناصحی ضخامت ہوگی۔ پھر اس کے ضمن میں بعض اہم اور

مفید و دلچسپ چیزیں ایسی بھی آ گئیں جو اس سے موضوع بحث سے بے تعلق تھیں لیکن مفید سمجھ کر ان کو بھی لے لیا گیا اب اگر اس طویل مجموعہ کو اس باب کا جز بنایا جائے تو یہ باب اسی میں گم ہو جائے گا اور اس سے بالکل علیحدہ رکھا جائے تو کیفیت اراضی کے متعلق جو صورت پیش کی جائے گی وہ بے سند ہو کر رہ جائے گی اس لئے یہ صورت مناسب معلوم ہوئی کہ اس باب میں تو مجموعہ فتوح الہند سے حاصل شدہ نتائج متعلقہ کو اجمالی صورت سے لے کر مضمون کو تمام کر دیا جائے۔ اور تاریخی اسناد پیش کرنے کے لئے اس مجموعہ کو مختصر فتوح الہند کے نام سے اس رسالہ کا دوسرا حصہ بنا دیا جائے۔ واللہ الموفق والمعین۔

## اراضی سندھ

ہندوستان کا وہ خطہ جو سب سے پہلے مسلمانوں پر پہلی صدی ہجری کے اواخر میں فتح ہوا وہ صوبہ سندھ ہے جس کے حدود اس وقت آج کے صوبہ سندھ سے بہت وسیع تھے۔ مغرب میں مکران تک جنوب میں بحر عرب تک اور گجرات تک مشرق میں موجودہ ملک مارواڑ کے وسط اور راجپوتانہ تک۔ شمال میں ملتان سے گذر کر جنوبی پنجاب تک۔ اس خطہ سندھ کی فتح خلیفۃ المسلمین ولید بن عبدالملک کے عہد خلافت میں حجاج بن یوسف وائسرائے عراق کے زیر اہتمام محمد بن قاسم ثقفی کی زیر قیادت عمل میں آئی اور فتح کے بعد محمد بن قاسم ہی اس خطہ کے عامل (گورنر) مقرر ہوئے جنہوں نے حجاج بن یوسف کے واسطے سے امیر المومنین کے احکام اور قانون اسلام یہاں جاری کئے۔

ملک فتح ہونے کی تین صورتیں جو باب اول (الفصول الساعي في احكام الاراضي) میں مذکور ہوئی ان میں سے یہ صورت کہ فتح کے وقت اہل ملک اسلام میں داخل ہو جائیں کہیں نظر نہیں آتی۔ صرف ایک واقعہ ہے کہ برہمن آباد کو محمد بن قاسم نے صلح سے فتح کر لیا تھا پھر ان کے بعد نظام خلافت میں باہمی مشاجرات و اختلافات کے باعث خلل آ گیا۔ سندھ کی پوری نگرانی مرکزی خلافت نہ کر سکی تو راجہ داہر کا بیٹا جے سیہ پھر برہمن آباد پر قابض ہو کر خود مختار بن گیا اور اس کے دوسرے بھائی بھتیجے اور چھوٹی چھوٹی ریاستوں پر قابض ہو گئے ۹۹ھ میں جب خلیفہ سلیمان بن عبدالملک کا انتقال ہوا اور حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ خلیفہ بنے تو انہوں نے تمام نظام خلافت کو سنبھالا۔ سندھ کے راجاؤں کے نام تبلیغ اسلام اور اطاعت قبول کرنے کے متعلق خطوط لکھے تو جے سیہ ابن داہر اور بہت۔ سے راجے ان کی برکت سے مسلمان ہو گئے اور اپنے نام بدل کر عربی نام رکھ لئے حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے جے سیہ کو برہمن آباد کی سیادت پر اور دوسرے

راجاؤں کو اپنی پچھلی ریاست پر برقرار رکھا۔ یہ واقعہ تاریخ کامل ابن اثیر ص ۲۲۳ ج ۳ میں نیز دوسری تواریخ میں مذکور ہے۔

عام طور پر پورے خطہ سندھ کی فتوحات صرف دو ہی صورتوں سے ہوئی کہیں صلح و امن سے اور کہیں جنگ و جہاد سے۔ ان میں سے جو بلاد صلح کے ساتھ فتح ہوئے ان میں تو محمد بن قاسم نے شرعی حکم کے موافق شرائط صلح کی پابندی کی۔ ان کی اراضی اور اموال پر کوئی تصرف مطلقاً نہیں کیا ہر شخص اپنی اپنی املاک منقولہ اور غیر منقولہ پر بدستور سابق مالک و متصرف رہا۔ البتہ شرعی قاعدہ کے موافق ان کی زمینوں پر خراج اور افراد پر جزیہ کی معمولی رقم مقرر کر دی گئی۔

اور جو بلاد عنوۃً (قہراً) جنگ کر کے فتح کئے گئے ان کی اراضی مملوکہ میں بھی صرف وہ زمینیں جو مفتوح راجہ کی ملک اور شاہی مقبوضات تھیں ان کو تو اراضی بیت المال میں داخل کیا گیا جیسا کہ حضرت فاروق اعظمؓ نے عراق میں شاہ کسریٰ اور اس کے متعلقین کی مملوکہ اراضی کو بیت المال کے لئے مخصوص کر لیا تھا۔ باقی زمینوں پر مالکان سابق کی ملکیت کو برقرار و بدستور رکھ کر خراج شرعی مقرر کر دیا۔ جیسا کہ حضرت عمر فاروقؓ نے عام اراضی عراق، شام و مصر کے ساتھ یہی معاملہ فرمایا تھا۔ جس کی تفصیل بحوالہ رسالہ القول الماضی میں بعنوان اراضی مملوکہ گذر چکی ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ پورے سندھ کی اراضی مملوکہ پر باشندگان ملک کا قبضہ باقی رکھا گیا صرف وہ شاہی مقبوضات جو راجاؤں کی املاک خاص تھیں اور جنگ و جہاد کر کے ان کو عنوۃً فتح کیا گیا تو یہ زمینیں اور غیر مملوکہ اراضی کی جملہ اقسام اراضی بیت المال میں داخل کی گئیں انہی اراضی میں سے محمد بن قاسم نے بعض اسلامی خدمات کرنے والوں کو جاگیریں عطا کیں۔ اور مساجد وغیرہ تعمیر کرائیں۔

مضمون مذکور کا پورا ثبوت تو رسالہ فتوح البلدان کی تفصیل سے دیکھنے سے مل سکے گا۔ اس میں سے چند حوالے بقدر ضرورت مثال کے طور پر یہاں بھی نقل کئے جاتے ہیں۔

سندھ کا سب سے پہلا مقام جو فتح ہوا وہ بندرگاہ دیبل جو موجودہ کراچی کے قریب ● ایک شہر کا نام تھا اس کی فتح کا جنگ و جہاد کے ساتھ قہراً ہونا اور چار ہزار مسلمانوں کا اس جگہ آباد ہونا اور محمد بن قاسم کا اس مقام پر جامع مسجد تعمیر کرنا تاریخ ابن اثیر جزری میں مذکور ہے۔ (ص ۲۵۵ ج ۴) اور مؤرخ

---

● حال ہی میں کراچی سے چند میل کے فاصلے پر بھنبھور کی اسٹیشن کے قریب ایک قدیم شہر کا پتہ چلا ہے جس کی کھدائی جاری ہے جو ایک عظیم الشان قلعہ اور ایک بڑی مسجد اور دیگر عمارات کے آثار ملے ہیں۔ یہ قلعہ بالکل ساحل سمندر پر ہے اس کے مقام سے [illegible] یہی قدیم دیبل ہے اور یہ مسجد وہی ہے جس کا محمد بن قاسم نے تعمیر کرایا [illegible] معلوم ہوتا ہے۔ محمد شفیع

فعلها الامان و الصلح فيما بينهم و وظف عليهم الخراج (ص ۵۰۰ ج ۲)

مقام برہمن آباد کا حاکم کاکا نامی خود محمد بن قاسم کی خدمت میں حاضر ہو گیا اور امن کی درخواست کی۔ محمد بن قاسم نے اس کو امن دیا اور بڑی عزت کے ساتھ استقبال کیا۔ پھر بطور مشیر اپنے ساتھ رکھ لیا۔ امیر الہند کا خطاب اور لقب عطا کیا۔ ان کی زمینوں پر جو خراج مقرر کیا گیا وہ بھی کاکا کے مشورے سے عمل میں آیا۔ (آئینہ حقیقت نما ص ۲۰۶ ج ۲)

راور (روہڑی) کا قلعہ جنگ کے ساتھ عنوۃً فتح کیا گیا (بلاذری ص ۴۳۶ ابن اثیر ص ۵۰۰ ج ۲)

مقام ساوندری اور سہ صلحاً فتح ہو گئے (ابن اثیر ص ۵۰۶ ج ۲)

اسی طرح مقام ادر بغرور ● کے امراء سے اس شرط پر صلح ہوئی کہ ان کو اور ان کے مندروں کو کوئی نقصان نہ پہنچایا جائے۔ محمد بن قاسم نے یہ شرط قبول کر لی اور ان کی زمینیں انہی کے قبضہ و ملک میں رکھ کر ان پر خراج مقرر کر دیا اور ایک مسجد تعمیر کرائی۔ (بلاذری ص ۴۳۷)

## محمد بن قاسم کا اعلان امان و حفاظت اموال و اراضی

محمد بن قاسم نے اپنے ایلچی اعلان برہمن آباد و سندھ کے ان تمام شہروں میں جو ابھی فتح نہیں ہوئے تھے بھجوا دیے کہ جو شخص اطاعت قبول کر لے گا اور پرامن رہے گا یقین دلاتے ہیں کہ اس کی تمام خطائیں معاف کر دی جائیں گی اور کسی قسم کی باز پرس اس سے نہ ہوگی۔ (آئینہ حقیقت نما ص ۲۰۳)

نیز برہمن آباد کی فتح کے بعد محمد بن قاسم نے اعلان عام کر دیا "جو لوگ امراء کے طبقہ سے تعلق رکھتے ہیں ان سے چودہ تولے اور جو درمیانہ درجے کے خوشحال لوگ ہیں ان سے سات تولے اور عوام سے چار تولے چاندی سالانہ بطور جزیہ وصول کی جائے گی۔ جو اسلام قبول کر لے گا وہ اس جزیہ سے معاف کیا جائے گا۔ اس سے اسلامی قانون کے موافق زکوٰۃ لی جائے گی۔ جو شخص اپنے باپ دادا کے مذہب پر چلے اس سے کوئی تعرض نہ کیا جائے گا نہ ان کے مندروں اور عبادت خانوں میں کسی قسم کی مداخلت کی جائے گی۔ نہ زمینیں چھینی جائیں گی نہ مکان و اموال کو کسی قسم کا نقصان پہنچایا جائے گا۔ مالکان اراضی بدستور اپنی زمینوں کے مالک رہیں گے۔ اور زمینوں کی مالگذاری وغیرہ کا انتظام خود باشندگان سندھ کے ہاتھوں میں رہے گا وغیرہ۔ (آئینہ حقیقت نما ص ۲۰۹ ملخصاً)

شہر جھد الوباند قلعہ الور بھی صلحاً فتح ہوئے۔ باشندگان الور نے اپنے راجہ کے فرار ہو جانے

---

● ادر بغرور روہڑی اور سکھر کے مابین ہے۔

کے بعد محمد بن قاسم کے پاس امن کی درخواست بھیجی۔ محمد بن قاسم نے جواب لکھا۔

"میں نے ہر مقام پر خود لوگوں کو اطاعت قبول کرنے کی ترغیب دے کر یہ وعدہ کیا ہے کہ تم کو جان و مال کی امن دی جائے گی۔ مگر تم نے میرے پیغام سے بھی پہلے اطاعت پر اپنی آمادگی ظاہر کی ہے لہٰذا تم کو ہرگز کوئی نقصان نہیں پہنچ سکتا"۔

اسی طرح قلعہ باپیہ کا حاکم کاکسا بن چندر خود محمد بن قاسم کی خدمت میں حاضر ہو گیا۔ محمد بن قاسم نے اس میں علم و فضل اور شرافت کے آثار محسوس کر کے اس کی عزت افزائی کی۔

کاکسا بن چندر کو اپنا مصاحب اور وزیر و سپہ سالار بنا دیا اور تمام فوجوں کو حکم دے دیا کہ میرے بعد کاکسا تم سب کا افسر اعلیٰ ہے۔ ساتھ ہی اپنا مہر اور خزانہ کا چارج بھی اس کے سپرد کر دیا۔ (ایضاً ص ۴۴)

مقام اسکندہ و اور قلعہ سکہ مقابلہ اور معرکہ آرائی کے بعد فتح ہوا۔ فتح کے بعد محمد بن قاسم نے اہل قلعہ کو امان دے کر عتبہ بن سلمہ تمیمی کو یہاں کا حاکم مقرر کر دیا۔

شہر ملتان اور اس کا علاقہ دو مہینہ تک سخت معرکہ آرائی کے بعد بزور شمشیر فتح ہوا۔ مگر محمد بن قاسم نے اہل شہر کو کسی قسم کا نقصان پہنچائے بغیر امن و امان اور عام معافی کا اعلان کر دیا۔ محمد بن قاسم نے ہر جگہ شہروں کو لوٹنے اور رعایا کے اموال پر قبضہ کرنے سے اپنے سپاہیوں کو روکا تھا۔ اس نے اب تک صرف فوجی سامان اور سرکاری روپیہ ہی پر قبضہ کیا تھا۔ مندروں کی مورتیوں کو جو سونے کی بنی ہوئی اور جواہرات سے مرصع تھیں کسی نے ہاتھ نہیں لگایا۔

رعایائے ملتان کو ان کے اطمینان کے لئے محمد بن قاسم نے ایک فرمان جان و مال کی امان کے متعلق لکھ دیا اور داؤد بن نصر بن ولید عمانی کو ملتان کا حاکم مقرر کیا اور ایک مسجد یہاں تعمیر کرائی۔

(ایضاً ص ۰۰ ملخصاً)

## حجاج بن یوسف کے چند فرامین بنام محمد بن قاسم

سندھ کے اس جہاد کی طرف حجاج بن یوسف وائسرائے عراق اس طرح متوجہ تھا کہ گویا وہ خود اس جنگ کی کمان کر رہا ہے۔ تیسرے ■ روز بغداد کی ڈاک سندھ اور سندھ کی بغداد پہنچتی تھی (فتوح البلدان بلاذری) ہر موقع پر حجاج بن یوسف کی طرف سے محمد بن قاسم کو ہدایتیں اور فرامین پہنچتے تھے

---

■ قدیم عراقی مراسلات کے ... ہر تیسرے دن عراق سے ڈاک بھیجی جاتی تھی۔ ۱۲ منہ

ان میں چند فرامین جن کا تعلق ہمارے موضوع بحث سے ہے اس جگہ نقل کئے جاتے ہیں۔

فتح بیرون کے بعد محمد بن قاسم کے نام حجاج کا خط پہنچا جس میں لکھا تھا۔

"اہل بیرون کے ساتھ نہایت نرمی اور ہمدردی کا سلوک کر وہاں کی بہبودی کے لئے کوشش کرو۔ لڑنے والوں میں جو تم سے امان طلب کرے اس کو ضرور امان دو، جو وعدہ کسی سے کرو اس کو ضرور پورا کرو۔ تمہارے قول و فعل پر سندھ والوں کو پورا پورا اعتماد و اطمینان ہو جانا چاہیے۔" (آئینہ حقیقت نما ص ۱۰۲)

فتح سیوستان کے بعد حجاج کا فرمان آیا کہ

"جو کوئی تم سے جاگیر و ریاست طلب کرے تم اس کو ناامید نہ کرو۔ التجاؤں کو قبول کرو۔ امان دو۔ رعایا کو مطمئن کرو۔ تم راجاؤں سے جو عہد کرو اس پر قائم رہو۔ جب وہ مالگذاری دینے کا اقرار کرلیں تو ہر طرح ان کی اعانت کرو۔ جو شخص توحید الٰہی کا اقرار اور تمہاری اطاعت قبول کرے اس کے مال و اسباب اور ننگ و ناموس کو برقرار رکھو۔ لیکن جو شخص اسلام قبول نہ کرے اس کو صرف اس قدر مجبور کرو کہ تمہارا مطیع ہو جائے۔" (آئینہ حقیقت ص ۱۰۳)

تنبیہ

خراج و مالگذاری ان لوگوں پر عائد کرنا اس کی دلیل ہے کہ حجاج بن یوسف نے سندھ کے ہندو باشندوں کا ان کی اراضی پر بدستور مالک و قابض رہنا تسلیم کرلیا تھا۔ ورنہ تقسیم بین الغانمین کی صورت میں عشر ہوتا اور اراضی بیت المال میں داخل ہونے کی صورت میں نہ عشر نہ خراج۔

برہمن آباد کی فتح کے بعد یہاں کے مندروں کے پجاری حاضر خدمت ہوئے اور مندروں کی مرمت و تعمیر کے لئے درخواست کی۔ محمد بن قاسم نے ایلچی بھیج کر حجاج سے استصواب کیا۔ حجاج کا خط آیا۔

"تمہارے خط سے معلوم ہوا کہ برہمن آباد کے ہندو اپنے مندروں کی عمارات درست کرنا چاہتے ہیں۔ چونکہ انہوں نے اطاعت قبول کرلی ہے لہٰذا ان کو اپنے معبود کی عبادت میں آزادی حاصل ہونی چاہئے اور کسی قسم کا جبر کسی پر مناسب نہیں ہے۔" (آئینہ ص ۱۰۶)

اس فرمان کے بعد محمد بن قاسم نے برہمن آباد کے تمام اکابر و امراء کو بلایا اور برہمنوں کے حقوق و مراسم جو سندھ کے راجہ داہر کی طرف سے مقرر تھے ان کی تحقیق کی۔ اس کے بعد شہر میں یہ اعلان فرمایا۔

"جو لوگ اپنے باپ دادا کی مراسم کے پابند ہیں ان کو ہر قسم کی آزادی ان مراسم کو بجا لانے میں حاصل ہے۔ کوئی شخص معترض نہ ہو سکے گا۔ برہمنوں کے وظائف و حقوق بدستور جس طرح پہلے دیتے تھے اب بھی دیں۔ اپنے مندروں میں آزادانہ پوجا پاٹ کریں۔ محاصل کی بعض سرکاری مالگذاری میں سے تین روپیہ فیصدی برہمنوں کے لئے الگ خزانہ میں جمع کیا جائے گا اس روپیہ کو برہمن جس وقت چاہیں اپنے مندروں کی مرمت اور ضروری سامان کے لئے خزانہ سے برآمد کرا سکتے ہیں" (تاریخ سندھ)

محمد بن قاسم نے ایک مقام کو فتح کر کے وہاں کے سب لوگوں کو امان دے دی اور ہر قسم کا محصول و لگان بھی ان کو معاف کر دیا اور یہ تمام کیفیت حجاج کو لکھ کر بھیج دی۔ حجاج نے اس کے جواب میں خط لکھا کہ

"جو لوگ اہل حرب ہیں ان کو قتل کر دو۔ جو مطیع ہیں ان کو امان دو۔ مذہبی امور پر کوئی محصول یا ٹیکس معاف کر دے جو شخص دستکاری یا تجارت میں زیادہ جانفشانی اور توجہ سے کام کرتا ہے اس کی مدد کرو اور اس کو تقاوی دو۔ جو لوگ اسلام سے مشرف ہوں ان سے زمین کی پیداوار کا عشر یعنی دسواں حصہ وصول کرو۔ اور جو لوگ اپنے مذہب پر قائم رہیں ان سے وہی مالگذاری وصول کرو جو وہ اپنے راجاؤں کو دیا کرتے تھے۔ (تاریخ سندھ بالفاظ)

تبصرہ

حجاج بن یوسف کا یہ فرمان ایک عام قانون کی شکل رکھتا ہے جو پورے ملک سندھ کے لئے جاری ہوا ہے اس میں غیر مسلموں کے لئے خراج اور وہ بھی صرف اسی قدر جتنا وہ اپنے راجاؤں کو دیا کرتے تھے وصول کرنے کا حکم ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ پورے ملک کی اراضی مملوکہ کو بدستور بندوبست لگان سابق کی ملک میں برقرار رکھنا تسلیم کیا گیا ہے۔

## سندھ میں عطاء جاگیر اور اس کی کیفیت

باب اول میں واضح ہو چکا ہے کہ سلطان مسلم کو اختیار ہے کہ غیر مملوکہ زمینوں میں سے بلا ان

اراضی میں سے جو بیت المال کی اراضی کہلاتے ہیں۔ اسلامی خدمات کرنے والوں کو کوئی جاگیر عطا کرے اور عطاء جاگیر کی سات صورتیں امام کے زیر اختیار ہیں اوپر بحوالہ فتوح البلدان بلاذری میں یہ گذر چکا ہے کہ محمد بن قاسم نے بندرگاہ دیبل فتح کیا تھا تو وہاں کچھ مسلمانوں کو جاگیریں دیں اور مسجد تعمیر کی۔ بظاہر یہ جاگیر غیر مملوکہ ارض موات سے دی گئی تھی کیونکہ بلاذری کے الفاظ اس کے متعلق یہ ہیں: واختط محمد للمسلمین بها و بنی مسجدا و انزلها اربعة الاف (اس میں جاگیر دینے کے لئے لفظ اختطاط استعمال کیا گیا ہے۔ جس کا حقیقی مفہوم غیر آباد زمین کو آباد کرنے کے لئے گھیرنا ہے (قاموس) اور باب اول میں گذر چکا ہے کہ اس صورت میں آباد کرنے والا ہی زمین کا مالک ہو جاتا ہے۔ پھر ملک سندھ کے دوسرے علاقوں میں بھی عربی اور شامی سرداروں کو جاگیریں دی گئیں مگر ان کی صورت حسب تحریر "آئینہ حقیقت نما" یہ ہے۔

"عربی اور شامی سرداروں اور سپاہیوں کو بھی کہیں کہیں جاگیریں اور قطعات زمین دیئے گئے مگر وہ تمام زمین اور قطعات ان کے اصل مالکوں کے پاس بدستور رہے جو زر مالگذاری سرکاری خزانہ میں داخل ہوتا وہ ان جاگیرداروں کو مل جاتا تھا (آئینہ ص ۱۰۹) یہ عطا جاگیر کی صورت ہے جو باب اول میں چھٹی صورت کے ماتحت لکھی گئی ہے۔"

معلوم ہوا کہ محمد بن قاسم نے شرعی اصول و قواعد کے موافق عطا جاگیر میں حسب موقع و مصلحت مختلف صورتوں کو اختیار کیا ہے کہیں ملک بنا کر دیدی کہیں صرف پیداوار سے نفع اٹھانے کی اجازت دے دی۔ کہیں صرف سرکاری محصول و خراج کو جاگیردار کا حق قرار دے دیا۔

## خلاصہ احکام اراضی سندھ

مذکورۃ الصدر شاہی فرامین اور محمد بن قاسم کے اعلانات سے روز روشن کی طرح واضح ہو گیا کہ پورے ملک سندھ کی اراضی مملوکہ پر ہندو مالکان اراضی کا مالکانہ قبضہ بدستور قائم رکھا گیا ہے خواہ وہ شہر صلحاً فتح ہوئے یا عنوۃً وقہراً۔ اسلامی حکومت نے قبضہ یا تو ان زمینوں پر کیا جو غیر مملوک تھیں یا ان زمینوں پر جو شاہی مقبوضات تھیں اور یا وہ زمینیں جو اراضی بیت المال میں شامل ہوئیں جن کے مالک لاوارث ہو گئے یا مفقود ہو گئے اور ان کے کسی وارث کا بھی پتہ نہ چلا۔ انہی زمینوں میں سے کچھ مسلمانوں کو جاگیریں دی گئیں۔ اب ملک سندھ کی اراضی جو مسلمانوں کی ملک میں آئی اس کی دو صورتیں ہیں۔ یا تو وہ اراضی جو کسی شخص کو سلطان کی طرف سے بطور جاگیر مالکانہ صورت

دے دی گئی اور باروہ جو ہندو مالکان اراضی سے خرید لی گئی۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

# اراضی ہند

۹۵ھ میں فتح سندھ کی تکمیل ہوئی۔ باقی ممالک ہند کی فتوحات کا سلسلہ تقریباً تین سو سال کے بعد ۳۹۲ھ میں سلطان محمود غزنویؒ کے ہاتھوں شروع ہوا۔ پھر ان کی اولاد میں جاری رہا۔ ۵۸۲ھ تک ان کی جنگوں کا رخ صرف پنجاب اور سندھ کی طرف رہا۔ کیونکہ پنجاب تو ہندو راجاؤں کے قبضہ میں تھا ہی۔ ملک سندھ جو محمد بن قاسم کے ہاتھوں فتح ہو چکا تھا، اس تین سو سال کے عرصے میں خلافت بغداد کی کمزوری کے باعث اس کے بھی بہت سے علاقوں پر ہندو راجہ پھر قابض ہو گئے تھے۔ اور ملتان و دیبل وغیرہ پر قرامطہ نے قبضہ کر لیا تھا جو اصل سے کفار اور بے دین تھے مگر منافقانہ و ظاہرانہ طور پر اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کرتے تھے اور ہندوستان کے ہندوؤں سے ان کا ساز باز تھا۔ سلطان محمود غزنویؒ اور ان کی اولاد کو اپنے پورے دور میں ایک طرف تو ہندوؤں کی یورشوں کا مقابلہ کرنا پڑا، دوسری طرف ان قرامطہ کے استیصال کے فکر میں بڑی کوششیں کرنا پڑیں اور ملک سندھ و ملتان کو دوبارہ از سر نو فتح کرنا پڑا۔ پنجاب کے راجاؤں سے مقابلہ ہوا اور فتح پائی تو ابتداءً سلطان غزنوی نے یہ طریقہ رکھا کہ جس راجہ کا علاقہ فتح ہوا اس سے اطاعت و خراج گزاری کا وعدہ لے کر معافی دے دی اور اس کا علاقہ اس کی سیادت میں قائم رکھا مگر ان راجاؤں نے عموماً غداری کی۔ جب بھی ذرا موقع پایا خراج دینا بند کر دیا اور خود مختار بن کر مقابلہ کے لئے آمادہ ہو گئے مقابلہ میں شکست کھائی۔ گرفتار ہو گئے پھر معافی دیدی گئی۔ اور علاقہ ان کے سپرد کر دیا۔ پھر وہی حرکت کی۔ راجہ انند پال اسی طرح کئی مرتبہ گرفتار ہوا تو معافی مانگی معافی دے دی گئی پھر بغاوت کی پھر گرفتار ہوا پھر معافی مانگی پھر معافی دے دی گئی اس کے بعد اس کے بیٹے انند پال نے بھی باپ کا طریقہ جاری رکھا یہاں تک ۴۱۲ھ میں جے پال ثانی سے مقابلہ ہوا۔ اس کو شکست دینے کے بعد راجاؤں کے مسلسل بدعہدی کے تجربے نے اس پر مجبور کر دیا کہ صوبہ پنجاب کو براہ راست سلطنت غزنی کے ساتھ ملحق کر دیا جائے۔ اس وقت سے سندھ و پنجاب میں اپنے عمال و حکام مقرر کر دیے گئے۔ جو ملک کا انتظام کرتے اور زمینوں کا خراج وصول کر کے دارالسلطنت غزنی کو بھیجتے تھے۔

پہلی صورت کہ راجاؤں کو ان کی ریاست پر برقرار رکھ کر ان سے خراج مقرر کر لیا تھا اور دوسری

صورت کہ مالکان اراضی سے براہ راست خود سلطانی حکام خراج وصول کرتے تھے۔ ملکیت اراضی کے متعلق ان دونوں صورتوں میں کوئی فرق نہ تھا۔ مالکان اراضی دونوں حالتوں میں اپنی اپنی زمینوں پر برابر دستور مالکانہ قابض اور متصرف رہے۔ حکومت اسلامیہ کا تعلق صرف ان کے خراج سے رہا۔ کبھی راجاؤں کی معرفت اور کبھی اپنے مقرر کردہ حکام کی معرفت۔

جب محمود و مسعود کے بعد سلاطین غزنوی بقیہ ہندوستان کی طرف متوجہ ہوئے اور سلطنت غزنی کے آخری بادشاہ سلطان ابراہیم بن مسعود بن محمود غزنوی کے آخر عہد ۴۹۲ھ تک دہلی، آگرہ، اودھ، گجرات، کاٹھیاواڑ وغیرہ بلاد کو فتح کر چکے۔ صوبہ جات ہند میں سے صرف بہار، بنگال، آسام اور جنوبی ہند اس دائرے سے رہ گئے تھے۔ ان کے علاوہ پورا ملک ہند زیر نگیں سلطنت غزنی آ چکا تھا۔ لیکن ان تمام ممالک کی فتوحات میں عہد غزنوی کے آخر تک وہی طریقہ رہا کہ جس راجہ کا علاقہ فتح ہوا اسی کو وہاں کی امارت پر برقرار رکھا اس سے خراج مقرر کر لیا اور خود دارالسلطنت غزنی کو چلے گئے۔ ہندوستان میں اپنا کوئی دارالسلطنت نہیں بنایا۔ سلاطین غزنی کے بعد شہاب الدین غوری کا دور آیا۔ ان کے عہد میں جدید فتوحات صرف بہار، بنگال، آسام، تبت کی حد تک تھیں۔ باقی وقت تمام مفتوحہ ممالک کی بغاوتیں اور قرامطہ و ملاحدہ کے فتنوں کے مقابلہ میں گذرا۔

شہاب الدین غوری کی فتوحات اور انتظام ملکی کا وہی دستور رہا جو سلاطین غزنی کے عہد سے چلا آ رہا تھا کہ ممالک مفتوحہ کے راجاؤں کو ان کی ریاستوں پر برقرار رکھ کر عہد اطاعت و خراج گذاری لے لیا اور خود غزنی کے دارالسلطنت میں رہے۔ مگر ہندو راجاؤں کی مسلسل بدعہدی اور سرکشی کا جو تلخ تجربہ سلطان محمود کو ہو چکا تھا اور مجبور ہو کر پنجاب و سندھ و ملتان کو براہ راست تخت غزنی کے ساتھ ملحق کر کے اپنے عمال و حکام مقرر کرنا پڑے تھے وہی صورت شہاب الدین کو بقیہ ملک میں محسوس ہوئی۔ چنانچہ اپنے آخری عہد میں انہوں نے اپنے آزاد کردہ غلام قطب الدین ایبک کو تاج کہرام کا عامل مقرر کر کے اس کو تخت غزنی کے ساتھ ملحق کیا اور قطب الدین بحیثیت ایک گورنر کے ہندوستان میں رہے۔

قطب الدین ایبک کے سامنے بھی بغاوتوں کا سلسلہ شروع ہوا۔ پچھلے تجربے ان کے سامنے تھے۔ اب ان کو یہ فیصلہ کرنا پڑا کہ جو راجہ بغاوت پر آمادہ ہوا اس کا علاقہ فتح کر کے سلطنت اسلامی میں شامل کر لیا جائے۔ چنانچہ جب پرتھی راج والی دہلی نے بغاوت کی تو اس کو حکومت سے ہٹا کر دہلی کو براہ راست سلطنت غزنی سے ملحق کر دیا اور ہندوستان میں اس کو دارالامارت بنا کر خود وہاں

قیام کیا۔ اسی طرح میرٹھ، علی گڑھ، جس کا قدیم نام کول تھا، قنوج، کالپی، کالنجر، بنارس، گوالیار، بدایوں، گجرات کے راجاؤں نے سرکشی اختیار کی تو ایک ایک کر کے سب کو ہٹا کر یہ مقامات بھی سلطنت اسلامی میں شامل کر لئے گئے۔

اس طرح شمالی ہند کا بڑا حصہ سلطنت اسلامی میں شامل ہو گیا۔ پنجاب، ملتان، سندھ پہلے ہی اسلامی حکومت کے صوبے تھے۔ اب وہ ملک بھی جسکو آجکل صوبجات متحدہ کہتے ہیں سلطنت اسلامی میں شامل ہو گیا۔ سلطان شہاب الدین غوری نے قطب الدین ایبک کی اہلیت وقابلیت کا اب تجربہ ومشاہدہ کر لیا تھا۔ اس لئے ۸۹۵ھ میں ان کو تمام مقبوضات ہندوستان کا وائسرائے بنا دیا۔

اب قطب الدین ایبک نے اودھ کے جاگیردار محمد بختیار خلجی کو فتح بہار و بنگال کے لئے مامور کیا۔ اس نے پانچویں صدی ہجری کے اواخر میں یہ تمام علاقہ بہار، بنگال، آسام، تبت فتح کر کے اسلامی سلطنت کے ساتھ ملحق کر دیا۔ اور تھوڑی مدت بعد جنوبی ہندوستان میں پیش قدمی کی اور دکن کا علاقہ بھی اسلامی سلطنت میں آ گیا۔ اسی طرح بنگال، آسام تک براعظم کو ہندوستان یا انڈیا کہا جاتا ہے وہ جنوبی ہند دکن اور مدراس و میسور کے سوا پوری سلطنت اسلامیہ دہلی کے زیر نگیں آ گئی۔

۶۰۲ھ میں شہاب الدین غوری شہید ہوئے اور قطب الدین ایبک جو ان کی طرف سے ہندوستان کے وائسرائے تھے۔ اب خودمختار سلطان بن گئے۔ سلطنت غزنی کی طرف سے ان کو ایک شقہ اور چتر شاہی بھیج کر خودمختار سلطان قرار دے دیا گیا۔ ذیقعدہ ۶۰۲ھ میں لاہور میں استقلال سلطنت کا جشن منایا گیا۔

اس کے بعد دہلی کی مستقل سلطنت اسی غلاموں کی خاندان میں چھیاسی سال بڑے آب وتاب سے رہی مگر اس پورے دور میں نئی فتوحات کچھ نہ ہو سکیں، بلکہ غلام خاندان کے سلاطین کو تاتاریوں کے فتنے اور اندرونی بغاوتوں کو فرو کرنے نیز رعایا کی رفاہیت وراحت کے انتظامات سے فرصت نہیں ملی۔

تا آنکہ ۶۸۹ھ میں یہ سلطنت خاندان خلجی کی طرف منتقل ہوئی۔ جلال الدین خلجی سلطنت اسلامیہ دہلی کے فرمانروا ہوئے۔ اس وقت ان کے بھتیجے اور داماد اور آئندہ ہندوستان کے ہونے والے بادشاہ علاؤ الدین خلجی کے ہاتھ پر ہندوستان کے بقیہ حصص جنوبی ہند دکن، مدراس، میسور فتح ہو کر سلطنت اسلامی کے ماتحت آئے مگر ان کی فتوحات سب اس طرح ہوئی کہ ان علاقوں کے راجاؤں کو ان کی ریاستوں پر بحال رکھ کر ان سے خراج مقرر کر لیا تھا۔ الغرض ۶۹۴ھ تک ہندوستان کے پورے براعظم کو ہمالیہ سے راس کماری تک اور سندھ گجرات سے بنگال واڑیسہ

تک اسلامی سلطنت دہلی میں داخل ہو گئے۔ اور ۶۹۵ھ میں علاؤ الدین خلجی دہلی کے تخت سلطنت پر تخت نشین ہوا۔ فتوح الہند کا سلسلہ یہاں تمام ہو گیا اس کے بعد جو سلطنت دہلی پر مختلف دور اور مختلف خاندان کی حکومتیں آئیں وہ خود مسلمانوں کی باہمی آویزش اور اس کے ماتحت انقلابی صورتیں تھیں جن سے ہمارے موضوع بحث کا کوئی تعلق نہیں اور نہ ان انقلابات سے احکام اراضی پر شرعاً کوئی اثر پڑتا ہے۔

## خلاصہ کیفیت فتوح الہند مع احکام متعلقہ اراضی

باب اول میں بتفصیل مذکور ہوا ہے کہ ملک فتح ہونے کی تین صورتیں ہیں جن کے احکام متعلقہ اراضی جدا جدا ہیں۔ ایک یہ کہ اہل ملک بوقت فتح مسلمان ہو جائیں۔ دوسرے یہ کہ مسلمان تو نہ ہوں مگر بدون مقابلہ کے صلح کے ساتھ اطاعت خراج گذاری قبول کرلیں۔ تیسرے یہ کہ مقابلہ اور جنگ کریں پھر مسلمان بزور شمشیر فتح کریں۔

فاتحین ہند سلاطین غزنی و غوری و خلجی کے تمام غزوات و فتوحات پر تفصیلی نظر ڈالنے سے معلوم ہوا کہ ممالک ہندوستان کی فتوحات میں تینوں صورتیں پیش آئی ہیں۔ پہلی صورت شاذ و نادر ایک آدھ موقع میں پیش آئی بقیہ ممالک دوسری یا تیسری صورت سے فتح ہوئے۔ پہلی صورت کہ اہل ملک بوقت فتح مسلمان ہو جائیں اس کے دو واقعے مورخ ابن الاثیر جزری نے اپنی تاریخ کامل میں لکھے ہیں جس کا ترجمہ عربی سے اردو میں یہ ہے۔

”سنہ ۴۰۷ھ میں سلطان محمود غزنوی نے کشمیر پر حملہ کیا جب دروازہ کشمیر پر پہنچا تو راجہ کشمیر خود حاضر خدمت ہوا اور بطوع و رغبت اسلام میں داخل ہو گیا۔“ (ابن اثیر ص ۱۱۱ ج ۹)

اس کے بعد راجہ کشمیر نو مسلم کو ساتھ لے کر آگے بڑھے تو ۲۰ رجب سنہ ۴۰۹ھ کو قلعہ باجون پر پہنچے اس کو اس کے گرد و نواح کے قلعوں اور علاقوں کو فتح کرتے ہوئے قلعہ ہودب پر پہنچے جو ہندوستانی علاقے کا آخری قلعہ ہے۔ ہودب کے راجہ نے جب لشکر اسلام کے آنے کی خبر سنی تو دس ہزار آدمیوں کو ساتھ لے کر استقبال کے لئے قلعہ سے باہر آئے اور کلمۂ اسلام پکارتے ہوئے آگے بڑھے۔ سلطان محمود نے ان کے کلمۂ اسلام لا الہ الا اللہ کو سن کر لشکر کو ہاتھ اٹھانے سے روک دیا۔ (ابن اثیر ص ۱۱۹ ج ۹)

ممکن ہے فتوحات ہند میں اور بھی کوئی واقعہ اس طرح کا پیش آیا ہو مگر وہ بہرحال نادر ہے۔

اس قسم کی فتح کا حکم باب اول میں معلوم ہو چکا ہے۔ یعنی شخص کی تمام املاک منقولہ اور غیر منقولہ بدستور اس کی ملک میں رہتی ہیں اور حاکم کو ان میں سے کوئی تصرف کرنے کا حق نہیں ہے۔

بقیہ فتوحات میں قسم دوم یعنی صلح سے جو ممالک فتح ہوئے ان کا حکم بھی باب اول میں معلوم ہو چکا ہے کہ فاتح سلاطین اسلام کے عہد میں ایک مسلمان بادشاہ کو شرائط صلح کی پابندی لازمی ہے۔ اگر سلطان فاتح نے ان کو اپنی اراضی پر بدستور مالک و متصرف رکھا ہے تو ہمیشہ وہی مالک و متصرف رہیں گے۔ ان کو ہر قسم کے تصرفات مالکانہ حاصل ہوں گے۔ چنانچہ فتوحات ہند میں بے شمار مواقع پر یہ تصریحات ملتی ہیں کہ صلح و امن کے ساتھ جو علاقہ فتح ہوا وہاں کے لوگوں کو ان کی اپنی املاک پر بحال رکھا گیا جس کی چند مثالیں باب سوم میں بھی بیان کی جائیں گی۔

اور فتح کی قسم سوم یعنی جو جنگ و جہاد کے ساتھ فتح کیا جائے اس میں حسب تفصیل باب اول سلطان کو تین قسم کے اختیارات حاصل ہیں۔ اول یہ کہ تمام اموال غنیمت کی طرح مفتوح ملک کی اراضی مملوکہ کو بھی مالکان سابق کے قبضے سے نکال کر غانمین میں تقسیم کر دے اور پانچواں حصہ بیت المال میں داخل کر دے۔ دوسرے یہ کہ اراضی مملوکہ کو تقسیم نہ کرے بلکہ تمام یا بعض اراضی کو بیت المال کے لئے مخصوص کر لے اور بیت المال کی جانب سے ان زمینوں کی کاشت و کار وغیرہ کا انتظام ہو اور تمام منافع و پیداوار بیت المال میں داخل ہوں۔ تیسرے یہ کہ مالکان سابق کو اپنی اپنی ملکیت پر برقرار رکھ کر ان کی زمینوں پر خراج مقرر کر دے جو سالانہ بیت المال میں جمع ہوا کرے۔

فتوحات ہند کی پوری تفاصیل میں پہلی صورت تو کسی ایک جگہ بھی نظر نہیں آتی کہ اراضی مفتوحہ کو غانمین میں تقسیم کیا گیا ہو۔ اور دوسری صورت بھی اس طرح تو کہیں پائی نہیں جاتی کہ مفتوحہ ملک کی پوری زمینوں کو مالکان سابق کی ملکیت سے نکال کر بیت المال میں داخل کر لیا گیا ہو۔ البتہ جو زمینیں مفتوحہ راجاؤں کی ملک خاص اور شاہی مقبوضات تھیں ان کو کہیں کہیں حکومت اسلامیہ کے قبضہ میں بحیثیت اراضی بیت المال رکھا گیا ہے۔ جس کی نظیر فتح عراق کے وقت حضرت فاروق اعظم کے عمل میں بھی پائی جاتی ہے اور فتوحات سندھ میں محمد بن قاسم کے عمل میں بھی۔

باقی تمام اراضی مفتوحہ میں تیسری قسم کا اختیار فاتح سلاطین نے نافذ کیا ہے یعنی مالکان سابق کو ان کی ملکیت اراضی پر بدستور قائم رکھ کر زمینوں پر خراج مقرر کر دیا گیا۔

مالکان سابق کے تمام مالکانہ تصرفات جائز و برقرار رکھے گئے۔ یہی وہ معاملہ ہے جو حضرت

الدین ایبک کو جاگیر میں دے دیے تھے اور خود غزنی کی طرف لوٹ گئے اور معاملہ مکمل کر دیا۔

## تنبیہ

ظاہر ہے کہ ان بلاد مفتوحہ کو قطب الدین ایبک کی جاگیر میں دے دینے کے یہ معنی نہیں تھے کہ یہاں کی اراضی کا ان کو مالک بنا دیا۔ یا پیداوار کا مالک بنا دیا بلکہ صورت وہی تھی کہ ان بلاد مفتوحہ کا خراج قطب الدین ایبک کے سپرد کر دیا۔ زمینوں پر بدستور مالکان سابق متصرف رہے۔ یہ کہیں منقول نہیں کہ ان بلاد کی اراضی مملوکہ سے ان کے مالکان سابق کو بے دخل کیا گیا ہو یا ان کو مالکانہ تصرفات بیع و شراء ہبہ و وقف سے روکا گیا ہو۔

پھر واقعات ۵۹۲ھ میں قلعہ بھنکر پر حملہ اور اس کی فتح عنوۃ کا حال بایں الفاظ مذکور ہے۔

وحصر قلعة بهنكر وهي قلعة عظيمة منيعة فحصرها فطلب اهلها منه الامان على ان يسلموا اليه فامنهم وتسلمها واقام عندها عشرة ايام حتى رتب جندها واحوالها۔ (ابن اثیر ص ۲۴ ج ۱۲)

ترجمہ: ”اور قلعہ بھنکر کا محاصرہ کیا جو ایک بڑا محفوظ قلعہ ہے۔ پھر اہل قلعہ نے اپنی جانوں کی امان طلب کی اس شرط پر کہ قلعہ سلطان کے سپرد کر دیں گے۔ سلطان نے ان کو امان دیا اور قلعہ پر قبضہ کیا اور دس روز یہاں قیام کر کے مقامی لشکر وغیرہ کا انتظام درست کیا۔“

اس کے بعد قلعہ گوالیار پر حملہ اور محاصرہ کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے۔

فراسله من بها في الصلح فاجابهم اليه على ان يقر القلعة بايديهم على مال يحملونه اليه فحملوا اليه فيلا حمله ذهب۔ (ص ۲۴ ج ۱۲)

ترجمہ ”اہل قلعہ نے سلطان سے صلح کے بارہ میں مراسلت کی۔ سلطان نے صلح قبول کر لی۔ شرائط صلح یہ طے ہوئے کہ قلعہ انہی لوگوں کے ہاتھوں میں بدستور رہے وہ خراج ادا کرتے رہیں اور (بالفعل) ایک ہاتھی جس پر سونا لدا ہوا تھا سلطان کی خدمت میں پیش کیا گیا۔“

نہروالہ (انہلواڑہ) جس کو آج کل پٹن کہا جاتا ہے وہ ریاست بڑودہ میں ساحل بحر پر ایک قدیم شہر اور گجرات کا دارالسلطنت تھا آج کل معمولی سی بستی رہ گئی ہے۔ سلطان محمود غزنوی نے اس کو فتح کیا تھا۔ پھر یہاں کے ہندوؤں نے تغلب کر کے اس پر قبضہ کر لیا تھا۔ سلطان شہاب الدین نے ۵۹۳ھ میں قطب الدین ایبک کی قیادت میں اس کو دوبارہ فتح کرنے کے لیے لشکر بھیجا۔ شہر

معرکہ کے بعد اس کو فتح کیا گیا۔ ابن اثیر لکھتے ہیں۔

فملکها عنوة وهرب ملکها فجمع وحشد فکثر جمعه وعلم شهاب الدین انه لا یقدر علی حفظها الا بان یقیم هو فیها ویخلیها من اهلها فتعذر علیه ذلك فان البلد عظیم واعظم بلاد الهند واکثرهم اهلا فصالح صاحبها علی مال یؤدیه الیه عاجلا واٰجلا وعاد عساکره عنها وسلمها الی صاحبها۔ (ص ۱۱ ج ۱۲)

"قطب الدین ایبک نے میرٹھ کو قہراً فتح کیا اور اس کا راجہ وہاں سے بھاگ گیا مگر باہر جا کر اس نے اپنے حمایتی راجاؤں کی اعانت سے پھر ایک جماعت اور لشکر جمع کر لیا۔ سلطان شہاب الدین نے محسوس کیا کہ اس صوبہ کی حفاظت بدون اس کے نہیں ہو سکتی کہ وہ خود یہاں قیام کریں اور یہاں کے باشندوں کو یہاں سے نکال دیں۔ اور ظاہر ہے کہ یہ امر مشکل تھا، کیونکہ یہ شہر بنارس ہندوستان میں سب سے بڑا شہر تھا اور بڑی آبادی پر مشتمل تھا۔ اس لئے سلطان نے اس کے راجہ سے اس پر صلح کر لی کہ بالفعل بھی کچھ مال دیں اور بعد میں خراج سالانہ ادا کرتے رہیں اور اپنے لشکر یہاں سے ہٹا لئے اور ملک اسی راجہ کے سپرد کر دیا۔"

## تنبیہ

اس واقعہ میں اس کی بھی تصریح ہے کہ ملک کو قہراً فتح کرنے کی صورت میں سلطان کو جو یہ اختیار شرعاً حاصل تھا کہ پورے شہر کی اراضی سے اس کے باشندوں کو بے دخل کر کے ان کو غانمین میں تقسیم یا اراضی بیت المال (سرکاری زمینیں) قرار دے دے اس کو صعب و مشکل سمجھ کر سلطان نے اس پر کوئی اقدام نہیں کیا بلکہ مالکان اراضی سے بلا واسطہ اپنے حکام کے ذریعہ خراج وصول کرنے کو بھی دشواری سے خالی نہ پا کر وہیں کے راجہ کو ملک کا انتظام سپرد کر دیا اور خراج سالانہ اس سے مقرر کر لیا۔

یہ چند حوالے تاریخ ابن اثیر سے لئے گئے ہیں کہ اس کے مصنف ایک محقق عالم و زبردست محدث ہیں اور ساتھ ہی سلطان شہاب الدین غوری کے ہم عصر بھی ہیں ان کے حالات و واقعات ان لوگوں سے روایت کرتے ہیں جو خود سلطان شہاب الدین کی خدمت میں رہے تھے۔

اسی طرح دوسری تاریخیں بھی اس قسم کی تصریحات سے لبریز ہیں۔ مثلاً فرشتہ نے راجہ لاہور جے پال کی گرفتاری اور پھر آزادی کے سلسلہ میں ذکر کیا ہے۔

پھر غوریوں کے عہد میں ہندو راجاؤں اور جاگیرداروں کی مسلسل سرکشی و بدعہدی سے مجبور ہو
کر شہاب الدین غوری نے آخری عہد میں یہ سلسلہ شروع ہوا کہ جس راجہ نے باج گزاری سے
انکار کیا یا بغاوت و سرکشی کی اس کو ریاست سے علیحدہ کر کے خود سرکاری حکام خراج وصول کرنے
کے لئے مامور کر دیے گئے۔ اس میں یہ صورتیں بھی پیدا ہوئیں کہ ایک ریاست کے چھوٹے
چھوٹے حصے کر کے مسلمان سرداروں کو بطور جاگیر دے دیے کہ خراج اپنے علاقہ کا وہ وصول
کریں اور اس کا کوئی حصہ بیت المال میں داخل کریں۔ باقی وہ اپنے مصارف میں صرف کریں۔
یہی ان سرداروں کی خدمات کا صلہ یا تنخواہ ہوتی تھی۔ شدہ شدہ اکثر فوج کی تنخواہوں کی یہی
صورت ہوگئی کہ جاگیروں کی صورت میں دی جانے لگی۔ افسران فوج کو پنج ہزاری، دو ہزاری، دہ ہزاری
کے منصب عطا ہوتے تھے جس کا مطلب یہ تھا کہ پنج ہزاری جاگیردار کے ماتحت پانچ ہزار، ہفت
ہزاری کے ماتحت سات ہزار فوج رہتی تھی جنکے مصارف کے مطابق جاگیر منصب داروں کو دی جاتی
تھی۔ جاگیرداروں کے علاوہ کچھ سپاہ براہ راست بھی سرکاری انتظام میں رہتی تھی۔

صولت۔ شیر شاہی مصنفہ سید احمد مرتضیٰ ٹونکی میں ہے۔ "پرگنات میں جو افواج حفاظتی مقرر تھی
ان کی مجموعی تعداد ایک لاکھ تیرہ ہزار کی۔ جاگیرداروں اور منصب داروں کے پاس جو فوج تھی وہ اس
کے علاوہ ہے۔ جاگیرداروں کے سپاہی جمعیت کا یہ طریقہ تھا کہ کسی کو پانچ سو سواروں کسی کو ہزار
سواروں کسی کو پانچ ہزار سواروں تک کا بادشاہ کی طرف سے منصب عطا کیا جاتا تھا۔ ساتھ ہی سواروں
کی تنخواہ اور منصب داروں کی امیرانہ حیثیت کے مصارف کے لائق پرگنات جاگیر میں دیے جاتے
تھے کہ اس کی آمدنی سے سواروں کا صرفہ ادا کرتے رہیں اس طرح وہ فوج شاہی فوج بھی مانی جاتی تھی۔
لڑائی کے وقت اس سے ذمہ لیا جاتا۔ سالانہ اس فوج کی جانچ ہوتی تھی۔ (صولت ص ۱۰۳)

## اراضی ہند کا جدید انتظام بزمانہ علاؤالدین خلجی

علاؤالدین خلجی جب فتوحات سے فارغ ہوئے اور ہندوستان کا پورا علاقہ دہلی کی اسلامی
سلطنت کے ماتحت آ گیا اور اندرونی اصلاحات اور رفاہ عام کے کاموں میں مشغول ہوئے تو اس
وقت منجملہ دیگر انتظامات جدیدہ کے انہوں نے فوج کی تنخواہیں بصورت جاگیر دینے کے قاعدہ کو
منسوخ کر کے نقد تنخواہوں کا قانون جاری کیا نیز ایک تغیر یہ بھی کر ڈالا کہ مالکان اراضی سے جو
نقد خراج (لگان) مقرر تھا اس کی بجائے بٹائی کا قاعدہ جاری کر دیا اور بجائے نقد خراج کے غلہ کا
ایک مقررہ حصہ مالکان اراضی سے وصول ہونے لگا۔ اس غلہ کی ذخیرہ اندوزی کے لئے تحصیلدار اور

پٹواری (جو غالباً اصل میں ہندو ہی تھا) مقرر رکھے گئے۔

فقہاء کے اصطلاحی لفظوں میں اس تغیر کا عنوان یہ ہے کہ خراج موظف (مقررہ لگان) کے بجائے خراج مقاسمہ (بٹائی) کر دی گئی۔ (آئینہ حقیقت نما، از: [illegible])

علاؤالدین خلجی نے اگر یہ تصرف و تغیر بلا رضائے مالکان جبری طور پر کیا تھا تو شرعاً جائز نہیں تھا کیونکہ اول فتح میں جو صورت معاملہ اراضی کے متعلق طے ہو چکی اس کو بغیر رضائے مالکان بدلنے کا بعد میں کسی کو اختیار نہیں کیونکہ یہ ایک قسم کا نقض عہد ہے جو بالاتفاق حرام ہے۔ رد المحتار کتاب الخراج میں بحوالہ کافی مذکور ہے۔

وفي الكافي ليس للامام ان يحول الخراج الموظف الى خراج المقاسمة۔ اقول وكذلك عكسه فيما يظهر من تعليله لانه قال فيه نقض العهد وهو حرام۔ (شامی ج۳:)

ترجمہ: "کافی میں ہے کہ امام کے لئے یہ جائز نہیں ہے کہ خراج موظف (مقرر لگان) کو خراج مقاسمہ (بٹائی) میں تبدیل کر دے اور میں کہتا ہوں کہ اس کا عکس بھی یعنی خراج مقاسمہ کو خراج موظف میں تبدیل کرنا بھی ایسا ہی ناجائز ہے کیونکہ عدم جواز کی علت دونوں میں مشترک ہے۔ وہ یہ کہ اس تبدیلی میں عہد سابق کو توڑنا لازم آتا ہے اور نقض عہد حرام ہے۔"

بہرحال علاؤالدین خلجی نے نقد خراج کے بجائے بٹائی کا قانون بنا دیا۔ جاگیروں کی صورت میں فوج کی تنخواہوں کا قاعدہ منسوخ کر کے نقد تنخواہوں کا قانون جاری کیا۔ یہ طریقہ بعد کے سلاطین غیاث الدین تغلق اور محمد تغلق کے نزدیک بھی مفید ثابت ہوا تھا اس لئے ان کے عہد تک یہی قانون جاری رہا۔ ([illegible])

## محکمہ زراعت کا قیام، زراعت کو ترقی بعہد سلطان محمد تغلق

سلطان محمد تغلق نے علاؤالدین خلجی کے جاری کردہ قانون بٹائی و افواج کی نقد تنخواہوں کو خصوصیت سے اس لئے مفید پایا کہ ان کے زمانہ میں سات سال سخت قحط پڑا اس وقت اس غلّہ سے مخلوق خدا کی جان بچانے میں بڑی مدد ملی۔ محمد تغلق چونکہ بہت رعایا پرور عادل بادشاہ تھا اس کو رفاہ عام کے لئے پیداوار بڑھانے کا بہت خیال تھا۔ پھر اس قحط عظیم نے اس کی تمام تر توجہ اس طرف پھیر دی۔ بڑے سے بڑا سرمایہ زراعت کو ترقی دینے میں صرف کیا۔ زراعت کا ایک خاص

اسلامی اور ملکی خدمات کرنے والوں کو جاگیریں عطا کرنے کا سلسلہ ہر زمانے میں جاری رہا۔
سلطان محمد تغلق نے جو جاگیریں صرف ہندوؤں کو عطا کیں ان کی تفصیل "آئینہ حقیقت نما" میں
حسب ذیل ہے۔

## سلطان محمد تغلق کی ہندو نوازی

کنتا نائک ایک ہندو دیوتا کو اس نے آبائی علاقے کا حاکم بنا کر دہلی سے رخصت کیا۔ کرنا ٹک کا
علاقہ بھی باج وخراج کا اقرار لے کر وہاں کے قدیمی ہندو رایوں اور راجاؤں کے سپرد کر دیا۔ کنپیر کا
علاقہ ناگ دیو کو سپرد کیا۔ پنجاب کے دوآبہ ورچنہ کا بڑا حصہ کلچند کھوکھر کی حکومت میں دے
دیا۔ اودھ اور بہار کے بعض اضلاع میں بھی اس نے وہاں کے ہندوؤں کو سند حکومت عطا کر دی۔
صوبہ گجرات کا بہت بڑا حصہ ہندو رایوں اور راجاؤں میں تقسیم کر کے وہاں ایک سلطانی امیر مقرر کیا
کہ وہ باج وخراج کی وصولی اور ہندو راجاؤں کی نگرانی کرتا رہے۔ مانند یو کو بگلانہ کا حاکم بنا دیا۔
راجہ مبارک دیو کو بھی گجرات ہی کے علاقے میں ایک تعلقہ عطا کیا۔ نہروالہ میں جوتش جس لنگ کے
بیٹوں کو بھی عاملانہ اختیارات اور جاگیریں عطا کیں۔ ٹھٹھ کی حکومت بھی ایک ہندو سمہ کی رائے اتر
کو عطا کی۔ مقام کوندل متصل ٹھٹھہ میں بھی ایک ہندو حکمران تھا۔ نگرکوٹ کی حکومت پر بھی ایک
ہندو کو مقرر کیا تھا۔ گورکھپور کا علاقہ بھی ایک ہندو کی حکومت میں دے دیا گیا تھا۔ میوات کی
حکومت بھی ایک ہندو کو عطا کی گئی۔ سامانہ کی نظامت میں چوہان اور دوسرے ہندوؤں کو حکومتیں
عطا کی گئیں۔ کوہ پایہ کا علاقہ (موجودہ ضلع سہارنپور و ڈیرہ دون) راجپوتوں اور گوجروں کے سپرد کر
دیا گیا۔ سالورہ کا علاقہ (موجودہ ضلع انبالہ) پرواری راجپوتوں کو عطا ہوا۔ کیتھل اور سنام میں
منڈاہر اور بعض راجپوتوں کو برسر اقتدار بنایا گیا۔ برن (بلند شہر) کی نظامت میں بھی ہندو ریاستیں
موجود تھیں۔ (مستفاد از تاریخ فرشتہ و تاریخ فیروز شاہی و طبقات اکبری و منتخب التواریخ وغیرہ)

(آئینہ حقیقت نما حصہ دوم صفحہ ۲۲)

خلاصہ یہ ہے کہ ہندوستان کے قدیم زمانے سے جو یہ دستور چلا آرہا تھا کہ فوج کی تنخواہیں
بصورت جاگیر دی جائیں۔ یہ قانون علاؤالدین خلجی نے منسوخ کیا اور سلطان محمد تغلق کے عہد
تک اسی طرح رہا کہ فوج کی تنخواہیں خزانہ شاہی سے نقد دی جاتی تھیں۔
سلطان محمد تغلق کے بعد فیروز تغلق تخت نشین ہوئے تو انہوں نے پھر وہی پرانا قاعدہ جاگیروں
کی صورت میں فوج کی تنخواہوں کا جاری کر دیا۔ (آئینہ ص ۱۱۰) اور شاید یہی سبب بعد میں سلطنت

کی بربادی کا ہوا کہ مرکزی حکومت میں ضعف آ گیا۔ جاگیردار اپنی اپنی جگہ خود مختار بن گئے۔ خاندان تغلق کے بعد سیدوں کی حکومت ۸۱۷ھ سے ۸۵۵ھ تک قائم رہی۔ اس کے بعد لودھی خاندان کی حکومت ۹۳۲ھ تک۔ پھر سوری پٹھانوں کی حکومت ۹۶۲ھ تک۔ اسی طرح مرکزی سلطنت کے ضعف کی وجہ سے جو صوبے علیحدہ ہو چکے تھے، پھر اس کے بعد تو ایسی طوائف الملوکی شروع ہوئی کہ ایک ایک شہر ایک ایک قصبہ کا ایک ایک امیر و سلطان خود مختار ہو گیا۔ ۸۰۰ھ سے ۹۶۲ھ تک تقریباً دو سو سال یہی طوائف الملوکی کا دور دورہ رہا۔ آخر ۹۶۲ھ میں ہمایوں نے پھر ایران سے واپس ہو کر ہندوستان فتح کر کے متحدہ اسلامی سلطنت دوبارہ قائم کی اور خاندان مغلیہ کا دور آیا۔

اس قریب دو سو سال کے عرصہ میں مسلمان بادشاہوں کی باہمی آویزش اور جنگ و جدال کا بازار گرم رہا۔ کوئی تعمیری کام ان حالات میں کیا ہو سکتا تھا۔ اس پورے دور میں قابل ذکر اور موضوع بحث سے متعلق کام ہوا تو شیر شاہ سوری کے زمانہ میں ہوا جس نے اپنے مختصر سے پانچ سالہ دور حکومت میں اپنی جنگی اور انتظامی قابلیت سے ایک طرف تو ہندوستان کے اکثر علاقے کو فتح کر لیا، دوسری طرف بہت سے تعمیری کام رفاہ خلق کے انجام دیئے۔ اراضی ملک کا بہترین انتظام کیا۔ محقق مورخین لکھتے ہیں کہ آئین اکبری اسی کے وضع کردہ قوانین کا دوسرا نام ہے۔ جسے ابوالفضل نے اپنی ادبی قابلیت سے مزین کر کے پیش کر دیا۔

شیر شاہ کے جدید انتظامات و قوانین کی تفصیل سوانح شیر شاہی مصنفہ منشی سید احمد مرتضیٰ وکیل عدالت ریاست ٹونک میں مذکور ہے۔ اس کا کچھ حصہ اس جگہ نقل کیا جاتا ہے۔ جس سے اراضی کے انتظام کی صورت اور عہدہ داروں کی تفصیل اور نام معلوم ہوں گے نیز دوسری معلومات بھی ذیل میں آ جائیں گی۔

## شیر شاہ کے عہد میں ملکی اور مالی انتظام

سلطان شیر شاہ نے اپنے ممالک محروسہ کو (۴۷) قسمت اور ایک لاکھ سولہ ہزار پرگنوں پر تقسیم کیا تھا (پرگنات کو آج کل کی تحصیل سے سمجھنا چاہئے) ہر پرگنہ میں حسب ذیل عہدہ دار مقرر کئے۔

عامل، شقدار، خزانہ دار (خزانچی)، کارکن فارسی نویس، کارکن ہندی نویس، چودھری، قانون گو، امین (زمین کی پیمائش کرنے والا) چند پرگنوں کو ملا کر ایک سرکار (ضلع) اور علاقہ کے ماتحت کیا۔ ہر ضلع میں عہدہ داروں کی تفصیل یہ تھی

صدر شقدار، صدر منصف، صدر قانون گو اور ان کے ماتحت بقدر ضرورت عملہ اور فوج اور زمین کی

پیمائش سالانہ مقرر کی۔ سوتی جریب (۵۵) گزی گز (۳۲) انچ کی ایجاد کی۔ پیمائش کرنے والوں کا مستقل عملہ ملازم تھا۔ ہر جدید پیمائش کی رو سے افراد جمع بندی تیار ہوتیں اور ان کی رو سے قرار تحقیق دیوان (سلطنت) وصول ہوتا۔ پیداوار زمین کا نصف حصہ کاشتکاروں کا حق ہوتا اور نصف میں سے زمین مقدم (زمیندار) کو ملتا اور باقی حق دیوان وصول ہوتا۔ مقدم کا استحقاق اس لئے رکھا گیا تھا کہ وہ گاؤں کا نگران ہوتا۔ کاشتکاروں کی ضروریات کا مہیا کرتا ان کے باہمی تنازعات کا تصفیہ کرتا۔ وصولی میں شاہی ملازموں کو مدد دیتا ہر قابل اہتمام امور کی حاکم پرگنہ کو اطلاع دیتا یہ سب کام اپنی ذات سے متعلق رکھتے تھے۔

خزانہ کا تعین اجناس کی نوعیت پر رکھا گیا تھا جس کی وصولی کے وقت خاص طور پر نگرانی اس لئے کی جاتی تھی کہ مقدم (چودھری) عامل وغیرہ کاشتکاروں سے مقدار معینہ سے زیادہ وصول نہ کر سکیں اور نہ حقوق شاہی میں تصرف کرنے کا ان کو موقع مل سکے۔ قانونگو اور صدر قانونگو ایک بڑی ذمہ داری کا عہدہ تھا۔ سرحدی تنازعات کا تصفیہ، افراد جمع بندی کی پڑتال، نقصان میں کمی بیشی کا اختیار، سال کے ختم پر جمع خرچ پرگنہ کا مرتب کر کے ضلع میں روانہ کرتا اور ہر طلب و یاس کی تحریری اطلاع دیوان شاہی میں بھیجنا خاص ان کے فرائض تھے۔ قانون گو اور چودھری کے دو جدید عہدے نام شیر شاہ نے مقرر کئے جن پر استحقاق موروثی قرار دیا گیا اور جو لوگ ان عہدوں پر مقرر کئے گئے ان میں زیادہ تعداد ہندوؤں کی تھی۔ دیگر ملکی عہدوں پر بھی ہندو سرفراز تھے۔ مال کے مقدمات میں قانون گو کو ایسے وسیع اختیار تھے جو اس زمانہ میں کلکٹر کو بھی حاصل نہیں۔

## تبادلہ حکام

شیر شاہ اپنے اس اصول پر بھی سختی سے پابند رہا کہ ہر سال یا زیادہ سے زیادہ دوسرے سال کے بعد عاملان پرگنات و اضلاع کو تبدیل کر دیتا۔ اس کا یہ قول تھا کہ ان کا اختلاط باتحت اہلکاروں اور رعیت سے اس قدر گہرا اور مستحکم ہو جاتا ہے کہ وہ سرکاری آمدنی کے تصرف کرنے اور خود مختاری کا اثر قائم کرنے میں دلیر ہو جاتے ہیں اس لئے جلد جلد تبدیل کرنے میں مصلحت دیکھتا ہوں۔

## رفاہ عام

رفاہیت عمومی کی تنظیم اور اس کے اجراء میں شیر شاہ نے بہت زیادہ حصہ لیا اور سڑکوں اور سڑکوں کے کنارے ہر دو کوس کے فاصلے سے بکثرت سرائیں بنوائیں اور قریب قریب چاہ کندہ

## عہد شیر شاہی میں جاگیروں کی صورت

اوپر معلوم ہو چکا ہے کہ سلطان علاؤ الدین خلجی کے عہد میں جو فوج کی تنخواہیں بصورت جاگیر دینے کا قاعدہ منسوخ کر کے نقد تنخواہوں کا قانون جاری کیا گیا تھا اس کو فیروز تغلق نے باقی نہ رکھا بلکہ قدیم دستور کے موافق جاگیروں کی صورت سے تنخواہ فوج کا قانون جاری کر دیا۔ شیر شاہ سوری کے عہد میں بھی یہی دستور جاری رہا جس کی تصریح بحوالہ تاریخ شیر شاہی ص ۲۰۰ اوپر نقل ہو چکی ہے۔

اس قسم کی جاگیروں کا قانون کیا تھا اس کے متعلق خود سلطان شیر شاہ کا یہ مختصر بیان کافی ہے جو اس نے اس وقت لکھا تھا جب وہ تخت ہندوستان کا بادشاہ ہونے سے پہلے شیر شاہ کے بجائے صرف شیر خان تھا اور ایک جاگیردار کی حیثیت میں تھا۔ اس کی جاگیر کو بھائیوں میں تقسیم کرنے کے لئے خان اعظم نے اس کو کہا تو شیر خان نے اس کا یہ جواب دیا۔

> "خان اعظم کو سوچنا چاہئے کہ یہ ملک ہندوستان ہے۔ ملک روہ (افغانستان) نہیں ہے کہ ریاست اور حکومت وارثوں میں تقسیم ہو۔ ہندوستان کا دستور یہ ہے جسے سکندر لودھی نے بطور قانون جاری کیا تھا کہ امراء جب وفات پا جائیں تو ان کا خزانہ اور تمام اثاث البیت وارثوں میں بطور میراث تقسیم ہو۔ جاگیر اور سپاہ صرف بڑے بیٹے کا حق ہے" (تاریخ شیر شاہی ص ۲۰۱)

سکندر لودھی کا بنایا ہوا قانون جاگیر جو شیر شاہ کے عہد تک نافذ تھا اس سے معلوم ہوا کہ فوجی افسروں اور ہفت ہزاری و پنج ہزاری منصب داروں کو جو جاگیریں ان کی خدمات کے صلہ اور ان کی ماتحت فوج کے مصارف کے لئے دی جاتی تھیں یہ جاگیریں ان کی املاک نہیں تھیں اس لئے وراثت میں تقسیم نہ ہوتی تھیں بلکہ ایک افسر کے فوت ہو جانے کے بعد اگر اس کی اولاد میں اس منصب کا اہل کوئی لڑکا ہوتا تو حسب قانون سلطانی اسے اس کو منصب دار بنا کر جاگیر اور سپاہ اس کے سپرد کی جاتی تھیں۔

### عطاء جاگیر و جاگیرداری بصورت ملکیت

اس کے ساتھ ہی شیر شاہ کے دوسرے فرامین سے یہ بھی ثابت ہے کہ علاوہ جاگیر کی جو بصورت فوجی افسران کے لئے جاری تھی علماء و مشائخ اور قضاۃ و ارباب تقوی وغیرہم کے لئے جو

زیادہ نہ طلبند فقط۔

اس کے بعد ناموں اور رقبہ کی تفصیل درج ہے۔ (اسناد شیر شاہی ص ۱۰۰)

اسی طرح شیخ بایزید اس زمانہ کے کوئی بزرگ تھے ان کو ۲۰۰ بیگھہ اراضی معافی دینا ص ۱۱ میں مذکور ہے۔

## تنبیہ

فرمان مذکور سے ظاہر یہ ہے کہ یہ اراضی ان حضرات کو بطور تملیک دی جاتی تھی اور ان کی وراثت میں تقسیم ہوتی تھی، جیسا کہ خاندان قضاۃ سرونج میں نسلاً بعد نسل ان کو منتقل ہوتے۔ نیز فرامین عالمگیری کے ماتحت جن لوگوں کو یہ اراضی دی گئی ان کی نسل میں منتقل ہونا مشہور و معروف ہے البتہ ایک احتمال یہ بھی ہے کہ رقبہ اراضی ان لوگوں کی ملک میں نہ کیا جاتا ہو، پیداوار سے انتفاع نسلاً بعد نسل کا اختیار دیا جاتا ہو۔ سو اگر پہلی صورت یعنی تملیک ہے تب تو عطاء جاگیر کی صورت مندرجہ القول الماضی کی قسم اول ہوئی اور دوسری صورت ہے تو قسم دوم۔ حضرت شاہ عبدالعزیز قدس سرہ کے فتاویٰ سے اسی قسم دوم کی ترجیح معلوم ہوتی ہے جن کا بیان آگے مفصل آتا ہے۔ الغرض ان مختلف فرامین اور قواعد جاگیر سے اتنی بات ثابت ہے کہ عطاء جاگیر کے سلسلہ میں شاہان ہند کا طریق عمل مختلف احوال و اشخاص کے لئے مختلف اختیارات کے ماتحت رہا ہے جو اراضی بیت المال میں سلطان مسلم کو حاصل ہیں۔

اراضی کے انتظام تحصیل کے طریقے، عطاء جاگیر و معافی اراضی اور دیگر امور بابت ملکیہ کے متعلق قوانین جو شیر شاہ نے بڑی قابلیت سے تجویز اور نافذ کئے تھے اوپر معلوم ہو چکا ہے کہ یہی قوانین اور امور سلطنت مغلیہ میں اکبر کے میر منشی ابوالفضل نے اپنی قابلیت کے ساتھ بہ سنوار کر بنام آئین اکبری مرتب کئے ہیں۔ اس کے لئے ایک غیر متعلق یورپین مورخ ارسکن کا بیان کافی ہے اپنی تاریخ ہسٹری آف انڈیا میں جو ۱۸۵۴ء کی تصنیف ہے لکھتا ہے۔

> "کوئی شبہ نہیں کہ شیر شاہ نہایت اعلیٰ درجہ نیک طبیعت، ذکی، فہیم، مدبر اور قابل ترین انسان تھا جس طرح کہ وہ جنگی مہمات میں مشہور تھا اسی طرح ملکی انتظام میں بھی قابل تھا۔ باوجودیکہ اس کو میدان جنگ سے مہلت نہیں ملی تاہم انتظامی سلسلہ میں اس نے سلطنت کے ہر شعبہ کو مکمل طور سے ترمیم کر کے درست کر دیا تھا، اس کی وفات کے بعد وہی قانون و قواعد اس کے خاندان میں جاری رہے یہاں تک کہ

دکھانے کے واسطے اس کے خلاصے اصول وہ آئین و ضوابط بن گئے جو بعد میں آئین اکبری کے نام سے مشہور ہوئے۔ (از سوانح ص ۱۸۸)

اس سے معلوم ہوا کہ سلطنت مغلیہ جو ہندوستان کی آخری اسلامی سلطنت تھی اس کے عہد میں بھی آخر تک آئین و قوانین وہی نافذ رہے جو شیر شاہ کے عہد میں تھے۔

چنانچہ عطایا جاگیر و اراضی معافی بصورت تملیک رقبہ یا تملیک منافع نسلاً بعد نسلٍ عطا ہوئی اور بعض کو بمعاوضہ خدمت اس طرح پر کہ زمین کا جو سرکاری خراج وصول ہوتا اس کا کوئی جز یا کل اس کو دیا گیا۔ رقبہ زمین یا منافع زمین سے ان کا کوئی تعلق نہیں رہا۔

تزک جہانگیری میں پہلی قسم کے عطیہ جاگیر کو آل تمغا کے نام سے تعبیر کیا ہے۔

مخدوم سرائے جو زندگانی دیوبند میں ایک مزار سید محمد ابراہیم تالی ایک بزرگ کا ہے اس کے گرد خانقاہ کے آثار آج تک موجود ہیں۔ سلطان جہانگیر کے عہد سے ان کے نام پر ایک جاگیر وقف تھی سلطان اورنگ زیب عالمگیر کے دو فرمان اسی جاگیر کے متعلق آج تک موصوف کے خاندان میں موجود ہیں۔ پہلا ۲۷ شوال ۱۰۹۳ھ کا اور دوسرا ۱۱ شعبان ۱۰۹۶ھ کا۔ اسی طرح سلطان اورنگ زیب عالمگیر کے عہد کے فرامین مشائخ و اتقیاء و علماء وغیرہم کے نام اراضی معافی کے آج تک ان کے خاندانوں میں موجود ہیں۔ جن سے ان کی اولاد میں نسلاً بعد نسلٍ منتقل ہوتی چلی آتی ہیں۔

## خلاصہ احکام جاگیر و معافیات اراضی ہند

مذکور الصدر واقعات و حالات سے معلوم ہوا کہ ہندوستان کے بادشاہوں کے عہد میں اول سے آخر تک عطاء جاگیر وغیرہ کا جو دستور جاری رہا اس کی مختلف صورتیں تھیں اکثر جاگیریں جو فوجی افسروں اور فوج کو دی جاتی تھیں ان کی نوعیت یہی تھی کہ رقبۂ زمین اور پیداوار زمین سے جاگیردار کو کوئی تعلق نہ تھا بلکہ اس کا سرکاری خراج جو بیت المال کا حق تھا اس کا کوئی جز یا کل ان کو دے دیا جاتا تھا اس صورت میں ظاہر ہے کہ یہ جاگیردار ان اراضی کے مالک نہیں تھے بلکہ اراضی انہیں زمینداروں کی ملک میں رہتی تھیں جن کے قبضہ و تصرف میں پہلے سے تھیں اور بہت سی جاگیریں اور اراضی معافی ایسی بھی تھیں جن میں جاگیردار کو رقبۂ زمین کا مالک بنا دیا گیا تھا اور وہ زمینیں ان کے وارثوں میں تقسیم ہوتی تھیں۔

ارشاد فرمایا:"

"اراضی ہندوستان اراضی عراق کی طرح وقف برملک عامہ مسلمین ہے تقسیم اصح ہے۔" یہ بھی غور طلب ہے کیونکہ اس کا مقتضی تو یہ ہے کہ اراضی ہند کا حکم ملکیت کے بارہ میں حضرت شیخ جلال کے نزدیک وہی ہے جو اراضی عراق کا حکم ہے اور یہ معلوم و معروف ہے کہ اراضی عراق کے متعلق تحقیق مذہب حنفی یہی ہے کہ وہ سب ملک زمینداران ہیں جیسا کہ رسالہ القول الماضی میں اس کے شواہد نقل کئے گئے ہیں اور ہدایہ کی عبارت اس کے متعلق خود رسالہ حضرت شیخ جلال میں اس طرح مذکور ہے۔

وإن شاء أقر أهله عليه ووضع عليهم الجزية وعلى أراضيهم الخراج كذلك فعل عمر رضي الله عنه بسواد العراق بموافقة من الصحابة ولم يحمد من خالفه۔

ترجمہ: "اور امام کو اختیار ہے اگر چاہے تو مالکان اراضی کو ان پر برقرار رکھے اور ان پر جزیہ اور ان کی اراضی پر خراج مقرر کرے۔ حضرت عمر نے سواد عراق کے ساتھ موافقت صحابہ یہی عمل فرمایا اور جس کسی نے اس میں اختلاف کیا اس کا اختلاف پسندیدہ نہیں سمجھا گیا۔"

البتہ حضرت امام مالک کے نزدیک اراضی عراق وقف ہیں ملک نہیں۔ اور حنفیہ کی طرف جو بعض حضرات نے ان زمینوں کا وقف ہونا منسوب کیا ہے جیسے ابن حزم نے محلی میں لکھا ہے اس میں ساتھ ہی اس کا اطمینان بھی کر دیا گیا ہے جو ملک کے منافی نہیں۔ اور بعض لوگ وقف اس بنا پر کہ ان اراضی کا خراج عامہ مسلمین کے لئے ہمیشہ ہمیشہ مثل اوقاف کے مقرر و دائم رہے گا جیسا کہ باب اول القول الماضی میں اس کی تفصیل و توضیح کی جا چکی ہے۔

الغرض اراضی ہند کو اگر اراضی عراق کے مثل قرار دیا جائے تو اس کا مطلب حنفیہ کے مذہب پر یہی ہوتا ہے کہ یہ اراضی حسب سابق مالکان اراضی کی ملک رہیں ان کو وقف کہنا مذہب حنفیہ کے بالکل خلاف ہے۔ اس صورت میں تو اراضی ہند کے بارے میں پھر کوئی اختلاف ہی نہیں رہتا۔ اس لئے ضرورت ہے کہ حضرت شیخ جلال قدس سرہ کے رسالہ پر غور کیا جائے کہ اس کا اصل کلام کیا ہے۔

## حضرت شیخ جلال تھانیسری کی تحقیق دربارہ اراضی ہند

جیسا اوپر مذکور ہوا کہ حضرت شیخ جلال قدس سرہ کی تصنیف کا محرک ایک حادثہ ہے جو ان کے

اپنی زمینوں پر بحال رکھے گئے۔ تو ظاہر ہے یہ صورت وہ نہیں جس کو فقہا کی اصطلاح میں اقرار علیہا منہا کیا جاتا ہے یعنی من جانب سلطان، اعلان اراضی کی ملکیت پر قرار رکھنے کا حکم، بلکہ ایک قسم کے سکوت و اہمال کی صورت ہے جس سے ملک ان لوگوں کی زمینوں پر ثابت نہیں ہوتی۔ حضرت شیخؒ کے الفاظ اس کے متعلق یہ ہیں۔

ولو سلم في بعض المواضع على وجه الاحتمال كون بعض هؤلاء الكفار من اولاد الكفرة التي كانت قبل عهد الاسلام في ذلك الموضع مع انه غير معلوم لنا لما اعلم ولا يسمع ولا يرى صورة الاقرار لتلك الكفرة اذ كفرة البلاد الهند لتماديهم في الكفر وتعنتهم في الشريعة قلما يميلون الى الانقياد وقبول الجزية بل يقاتلون مكابرة مع اهل الاسلام فيقتل بعضهم ويوسر البعض وينهزم الباقون فتبقى الاراضي مهملة متروكة غير مقسومة على الغانمين ولا مقررة على الكفار ثم يجيء بعد مدة مديدة من بقي منهم فيسكن بعض منهم في مسكنه والبعض في قرية اخرى ومعلوم ان هذه الصورة ليست بصورة التقرير فلا يدخل الاراضي في ملك الكفار عند ابي حنيفة واصحابه ايضا۔

"اور اگر بعض مواقع میں بطور احتمال یہ بھی تسلیم کر لیا جائے کہ قابضین اراضی میں سے بعض انہیں کفار کی اولاد ہیں جو عہد اسلام سے پہلے ان زمینوں کے مالک تھے حالانکہ ایسا ہونا ہمیں معلوم نہیں اور یہ بات دیکھی گئی نہ سنی گئی کہ ان کفار کو جناب سلطان ان کی زمینوں پر قائم و برقرار رکھا گیا ہو کیونکہ (یہ صورت قبول اطاعت و جزیہ پر موقوف ہے اور) کفار بلاد ہند کے اپنے کفر میں سخت ہونے اور اسلام سے مخالف ہونے کا سبب اطاعت اور قبول جزیہ کی طرف بہت کم مائل ہوتے ہیں بلکہ وہ اہل اسلام کے ساتھ جنگ و جدال جاری رکھتے ہیں تو ان میں سے کچھ قتل ہو جاتے ہیں، کچھ قید کر لئے جاتے ہیں کچھ بھاگ جاتے ہیں پھر ان کی زمینیں اہمال و اغفال کی حالت میں پڑی رہ جاتی ہیں، نہ وہ غانمین میں تقسیم ہوتی ہیں اور نہ کفار کے بحال و برقرار رکھنے کا کوئی اعلان ہوتا ہے۔ پھر بعد مدت مدید کے ان میں سے باقی ماندہ

کے کسی اس کا خراج دے دیا تو وہ زمین کا مالک نہ ہوگا بلکہ صرف وہ خراج کا مستحق ہوگا۔

۸) وہ مزروعہ یا غیر مزروعہ زمین جس کا کوئی مالک معلوم و معروف ہے اگر امام نے کسی شخص کو اس زمین کی کاشت کی اجازت دے دی تو یہ زمین اس کی ملک میں داخل ہوگی۔

حضرت شیخ جلال قدس سرہ نے اراضی ہند کی اقسام مذکورہ کی تفصیل لکھ کر بطور خلاصہ کلام ارشاد فرمایا۔

ثم اعلم ان الاراضی اذا كانت على هذه الانواع المختلفة التي سبق ذكرها لا يجوز الحكم بملكيتها او بعدم ملكيتها ما لم يعلم انها من اى الانواع فاذا علم وجه اليقين على نوع معين من الانواع حكم على ذلك النوع المعين واما قبل العلم بذلك فلا يبادر الى الفتوى فان ذلك منهى عنه (ص ۲۰)

پھر سمجھئے کہ جب اراضی ہند اتنی مختلف انواع و اقسام پر ہیں جن کا ذکر ہو چکا ہے تو ان کی ملکیت یا عدم ملکیت کا حکم علی الاطلاق جائز نہیں جب تک یہ نہ معلوم ہو جائے کہ یہ کس نوع میں داخل ہے اور جب کسی زمین کے متعلق کسی خاص نوع میں داخل ہونا یقینی طریقہ سے معلوم ہو جائے اس وقت بھی خاص اس نوع معین پر حکم کیا جائے (علی الاطلاق نہیں) اور اس کا علم ہونے سے پہلے فتویٰ دینے میں جلدی نہ کی جائے کیونکہ یہ منع ہے۔

معلوم ہوا کہ حضرت شیخ کا اصل منشاء اور مقصود کلام اس رسالہ میں یہ نہیں کہ ہندوستان کی زمینوں کو مطلقاً غیر مملوک ثابت کریں بلکہ ایسے حکم سے شیخ نے تو منع فرمایا ہے۔ شیخ کی غرض اصلی اس جگہ یہ ہے کہ امام نے اگر یہ اراضی مستحقین کو بطور ملک دے دیں تو وہ ان کی ملک میں داخل ہو جائیں گی۔ امام کے اس فیصلہ پر مالکان سابق کی ملکیت کی بناء پر اعتراض اور فیصلہ کو غیر نافذ قرار دینا درست نہیں ہے اور یہ فیصلہ اپنی جگہ پر بلاشبہ صحیح اور درست ہے جس کو حضرت شیخ کے زمانے میں اس وقت کے مشاہیر علماء ارباب فتویٰ شیخ الہداد جونپوری۔ شیخ طیب۔ مولانا محمد مفتی وغیرہم نے بھی قبول فرمایا۔ فرق صرف یہ رہا کہ ان علماء نے اس فیصلہ کی بنیاد اس پر رکھی کہ ان اراضی پر بتقریر امام مالکان سابق کی ملکیت تسلیم ہونے کے باوجود امام کا یہ فیصلہ اس لئے درست ہے کہ مالکان سابق کی ملکیت بتقریر امام مسئلہ مجتہد فیہا ہے۔ اور قضاء قاضی و حکم امام مسئلہ مجتہد فیہا میں ہر دو جانب نافذ ہو جاتے ہیں۔

اور حضرت شیخ جلالؒ نے اس پر مزید یہ بھی اضافہ کیا کہ مالکان سابق کی ملکیت بھی اراضی ہند میں متحقق طریق سے ثابت نہیں بلکہ اس میں بہت سے احتمالات ہیں جن کی رو سے امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک ان کی ملکیت ثابت نہیں ہوتی۔ پھر اس کی بھی تصریح فرما دی کہ ہم عدم ملکیت کا فیصلہ بھی علی الاطلاق نہیں کرتے۔

جس سے واضح ہو گیا کہ جمہور علماء ہند اور حضرت شیخ جلال قدس سرہ کے فیصلہ میں در حقیقت کوئی بنیادی اختلاف نہیں۔ کیونکہ حضرت شیخ بھی تمام اراضی ہندوستان کے متعلق نہ علی الاطلاق ملکیت کا حکم فرماتے ہیں اور نہ عدم ملکیت کا بلکہ مختلف انواع پر تقسیم کر کے بعض میں ملکیت بعض میں عدم ملکیت ان کی تحقیق ہے اور یہی فیصلہ جمہور علماء ہند کا ہے۔ تفصیلات میں البتہ کچھ اختلاف رہے گا جس کی تشریح یہ ہے کہ حضرت شیخ کے بیان ● کے موافق اقسام مذکورہ میں سے زیادہ تر دو قسمیں عام اراضی ہند میں پائی جاتی ہیں اول یہ کہ مالکان سابق ہلاک یا لاپتہ ہو گئے تو باتفاق علماء یہ زمینیں اراضی بیت المال میں داخل اور غیر مملوک قرار پائیں گی۔ دوسری یہ کہ ابتداء فتح میں مالکان اراضی اپنی اراضی چھوڑ کر منتشر ہو گئے پھر مدتوں کے بعد بعض آئے اور اپنی زمینوں پر قابض ہو گئے۔ اور تصرف کرنے لگے۔ یہ صورت حضرت شیخ کے نزدیک تقریر امام میں داخل نہیں جس سے ان کی ملکیت برقرار بھی جائے، بلکہ حضرت شیخ نے اس کو اہمال و ابہام کی صورت قرار دی ہے۔ دوسرے علماء اس کو تقریر عملی قرار دے کر ملکیت کے قائل ہیں۔ بالخصوص اگر ان لوگوں نے ان زمینوں میں مالکانہ تصرفات بیع و ہبہ وغیرہ کے کر لئے یا ان کے مرنے پر ان کی میراث میں تقسیم ہوئی اور حکومت اسلامیہ نے ان کے ان تصرفات کو جائز و برقرار رکھا۔ تو اگرچہ حضرت شیخ کے کلام میں اس کی تصریح نہیں مگر ظاہر یہ ہے کہ اس کو حضرت شیخؒ بھی تقریر امام میں داخل اور موجب ملکیت قرار دیں گے جیسا کہ علامہ شامی کی تحقیق جو عنقریب آتی ہے اس سے بوضاحت ثابت ہو گا۔

الحمد للہ کہ مذکورالصدر بیان میں حضرت شیخ جلال قدس اللہ تعالیٰ سرہ کے رسالہ اراضی کے پورے مضامین بھی مع مختصر شرح و توضیح کے اپنے علم و فہم کے موافق آ گئے جس کی ضرورت تھی کیونکہ یہ رسالہ اس قدر مغلق اور مسخ شدہ چھپا تھا کہ اس سے متصل کلام کا پتہ چلانا آسان نہ تھا۔ اس ناکارہ نے دوسری کتابوں کی طرف مراجعت کر کے حسب استطاعت اس کی تصحیح کر لی جس سے مضمون کلام معلوم ہو سکا۔ وباللہ التوفیق۔

● قال الشیخ فی ۃ قراراست من عنوان اکثر اراضی الہند علی الصورتین المذکورتین فی طول الرسالہ

## علامہ شامی کی تحقیق اراضی مصر و شام کے متعلق

علامہ ابن عابدین شامی نے ردالمحتار باب العشر والخراج میں اس مسئلہ پر نہایت تحقیق و تفصیل کے ساتھ بحث فرما کر ثابت کیا ہے کہ اس قسم کی اراضی جن میں اصحاب اراضی مدت دراز سے مالکانہ تصرفات کرتے چلے آئے ہیں۔ اگرچہ ان کی سند ملکیت و سبب ملکیت معلوم نہیں تو ان کا یہ قبضہ و تصرف ہی دلیل سمجھا جائے گا باتفاق مذاہب اربعہ کسی امام و امیر کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ بلا کسی حجت شرعیہ کے یہ اراضی ان کے قبضہ سے نکال دے یا بیت المال میں داخل کرے۔ [1] اور کسی امام و امیر کو یہ بھی حق نہیں ہے کہ ان لوگوں سے ملکیت کی سندوں اور ثبوت کا مطالبہ کرے۔ بلکہ ثبوت اس شخص کے ذمہ ہے جو ان کی عدم ملکیت کا دعویٰ کرے اور ان کی ملک سے نکالنا چاہے

علامہ شامی کے کلام سے ضروری اجزاء اس جگہ نقل کئے جاتے ہیں۔ درمختار میں بحوالہ فتح القدیر اراضی مصر و شام وغیرہ کے متعلق یہ نقل کیا گیا کہ وہ زمینداروں کی ملک نہیں اور درمختار نے اس کا سبب بطور احتمال یہ بیان کیا کہ شاید ان اراضی کے اصلی مالکان لاوارث فوت ہو گئے اس لئے ان کی زمینیں اراضی بیت المال میں داخل ہو گئیں۔ درمختار کے الفاظ یہ ہیں۔

وفي الفتح المأخوذ الآن من اراضي مصر اجرة لا خراج الا ترى انها ليست مملوكة للزراع كانه لموت المالكين شيئا فشيئا بلا وارث فصارت لبيت المال۔

علامہ شامی نے اس پر نہایت تفصیل کے ساتھ رد بلیغ فرماتے ہوئے لکھا ہے۔

لكن عدم ملك الزراع في الاراضي الشامية غير معلوم لنا الا في نحو القرى والمزارع الموقوفة او المعلوم كونها لبيت المال اما غيرها فنراهم يتوارثونها ويبيعونها جيلا بعد جيل۔

"اراضی شامیہ کا غیر مملوکہ زمینداران ہونا ہمیں معلوم نہیں بجز ان دیہات و مزارع موقوفہ یا ان اراضی کے جن کے متعلق اراضی بیت المال ہونا معلوم و معروف ہے۔ باقی تمام اراضی کو ہم دیکھتے ہیں کہ وہ ان لوگوں کی میراث میں تقسیم ہوتی ہیں اور نسلاً بعد نسل بیع و شراء کرتے چلے آتے ہیں۔"

اس کے بعد ثبوت میں علامہ شامی نے فتاویٰ خیریہ سے بحوالہ تاتارخانیہ یہ نقل فرمایا

ففي التتارخانية وكثير من كتب المذهب وارض الخراج

مملوكة وكذلك ارض العشر يجوز بيعها وايقافها وتكون ميراثا كسائر املاكه (الى قوله) فاذا ادعى واضع اليد الذي تلقاها شراءً او ارثاً اوغيرهما من اسباب الملك انها ملكه وانه يؤدي خراجها فالقول له وعلى من يخاصمه في الملك البرهان۔

"شارحانہ اور بہت سی کتب مذہب میں ہے کہ خراجی زمین اور اسی طرح جو عشری مملوک ہے اس کی بیع وشراء اور وقف بھی جائز ہے اور وہ تمام املاک کی طرح وراثت میں تقسیم ہوتی ہے۔ تو جب کوئی قابض زمین جس نے اس کو خریدا ہے یا وراثت وغیرہ اسباب ملک سے حاصل کیا ہے یہ دعویٰ کرے کہ وہ میری ملک ہے اور میں اس کا خراج ادا کرتا ہوں تو اس کا قول معتبر ہے اور بار ثبوت اس شخص کے ذمہ ہے جو اس کی ملکیت میں جھگڑا کرے۔"

اس کے بعد علامہ شامی فتاویٰ خیریہ کی تقریر کی مزید تائید کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

ولا يخفى انه كلام حسن جار على القواعد الفقهية وقد قالوا ان وضع اليد والتصرف من اقوى مايستدل به على الملك ولذا تصح الشهادة انها ملكه۔

"پوشیدہ نہیں ہے کہ یہ کلام درست و صحیح قواعد فقہیہ پر منطبق ہے کیونکہ فقہاء نے فرمایا ہے کہ قبضہ اور تصرف سب سے زیادہ قوی دلیل ملکیت کی ہے اور اسی لئے (قابض متصرف کے حق میں) گواہی دینا درست ہے کہ وہ اسکی ملک ہے۔"

اس کے بعد صاحب درمختار کے اس قول پر کہ یہ زمینیں مالکوں کے لاوارث مر جانے کے سبب اراضی بیت المال میں داخل ہوگئی رد کرتے ہوئے فرمایا۔

فاذا كانت مملوكة لاهلها فمن اين يقال انها صارت لبيت المال باحتمال ان اهلها كلهم ماتوا بلا وارث فان هذا الاحتمال لا ينفي الملك الذي كان ثابتا۔

"پس جب یہ اراضی مملوک ہوئی تو یہ کیسے کہا جا سکتا ہے کہ وہ بیت المال کی ہوگئی اس احتمال پر کہ ان کے مالک سب کے سب لاوارث مر گئے کیونکہ یہ احتمال اس ملک کو زائل نہیں کر سکتا جو پہلے سے ثابت تھی۔"

اس کے بعد علامہ شامیؒ نے بتلایا کہ اگرچہ اراضی مصر و شام کی ملکیت اور وقفیت میں ائمہ کا

اختلاف ہے لیکن جن اراضی پر لوگوں کا قبضہ و تصرف بلا نکار مدت دراز سے ثابت و متوارث ہے ان کے متعلق علماء مذاہب اربعہ سب متفق ہیں کہ وہ اراضی ان کے قبضہ سے نکالنا کسی کے لئے جائز نہیں۔ اس پر امام تقی الدین سبکیؒ کا فتویٰ بالفاظ ذیل نقل فرمایا۔

وھذا علی مذھبنا ظاھر و کذا عند من یقول انھا وقف علی المسلمین فقد قال الامام سبکیؒ ان الواقع فی ھذہ البلاد الشامیۃ والمصریۃ انھا فی ایدی المسلمین فلا تنزع من ایدیھم اما وقفا وھو الاظھر من جھۃ عمرؓ واما ملکاً وان لم یعرف من انتقل منہ الی بیت المال فان من بیدہ شیٔ لم یعرف من انتقل منہ الیہ یبقی فی یدہ ولا یکلف بینۃ ثم قال من وجدنا فی یدہ او ملکہ مکاناً منھا یحتمل انہ احیی او انتقل الیہ وصولاً صحیحاً۔

"یہ بات ہمارے (یعنی حنفیہ کے) مذہب پر ظاہر ہی ہے (کیونکہ حنفیہ کے نزدیک تو اراضی مصر و شام اہل اراضی کی ملک ہی ہیں) اور جو لوگ ان کو وقف کہتے ہیں ان کے مذہب پر بھی یہ امر مسلم ہے جیسا کہ امام سبکیؒ نے فرمایا کہ بلاد مصر و شام کی اراضی میں جو صورت واقع ہے وہ یہ کہ وہ مسلمانوں کے قبضہ میں ہیں تو اس میں شبہ نہیں کہ وہ اُنہی کی اراضی ہیں خواہ وہ بطور وقف کے (ان کے قبضہ و تصرف میں ہیں) اور یہی زیادہ ظاہر ہے کہ حضرت عمرؓ نے ان کو وقف کر دیا تھا اور یا بحیثیت ملک کے۔ اگرچہ یہ بات معروف نہ ہو کہ ان کی ملک میں کب اور کہاں سے منتقل ہوئی کیونکہ جو چیز کسی کے قبضہ میں ہے اور یہ معلوم نہیں کہ اس کے پاس کہاں سے آئی ہے تو بلا وجہ شرعی وہ اس کے قبضہ سے نہیں نکالی جا سکتی۔ اور نہ اس کو ثبوت پیش کرنے کی تکلیف دی جا سکتی ہے۔ پھر فرمایا کہ ہم جس شخص کے قبضہ یا ملک میں ان اراضی کا کوئی مکان پائیں اس میں یہ احتمال ہے کہ وہ اصل سے ارض موات ہو یہ شخص اس کو آباد کر کے مالک ہو گیا ہو یا اور کسی جائز طریقہ سے اس کی ملک میں آئی ہو۔"

اس کے بعد امام سبکیؒ کے قول مذکور پر محقق ابن حجر مکی شافعیؒ کی مزید توضیح و تائید بالفاظ ذیل منقول ہے۔

فھذا صریح فی ان نحکم لذوی الاملاک والاوقاف ببقاء ایدیھم علی ماھی علیہ ولا یضرنا کون اصل الاراضی ملکا

لبيت المال او وقفا على المسلمين لان كل ارض نظرنا اليها بخصوصها لم يتحقق فيها انها من ذلك الوقف ولا الملك لاحتمال انها كانت مواتا فاحييت وعلى فرض تحقق انها من بيت المال فان استمرار اليد عليها والتصرف فيها تصرف الملاك في املاكهم او النظار فيما تحت ايديهم الازمان المتطاولة قرائن ظاهرة او قطعية على اليد المفيدة لعدم التعرض لمن هي تحت يده وعدم انتزاعها منه۔

"امام سبکی کا یہ قول صریح ہے کہ ہم سب کا ملک اور اصحاب وقف کے لئے ان کا قبضہ بدستور باقی رہنے کا حکم کریں گے اور اس حکم میں یہ بات معترض نہیں کہ اصل سے اراضی شام وقف یا ملک بیت المال ہوں۔ کیونکہ کسی خاص زمین کے متعلق یہ بات محقق نہیں کہ یہ اسی وقف یا ملک بیت المال سے ہے۔ بوجہ اس احتمال کے کہ شاید یہ زمین ارض موات ہو۔ جس کو آباد کر کے اپنی ملک میں لایا گیا ہو۔ اور یہ بھی فرض کر لیا جائے کہ یہ خاص زمین بیت المال ہی کی زمین ہے تو پھر بھی اس پر زمانہ دراز سے قبضہ و تصرف اور اس میں مالکانہ یا متولیانہ تصرفات اس کے قرائن ظاہرہ یا قطعیہ ہیں کہ ان کا قبضہ ثابت ہے جس کا حکم یہ ہے کہ (بدون ثبوت شرعی کے) ان سے کوئی تعرض نہ کیا جائے اور جس کے قبضہ میں ہے اس سے نہ نکالا جائے۔"

شیخ محقق ابن حجر مکی کے زمانہ میں بعض سلاطین مصر نے ارادہ کیا تھا کہ ایسی زمینیں جن کی ملکیت کی کوئی سند قابضین اراضی کے پاس نہیں ہے ان کو ان کے قبضہ سے نکال کر اراضی بیت المال میں شامل کر لیں۔

یہ تقریباً وہی صورت تھی جس کو حضرت شیخ جلال تھانیسری نے بہم وادہ ای کی صورت سے تعبیر فرمایا ہے۔ محقق ابن حجر نے اس کی مخالفت کی اور یہ قبضہ متوارثہ دلیل ملک ہے ان کے قبضہ سے نکالنا جائز نہیں۔ ان کے الفاظ یہ ہیں۔

اذا تقرر ذلك بان لك واتضح اتضاحاً لا يبقى معه ريبة ان الاراضى التى فى ايدى الناس بمصر والشام والمجهول انتقالها اليهم تقرفى ايدى اربابها ولا يتعرض لهم فيها بشئ اصلا لان الائمة اذا قالوا فى الكنائس المبنية لكفر انها تبقى

شیخ الاسلام امام نووی برابر سلطان ظاہر بیبرس کو اس بارہ میں وعظ و نصیحت کرتے رہے یہاں تک کہ سلطان نے یہ فرمان واپس لے لیا۔

محقق ابن حجر نے ملک ظاہر بیبرس اور شیخ الاسلام نووی کا یہ قصہ نقل کرنے کے بعد اس مسئلہ کے اجماعی اور مذاہب اربعہ میں متفق علیہ ہونے کو بالفاظ ذیل بیان فرمایا۔

فهذا الخبر الذي اتفقت علماء المذاهب على قبول نقله والاعتراف بتحقيقه وفيه نقل اجماع العلماء على عدم المطالبة بمستند عملاً باليد الظاهر فيه انها وضعت بحق

"پھر اس کے قبول کرنے اور اس کی تحقیق کا اعتراف کرنے پر تمام مذاہب کے علماء متفق ہیں۔ یہ اجماع علماء کی نص ہے اس بات پر کہ ان لوگوں سے ملکیت کا ثبوت طلب نہیں کیا جا سکتا۔ بلکہ قبضہ کی بنا پر متوارث کو جائز قبضہ قرار دیا جائے گا۔"

ان تمام وقائع اور تحقیقات امام سبکی و ابن حجر مکی شافعی و شیخ الاسلام نووی شافعی کو نقل کرنے کے بعد علامہ ابن عابدین شامی فرماتے ہیں۔

قلت فاذا كان مذهب هؤلاء الاعلام ان الاراضي المصرية والشامية اصلها وقف على المسلمين او لبيت المال ومع ذلك لم يجيزوا مطالبة احد يدعي شيئا انه ملكه بمستند يشهد له بناء على احتمال انتقاله اليه بوجه صحيح فكيف يصح على مذهبنا انها مملوكة لاهلها اقروا عليها بالخراج كما قدمناه۔

"میں کہتا ہوں کہ جب ان (شافعی مذہب) بزرگوں کا مذہب اصل سے یہ ہے کہ مصر و شام کی اراضی اصل میں مسلمانوں پر وقف یا ملک بیت المال ہیں اور اس کے باوجود یہ حضرات قابضین اراضی سے ملکیت کا ثبوت مانگنا بھی جائز نہیں رکھتے بلکہ ان کا قبضہ بحال رکھنے کا حکم اس احتمال پر کرتے ہیں کہ ان کی طرف کسی جائز طریقہ سے منتقل ہوئی ہوگی۔ تو ہمارے مذہب پر جس میں اصل یہ ہے کہ اراضی مصر و شام ان کے قدیم باشندوں کی ملک ہیں کیسے انکار کیا جا سکتا ہے۔"

آخر میں علامہ شامی نے تمام اقوال فقہاء اور اپنی تحقیق کا خلاصہ اراضی مصر و شام کے متعلق

الفاظ ذیل میں تحریر فرمایا۔

والحاصل فی الاراضی الشامیة والمصریة ونحوھا ان ماعلم منها کونه لبیت المال بوجه شرعی فحکمه ماذکره الشارح عن الفتح ومالم یعلم فهو ملك لاربابه (الی) فاغتنم هذا التحریر فانه صریح الحق الذی یعض علیه بالنواجذ وانما اطنبت فی ذلك لانی لم ارمن تعرض لذلك هنابل تبعوا المحقق الکمال فی ذلك والحق احق ان یتبع ولعل مراد المحقق ومن تبعه الاراضی التی علم کونها لبیت المال۔ واللّٰہ اعلم۔

"خلاصہ تحقیق اراضی شام ومصر وغیرہ کے متعلق یہ ہے کہ جس زمین کے بارے میں کسی وجہ شرعی سے ملک بیت المال ہونا ثابت ہو جائے تو اس کا حکم وہی ہے جو شارح (صاحب درمختار نے) فتح القدیر سے نقل کیا ہے (یعنی یہ زمین زمینداروں کی ملک نہیں) اور جس زمین کے متعلق کوئی ایسا ثبوت بہم نہ پہنچے تو وہ اصحاب اراضی کی ملک ہے۔ (اس کے بعد فرماتے ہیں کہ) اس تحریر کو غنیمت سمجھو کہ یہی صریح حق ہے جس کو دانتوں سے مضبوط پکڑنا چاہئے۔ میں نے اس بیان میں اس لئے تطویل کی کہ کسی نے اس بحث کو فیصل نہ کیا تھا بلکہ عام لوگ صاحب فتح القدیر کے لکھے ہوئے مضمون کے ظاہر کا اتباع کرنے لگے حالانکہ حق زیادہ اس کا مستحق ہے کہ اس کا اتباع کیا جائے اور شاید محقق صاحب فتح کی مراد بھی (ہمارے بیان سے مختلف نہ ہو بلکہ یہ ہو کہ وہ زمینیں مملوک زمینداران نہیں جن کے متعلق ملک بیت المال ہونے کا ثبوت موجود ہو۔ واللہ اعلم یہ پوری تحقیق اور اس کے متعلقہ عبارات، ردالمحتار (شامی) کے باب العشر والخراج ص ۲۵۶ الغایت ص ۲۵۹ جلد سوم سے ماخوذ ہے۔

## خلاصہ اقسام واحکام اراضی ہند

اتنی بات پر تمام علماء متفق ہیں کہ ہندوستان کی اراضی اپنے اقسام واحکام میں مثل اراضی شام، عراق، مصر کے ہیں کہ غانمین میں تقسیم نہیں کی گئی۔ پھر ان میں حسب اختیارات امام مختلف صورتیں جاری ہوئیں۔ بعض اراضی بیت المال میں داخل ہوئیں بعض پر سابق مالکان اراضی کی ملکیت برقرار رکھی گئی اور ان پر خراج مقرر کر دیا گیا پھر جو بیت المال میں داخل ہوئیں ان میں

سے بھی بعض مستحقین کو بطور ملک دے دی گئیں بعض اقسام میں بعض مشائخ و علما کا اختلاف ہے۔

رسالہ ہذا میں جو تاریخی روایات و نقول پیش کی گئی ہیں ان کے پیش نظر اراضی ہند متعدد ذیل اقسام پر ہیں۔ ہر ایک قسم کا حکم بھی اس کے ساتھ ذکر کیا جاتا ہے۔

(۱) وہ اراضی جن کے مالک اول فتح کے وقت مسلمان ہو گئے یا بلا مقابلہ صلح کے ساتھ ملک مسلمانوں کے حوالہ کر دیا اور صلح نامہ میں اراضی پر ان کی ملکیت بدستور رہنا طے ہوا تو یہ اراضی باجماع و اتفاق علما، مالکان سابق کی ملکیت میں رہیں گی۔ جیسا کہ سندھ و ہند کے بہت سے بلاد میں ایسی صورتوں کا وقوع مستند کتب تاریخ کے حوالوں سے اس رسالہ میں نقل کیا گیا ہے۔

(۲) وہ زمینیں جن پر فتح کے بعد ان کے مالکان سابق کی ملکیت برقرار رکھنے کی تصریحات شاہی فرامین یا مستند کتب تاریخ میں موجود ہیں اور قابضان حال کا قبضہ جائز ہونے کا کوئی ثبوت نہیں جیسے سندھ میں محمد بن قاسم کے فرامین اور بہت سے بلاد ہند میں سلطان محمود غزنوی اور شہاب الدین غوری، علاؤ الدین خلجی وغیرہم فاتحان ہند کی تصریحات بحوالہ تاریخ کامل ابن اثیر وغیرہ شروع رسالہ میں نقل کی گئی ہیں۔

یہ اراضی باتفاق و باجماع علما، زمینداران مالکان سابق کی ملکیت ہیں۔ حضرت شیخ جلال تھانیسری کو بھی اس میں اختلاف نہیں۔

(۳) وہ اراضی جن کا اصل سے کوئی مالک معروف نہیں تھا۔ یا مالک تھے پھر وہ لاوارث مر گئے ان میں سے جو زمینیں سلطان نے لوگوں کو بطور ملک دے دیں وہ باجماع و اتفاق ان اشخاص کی ملک ہو گئی۔ اسی طرح وہ زمینیں جو پہلے کفار مالکان اراضی کے قبضہ میں تھیں پھر کسی وجہ سے شرعی حکومت (اسلامیہ) نے ان کو ضبط کر کے مسلمان مستحقین کو دے دیں وہ بھی ان کے ملک میں داخل ہو گئیں۔ (ملاحظہ تحقیق الجلال فی رسالہ)

(۴) وہ غیر آباد بیکار زمینیں جن کو ارض موات کہا جاتا ہے ان کو اگر کسی مسلم یا غیر مسلم نے بہ اجازت سلطان آباد اور قابل انتفاع بنا لیا ہو گا بہ اجماع و اتفاق اس کی ملک ہو گئیں۔

(۵) وہ اراضی جن پر فتح اسلامی کے بعد کفار مالکان سابق کا قبضہ و تصرف رہے مگر کوئی سرکاری اعلان و فرمان ان کی ملکیت برقرار رکھنے کا ہمیں معلوم نہیں، ان میں حضرت شیخ جلال تھانیسری قدس سرہ ان کی ملکیت تسلیم نہیں فرماتے۔ اور جمہور علما، ان کے متواتر قبضہ اور

احکام اسلام کے خلاف تھی تو عملی تقریر قرار دے کر انہیں مالکان سابق کی ملکیت قرار دیتے ہیں اور حضرت شیخ کا اختلاف بھی بظاہر اسی وقت تک ہے جب تک ان کی ملکیت ابہام و اجمال کے درجہ میں رہے اور جب یہ زمینیں ان کے وارثوں میں تقسیم ہو جائیں یا پہلے سے ان میں مالکانہ تصرفات بیع وغیرہ کے کر لیں اور حکومت اسلامیہ ان پر مطلع ہونے کے باوجود ان کے تصرفات اور تقسیم وراثت کو برقرار رکھے تو ظاہر ہے کہ یہ صورت حضرت شیخ کے نزدیک بھی ابہام میں داخل نہیں رہے گی بلکہ باتفاق ملکیت کا حکم کیا جائے گا۔

۶) وہ اراضی جو کسی مشترکہ اور عام ضروریات کے لئے وقف ہیں جیسا کہ قبرستان، چراگاہ، گھوڑ دوڑ کا میدان وغیرہ۔ یہ زمینیں کسی کی ملک خاص نہیں ہو سکتیں نہ امام وقت کسی کو بطور عطیہ یا جاگیر دینے کا حق حاصل ہے۔

۷) وہ زمینیں جن میں ضروریات عامہ کی چیزیں نمک یا مٹی کا تیل پٹرول وغیرہ پیدا ہوتی ہیں ان کا بھی یہی حکم ہے کہ وہ کسی کی ملک شخصی نہیں اور نہ سلطان کو یہ حق حاصل ہے کہ ان کو اپنی ملک میں داخل کرے یا کسی دوسرے شخص کو مالک بنا دے بلکہ وہ منفعت عامہ کے لئے وقف عام رہیں گی۔

۸) وہ زمینیں جن کا پہلے سے کوئی مالک معروف نہیں تھا یا بعد میں مالک لا وارث مر گیا اور سلطان نے وہ کسی مستحق کو بطور ملک دی بھی نہیں تو یہ اراضی بھی کسی شخص کی ملک نہیں بیت المال (سرکاری خزانہ) کا حق ہیں ان کی آمدنی بیت المال میں جمع ہوگی اسی طرح غیر آباد غیر مملوک زمینات اور یہ ذاتی زمینیں بھی بیت المال کے ماتحت رہیں گی ان سے انتفاع کا ہر شخص کو حق ہوگا۔

۹) وہ اراضی جو سابق راجاؤں کی ذاتی املاک تھیں اور اسلام نے ان کو بزور شمشیر فتح کیا تو راجاؤں کی ذاتی املاک و مقبوضات بھی بیت المال کا حق ہیں کسی کی شخصی ملک نہیں مگر یہ کہ سلطان ان میں سے کسی کو کوئی زمین بطور ملک دے دے۔

۱۰) وہ اراضی جن پر گذشتہ مالکان سابق قابض و متصرف تھے پھر ان سے قوت و غلبہ کے ساتھ ملک فتح کیا گیا اور اول فتح کے وقت مالکان سابق کو ان کی اراضی سے نکال کر امام نے بیت المال کے لئے قبضہ کر لیا تو وہ بھی کسی کی ملک نہیں رہتیں۔ بجز اس کے کہ سلطان حسب صوابدید ان میں سے کوئی زمین کسی مستحق کو بطور ملک دے دے مگر یہ صورت صرف

اور فتح میں اس وقت تک ہو سکتی ہے جب تک سلطان کی طرف سے مالکان سابق کو ملکیت پر برقرار رکھنے کا اعلان و قرار نہ ہو۔ بعد میں سلطان کو بھی یہ اختیار نہیں رہتا کہ جن کی ملکیت پر برقرار رکھنے کا وعدہ کر دیا گیا ہے ان کو ان کی اراضی سے بے دخل کرے۔

مذکورالصدر اقسام ارض میں سے ملک کی عام زمینیں تو ابتدائی پانچ قسموں میں آ چکیں اور ان کا یہ حکم معلوم ہو چکا کہ مملوک زمینداران ہیں۔ آخری پانچ قسمیں حکومت اسلامیہ (بیت المال) کی ملک ہیں ان میں سے بھی آخری تین قسموں میں سے جو زمین کسی مستحق کو باذن سلطانی دے دی جائے وہ اس کی ملک شخصی ہو جائے گی۔

ف: اور جس زمین کا محض خراج کسی جاگیردار کو دیا گیا ہے وہ زمین اس کی ملک میں داخل نہ ہوگی بلکہ اگر وہ کسی شخص کی مملوک ہے تو اس کی ملک خصوصی میں اور اگر بیت المال کی زمین ہے تو بیت المال کے لئے بدستور باقی رہے گی صرف خراج جاگیردار کا حق ہوگا۔ اس میں بھی امام کو رد و بدل کا اختیار رہے گا۔

## تعیین قسم زمین

مذکورہ بالا تفصیل سے اراضی ہند کی تمام وہاں کے احکام معلوم ہو چکے۔ اب یہ بات باقی رہ جاتی ہے کہ ہر علاقہ میں کون سی زمین کس قسم میں داخل ہے۔ اس کے متعلق علامہ شامی کا فیصلہ اراضی شام کے متعلق جو درحقیقت تمام مذاہب اربعہ کے علماء کا فیصلہ ہے، بھی مذکور ہوا ہے جلی اور صاف ہے۔ یعنی

"جس زمین کے متعلق کسی حجت و دلیل سے یہ بات ثابت ہے کہ وہ بیت المال کے لئے رہے گی اس پر کوئی ناجائز قبضہ کرے گا تو ہٹایا جائے گا اور جس زمین کے متعلق کوئی ثبوت ملک بیت المال ہونے کا نہیں ہے اور لوگ ان پر قابض و متصرف مدعی ملکیت ہیں اور ان کے مالکانہ تصرفات بیع و شراء میں تقسیم متوارث چلی آتی ہے تو یہ لوگ ان اراضی کے مالک قرار پائیں گے۔" (شامی ص ۲ ج ۳) والله سبحانه و تعالى اعلم و علمه اتم هذا ما عندي بحمد الله تعالى يوم السبت لمنتصف جمادی الاولی سنہ ۱۳۵۰ھ۔

❁❁

بسم اللہ الرحمن الرحیم

## باب سوم

# انگریزی عہد میں اراضی ہند کی ملکیت وغیرہ سے متعلقہ احکام

رسالہ ہذا کے دوسرے باب میں معلوم ہو چکا ہے کہ ہندوستان میں اکثر سلاطین اسلام نے اراضی کا خراج (سرکاری مالگذاری) وصول کرنے اور فوج کا نظم ہر علاقہ میں قائم رکھنے کا یہ طریقہ اختیار کر رکھا تھا کہ ایک ایک دو دو یا زیادہ تحصیلوں کا کسی شخص کو جاگیردار بنا دیا جس کی جاگیرداری کا مفہوم یہ تھا کہ وہ اراضی کا خراج وصول کر کے اس کا کوئی جزو تہائی چوتھائی حصہ خود لے لے اس سے اپنے ماتحت متعلقہ فوج کے مصارف پورے کرے باقی بیت المال (سرکاری خزانہ) میں جمع کر دے۔

اس قسم کے جاگیردار ظاہر ہے کہ زمینوں کے مالک نہ تھے بلکہ مالک وہی زمیندار تھے جو پہلے سے مالک چلے آتے تھے اور فتح اسلامی کے بعد بھی اپنی ملکیت پر برقرار رہے۔ جاگیرداری حیثیت ایک ٹھیکیدار سے زائد نہ تھی کہ وصولی مالگذاری و متعلقہ فوج کا انتظام اس کا فرض اور مالگذاری کا کوئی جزو معین اس کا حق خدمت ہوتا تھا۔ اس طرح سلطنت کے ماتحت وصولی مالگذاری کے ذمہ دار جاگیردار تھے اور مالکان اراضی زمیندار اور زمیندار چونکہ اس وقت عموماً خود ہی کاشت کرتے کراتے تھے تو وہی کاشتکار بھی کہلا سکتے ہیں زمیندار و کاشتکار میں یہ تقسیم و تفریق جو آج کے قانون اور عمل میں مشاہد ہے اس وقت نہ تھی۔

سلاطین اسلام کے اس طرز عمل کا لازمی نتیجہ یہ تھا کہ جب بھی سلطنت کے نظام میں ذرا ڈھیلا پن پیدا ہوا تو یہ جاگیردار خود مختار سرکار بن بیٹھیں۔ چنانچہ سلاطین ہند میں سے خاندان تغلق کے بعد طوائف الملوکی ہندوستان میں پیدا ہوئی اس کا سبب یہی بڑے بڑے جاگیردار اور تعلقہ دار ہی تھے۔

پھر عہد مغلیہ میں بہت سی کوششوں کے بعد یہ طوائف الملوکی ختم ہو کر سلطنت پھر اپنے آب و تاب سے قائم ہوئی۔ لیکن وہ بھی اورنگ زیب عالمگیر کے بعد نہ چل سکی۔ اور پھر وہی طوائف الملوکی شروع ہو کر ملک و سلطنت کے ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے یہاں تک کہ بادشاہی شاہ عالم از دہلی

تاہم " " کا مقولہ زبان زد عام ہو گیا۔ اس وقت پھر یہ جاگیردار اکثر موقع ملنے پر خود مختار بن گئے اور اراضی کا پورا خراج وصول کر لیتے تھے۔ اور اگر کبھی ایسا بھی ہوا ہو تو بعید نہیں کہ چھوٹے جاگیرداروں نے مالکان اراضی زمینداروں پر ظلم و تعدی کر کے خود ہی مالک بن بیٹھے ہوں جیسا کہ بنگال میں ایسا واقعہ ہوتا آئندہ معلوم ہوگا اور تنہائی کی وجہ سے بعض علاقوں میں جاگیرداری کو زمینداری کہنے لگے۔ لفظ زمیندار کا ان مختلف عنوانوں میں استعمال ہی عموماً شبہات کا موجب ہوا۔

انگریزوں نے ہندوستان پر قبضہ کیا تو رائج شدہ قانون و طریق کار کو یکسر بدلنا مشکلات سے خالی نہ پا کر ابتدائی عہد سلطنت میں انہوں نے بھی بہت جگہ تحصیل مالگذاری کا پرانا جاگیرداری یا بصورت دیگر ٹھیکہ داری کی صورت میں جاری رکھا۔ بعض علاقوں میں یہ جاگیردار انگریزی عہد میں بھی خود زمیندار بن بیٹھے اور قانون بھی ان کو زمیندار تسلیم کرنے لگا۔

اس سلسلہ میں ہم جناب محمد الیاس صاحب برنی پروفیسر معاشیات جامعہ عثمانیہ حیدرآباد دکن کی کتاب "معیشت الہند" کے کچھ اقتباسات پیش کرنا کافی سمجھتے ہیں کیونکہ فاضل موصوف نے بڑی تحقیق و تنقید کے ساتھ سرکاری دفاتر اور مستند انگریز ماہرین کی تحریرات سے اس کو مرتب کیا ہے۔

> "قدیم زمانہ سے ہندوستان میں یہ دستور چلا آتا ہے کہ محاصل کا بڑا حصہ زمین سے وصول کیا جاتا ہے منو جی کے شاستروں سے معلوم ہوتا ہے کہ زمین کی پیداوار کا ایک معین حصہ سلطنت کا حق تصور ہوتا ہے مثلاً کل پیداوار کا ایک تہائی یا چوتھائی حصہ پہلے۔ مالگذاری میں جنس وصول کیا جاتا تھا (دال دانہ) شاہان مغلیہ کے عہد میں لگان کا طریق باقاعدہ بن گیا۔ اکبر اعظم کے ہندو وزیر ٹوڈرمل نے ایک ایسی زبردست حکومت قائم کرنے کی کوشش کی کہ ملک کے تمام حصوں میں اس کے اختیارات نافذ ہوں۔ اور اسی غرض سے ایک موثر مالی انتظام کی بنا ڈالی۔ کیونکہ تمام حکومتوں کو اس کی سب سے زیادہ ضرورت رہتی ہے اول تو لگان میں پیداوار کے بجائے نقد رقم وصول ہونے لگی دوسرے بندوبست کی رو سے یہ قرار پایا کہ ایک مدت تک ایک قدر معین رقم بطور لگان ہر سال ادا کرنا ہوگی چنانچہ گزشتہ دس سال کے نرخوں کا حساب لگا کر حکومت کا واجبی حق ایک ثلث قرار دیا گیا"۔

جب مسلمانوں کی سلطنت کو زوال ہوا تو مالگذاری کی حالت بھی ابتر ہوگئی۔ تحصیل کا ٹھیکہ دینے کا یہ طریقہ عام طور پر رائج ہوگیا۔ مالگذاری کے ٹھیکیدار یا تو ہندو مہاجن ہوتے تھے جن کی

دیکھو کہ مسلمان حکمرانوں کو خصوصاً یا ایسے لوگ جو اپنے رتبہ یا سابق خدمات کی وجہ سے سلطنت پر کوئی حق رکھتے تھے بنگال میں تو وہ زمیندار کہلاتے تھے اور وہ گجرات میں ان کو تعلقہ دار کہتے تھے جوں جوں زمانہ گذرتا گیا زمیندار خود رائے ہوتے گئے جس قدر روپیہ کاشتکاروں سے لگان طلب کیا اور جس قدر ہو سکا وصول کر لیا اور مالگذاری سو جتنی طے ہوئی تھی خزانہ میں داخل کر دی باقی رکھ لی۔ (معیشۃ الہند باب ۱۱)

نیز اسی کتاب کے ص ۲۶۴ میں ہے۔

"اودھ ۱۸۵۶ء میں انگریزوں کے قبضہ میں آیا۔ اوائل اول تعلقہ داروں سے بدگمانی تھی اس وجہ سے ان کو برطرف کر کے کاشتکاروں سے براہ راست معاملہ کرنے کا خیال تھا لیکن ۱۸۵۷ء کی شورش میں تعلقہ داروں نے سرکار کا ساتھ دیا بدگمانی رفع ہو کر خوشنودی پیدا ہو گئی۔ چنانچہ لارڈ کیننگ نے ان کی جائیدادوں پر ان کو بحال رکھ کر انہی سے مالگذاری مقرر کر لی۔"

۱۸۶۸ء اور ۱۸۸۶ء میں قانون لگان اودھ پاس ہوا جس سے کاشتکاروں کے حقوق کی کچھ حفاظت ہوئی۔ ایک جماعت دخیل کار کاشتکاروں کی بھی پیدا ہو گئی تاہم تعلقہ داروں کو کاشتکاروں پر بہت زیادہ اقتدار رہا۔ سیاسی تحریکوں کی اعانت سے بالآخر اودھ کے کاشتکاروں نے ۱۹۲۰ء میں جا بجا کسان سبھا قائم کر کے متحد ہو کر حقوق کا مطالبہ کیا۔ حسن اتفاق سے سر ہارکورٹ بٹلر صوبہ کے گورنر تھے۔ وقت شناس ہونے کے علاوہ اودھ کے تعلقہ داروں پر ان کا خاص ذاتی اثر تھا۔ انہوں نے بیچ میں پڑ کر اور تعلقہ داروں کو سمجھا بجھا کر چند باتوں پر رضامند کر لیا۔

چنانچہ اسی سال یعنی ۱۹۲۲ء میں ایک جدید قانون لگان اودھ پاس ہوا جس کی رو سے کاشتکار مدت العمر زمین پر قابض رہے گا۔ ہر دس سال کے وقفہ سے بقدر مناسب لگان کا اضافہ ہو سکے گا۔ خاص خاص علاقوں اور قرق کنندہ شخصوں کی بابت میں وہ البتہ بے دخل کر دیا جائے گا اور اس کو کسی صورت میں حق وراثت حاصل نہ ہو سکے گا۔ (معیشۃ الہند ص ۲۷۱)

نیز اسی کتاب کے گیارھویں باب میں ہے۔

## حقیقت اراضی زمینداری اور رعیت واری

مالگذاری کے بندوبست اور تحصیل کا طریق بیان کرنے سے قبل یہ واضح کر دینا ضروری

معلوم ہوتا ہے کہ ہندوستان میں ملکیت اراضی کی کیا کیا صورتیں موجود ہیں۔ اس سے کچھ بیان ہو چکا ہے کہ اٹھارویں صدی کے ختم پر مالگذاری کی تحصیل ٹھیکیداروں کے سپرد تھی بعض مقامات مثلاً بنگال میں یہ لوگ زمین کے مالک بن بیٹھے اور قانون بھی ان کو مالک تسلیم کرنے لگا۔ دیگر مقامات مثلاً بمبئی اور جنوبی ہندوستان میں بیشتر یہ لوگ باقی نہیں رہے۔ یا کچھ باقی ہیں بھی تو صرف چند فرائض ان کے ذمہ رہ گئے ہیں۔ سرجان اسٹریچی لکھتے ہیں کہ صوبہ بمبئی اور مدراس میں بیشتر اراضی کاشتکاروں کی ملک ہے اور سرکار ہر ایک سے جدا جدا مالگذاری مقرر کرتی ہے اس طریق ملک کو رعیت واری کہتے ہیں۔

نتائج و فوائد معیشت الہند کے مذکورہ بالا اقتباسات سے امور ذیل مستفاد ہوئے۔

(۱) انگریزوں نے ہندوستان پر قبضہ کے وقت مالکان اراضی کو اپنی ملکیت پر برقرار رکھا اور یہ مالکان اراضی زمیندار کہلاتے ہیں۔

(۲) تحصیل مالگذاری میں بھی بہت سے علاقوں میں پرانا طریقہ جاگیرداری یا بالفاظ دیگر ٹھیکیداری کا جاری رکھا۔

(۳) بعض صوبوں مثل بنگال میں یہ تعلقدار جو درحقیقت مالکان اراضی نہیں بلکہ ٹھیکیدار تھے سلطنت کی ابتدائی گڑبڑ میں خود مالک زمین بن بیٹھے اور قانون نے بھی ان کو مالک تسلیم کر لیا۔ اسی لئے بنگال میں تعلقداروں کو زمیندار کہنے لگے۔

(۴) اس عہد میں خود کاشتکار زمینداروں کے بجائے ایک دوسرے طریقہ نے زیادہ رواج پایا جس کو زمیندار و کاشتکار کے الفاظ سے تعبیر کیا جاتا ہے اور زمیندار و کاشتکار کی اس تفریق نے کاشتکاروں کی طرف سے مطالبہ حقوق کے جھگڑے اور کسان سبھا وغیرہ پیدا کیں اور کاشتکاروں کے حقوق کے لئے قانون بنے۔ انگریزی عہد سے پہلے حقیت اراضی زمیندار اور پھر سرکار کے لئے مخصوص تھی اور چونکہ عموماً دستور خود کاشت کا تھا اس لئے زمیندار ہی کاشتکار بھی تھے اور کسی کسان پر زمین دینے کا طریقہ رائج بھی ہوا جب بھی سرکاری کاغذات میں کاشتکار کا زمیندار سے علیحدہ کوئی منصب حقیت اراضی میں نہیں تھا۔ انگریزی عہد ۱۹۲۲ء میں نئے قانون نے حقیت اراضی میں کاشتکار کا درجہ بھی مثل سہیم و شریک کے قائم کر دیا۔ اور اب اس سلسلہ میں سرکار نے زمیندار کے ساتھ ایک تیسرا درجہ کاشتکار کا بھی قائم ہو گیا۔ کاشتکار کے مستقل حقوق اور ان کے تحفظ ابتداءً اس لئے ضروری سمجھا گیا کہ جب خود کاشت کے بجائے کسان پر اراضی دینے

کا رواج بڑھا تو زمین کی پیداوار پر اس کا ایک ناگوار اثر پڑا کیونکہ کاشتکار اپنے عارضی ہونے کی وجہ سے زمین کے درست کرنے اور پیداوار بڑھانے میں محنت و مشقت وہ صرف نہیں کرتے تھے جیسی خود مالک زمین کرتا کیونکہ اسے ہر وقت یہ خوف دامن گیر تھا کہ زمیندار جس وقت چاہے گا زمین مجھ سے چھڑا لے گا اور اس کی ہمواری و قابل کاشت بنانے پر جو میرا روپیہ اور محنت صرف ہوگی اس کا صلہ مجھ کو نہ مل سکے گا۔ حکومت نے پیداوار کے اس نقصان کی تلافی اور ترقی زراعت کے پیش نظر کاشتکار کے حقوق قائم کیے۔ علم المعیشۃ میں ہے۔

"ملک اور کاشت کی موجودہ علیحدگی سے زراعت کی ترقی میں بڑی رکاوٹیں پیش آ رہی ہیں جن کو رفع کرنے میں قانون بہت سرگرمی سے مصروف نظر آتا ہے چنانچہ کاشتکار کا تعلق زمین سے محض چند روزہ ہوتا ہے اور اضافہ لگان کا بھی اندیشہ لگا رہتا ہے وہ کھیت کی درستی اور کاشت کی ترقی میں ایسی جانفشانی کوشش نہیں کرتا جیسی خود مالک ہونے کی حالت میں کرتا اور سچ پوچھو تو ایسا کرنا محض اقتضائے فطرت ہے (الی قولہ) قانون ان موانع کو توڑنے کی بہت کوشش کر رہا ہے۔ زمیندار کو خود اس کے ذاتی نفع کے دباؤ سے زیادہ سے زیادہ عرصہ کے لئے کاشتکار کو حق کاشت دینے کی بدرجہ مجبوری ترغیب دیتا ہے۔ اضافہ لگان پر طرح طرح سے حدود اور بندشیں قائم کرتا ہے اور بیدخلی کے وقت کاشتکار کو زمیندار سے ان تمام ترقیات کا معاوضہ دلاتا ہے جو کاشتکار نے اپنے صرف سے کھیت میں پیدا کی ہوں۔ بعض صورتوں میں کاشتکار کو تقریباً نیم ملک کی حد تک حقوق دے دیے جاتے ہیں (الی قولہ) ایسے خاص حقوق والے کاشتکار دخیل کار اور باقی عام غیر دخیل کار کہلاتے ہیں۔ (ص ۱۵۳)

اس کے بعد اسی کتاب میں ہے۔

"زمیندار و کاشتکار اور خود کاشت زمیندار دو طریق مروج ہیں۔ اول بہت عام ہے لیکن دوم بدرجہا بہتر ہے۔ ملک اور کاشت کی جدائی جس قدر ترقی زراعت کے منافی ہے ان کی یکجائی اسی قدر معاون ہے چنانچہ قانون کا خاص منشا طریق اول کو طریق دوم کے مشابہ بنانا قرار پا چکا ہے۔ معاشیین کا ایک گروہ سرکار کا کاشتکار کا طریق تجویز کرتا ہے گویا قوم اور گورنمنٹ کو زمیندار کا جانشین بنانا چاہتا ہے۔ اس جدید طریق پر بہت کچھ اختلاف رائے پھیلا ہوا ہے۔ حامی اس کو طریق دوم پر قابل ترجیح بتاتے ہیں۔ معترض خلاف انصاف اور ناقابل عمل ثابت کرتے ہیں۔

(علم المعیشۃ ص ۱۵۴)

سے زمیندار جس کا اصلی کام مالگذاری فراہم کرنا تھا مالک تسلیم کر لئے گئے۔
دوسرے فریق کا دعویٰ ہے کہ ہندوستان میں زمیندار ہمیشہ سے زمین کا مالک چلے
آتے ہیں یہ کوئی نئی بات نہیں ہے۔ اور ان کے مالک ہونے میں کوئی معقول شک نہیں
بلکہ انتظام میں سہولت ہے۔ تیسرا گروہ یہ فیصلہ کرتا ہے کہ پہلے زمانہ میں زمیندار
خواہ کچھ بھی ہوں اس سے انکار نہیں ہو سکتا کہ اب وہ پورے مالک ہیں۔ پس
تاریخی بحث کا ان کی موجودہ حیثیت پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ (صفحہ [illegible])

نیز اسی کتاب میں ہے۔

"ہندوستان کی بیشتر مزروعہ زمین ازروئے قانون سرکار کی ملک نہیں بلکہ لوگوں کی
ملک ہے۔ یعنی وہ اس کو خرید و فروخت کر سکتے ہیں، رہن رکھ سکتے ہیں ہبہ کر سکتے
ہیں، وراثت میں پا سکتے ہیں۔ یہ لوگ شمالی ہند میں حسب حیثیت تعلقہ دار، زمیندار
خودکاشت زمیندار کہلاتے ہیں۔ اور دکن میں ان کو رعیت کہتے ہیں۔" (ص [illegible])

معاشیین کا جو گروہ زمینوں کا مالک بجائے زمینداروں کے سرکار کو ٹھہراتا ہے اس کی یہ بات
تو سمجھ میں آتی ہے کہ زمیندار مالک نہ ہوں تو سرکار ہی سب اراضی کی مالک ہوئی تو یہ درست بات ہے
لیکن جہاں تک واقعات کا تعلق ہے ملکیت اراضی کا سرکار کے لئے ثبوت اور زمینداروں سے نفی
کوئی حیثیت نہیں رکھتی۔ جاگیردار یا ٹھیکیدار جو مالکان اراضی اور زمیندار نہیں تھے اگر کسی خاص
علاقہ ملک میں انہوں نے جبر و تعدی سے زمینداروں کو برطرف کر کے خود ان کی جگہ لے لی اور
زمیندار بن گئے تو اس کا نتیجہ صورت پورے ملک پر صادق نہیں آ سکتا۔ سارے ہندوستان کے
زمینداروں کو غاصب قرار دے دینا قرین عقل و انصاف نہیں۔ تاہم جب اصلی مالکان اراضی کے
لاپتہ یا لاوارث ہو جانے کے سبب سرکار نے خود انہیں ٹھیکیداروں کو زمیندار مالک زمین تسلیم کر لیا
تو اب یہ زمیندار خواہ پہلے کچھ بھی تھے اور اپنے سابق ظلم و غصب کی وجہ سے وہ کتنے ہی مجرم ہوں
مگر اب سرکار کے اس تسلیم و تفویض سے زمین کے مالک بن گئے۔ چنانچہ اگر بالفرض ان لوگوں کو
مالک نہ قرار دیں تو اصلی مالکان مستحق زمینداران سابق کی حیثیت باقی رہے گی اور جب تک سب
مالکان سابق کا لاوارث مر جانا ثابت نہ ہو جائے ملکیت سرکار نہیں ہو سکتی۔ الغرض بعض علاقوں
میں زمیندار غیر مالک کے زبردستی زمیندار بن جانے سے یہ نتیجہ نکالنا کہ پورے ملک میں زمیندار
غیر مالک ہے عقل و انصاف کا خون کرنا ہے۔ جن لوگوں کے متعلق یہ ثابت ہو جائے کہ وہ اصلی

سے مالک نہیں تھے ان کو تو یہ کہہ سکتے ہیں کہ یہ زمیندار نہیں تھے لیکن جن کے متعلق زمیندار مالک زمین تھیں۔

## ترقی زراعت کے لئے انگریزی قوانین ظالمانہ تھے اسی لئے بے نتیجہ ثابت ہوئے اسلامی قانون عدل ہی ہر ترقی کا کفیل ہے۔

اسلامی قانون تمام معاملات میں یہ ہے کہ اگر کوئی فرد یا جماعت دوسرے فرد یا جماعت پر ظلم کرے تو حکومت کا فرض یہ ہے کہ عدل و انصاف کرے کہ ظالم کو ظلم سے روکے نہ یہ کہ حکومت خود ظالم کی جگہ لے لے اور ظلم کرنے والے پر ظلم و تعدی شروع کر دے۔ نیز اسلامی قانون یہ ہے کہ حکومت چونکہ پورے ملک کے انتظام و رفاہ عامہ کی ذمہ دار ہے اس لئے اگر بعض اشخاص و افراد کے عمل کو عوام کے لئے مضر سمجھے اگرچہ اس کا عمل اپنی ملک ہی تک محدود ہو۔ پھر بھی حکومت اس کے اس عمل میں مداخلت اندازی کر سکتی ہے اور اس کو اپنی ملک میں بھی ایسے تصرفات سے روک سکتی ہے جو عوام کے لئے مضرت رساں ہوں۔ ایک شخص اپنے مملوکہ مکان میں کوئی ایسا کام کرتا ہے جس سے پڑوسیوں کو اذیت پہنچتی ہے یا رات کو کوئی ایسا کام کرتا ہے جس سے پڑوسیوں کی نیند میں خلل آتا ہے تو حکومت اس کو روک سکتی ہے اور روکنے پر مجبور کر سکتی ہے لیکن یہ نہیں کر سکتی کہ اس کو مکان کی ملکیت ہی سے محروم کر دے یا پڑوسیوں کو اس کی ملک میں مالکانہ تصرفات کی اجازت دیدے۔ کیونکہ ایسا کرنا ظلم و ناانصافی ہے جو ظالم پر بھی جائز نہیں۔ غرض ظلم کا تدارک انصاف کرنا ہے نہ ظالم پر ظلم کرنا۔

انگریزی رائج الوقت قانون اراضی اس آئین عقل و حکمت کے سراسر خلاف رہا کہ زمیندار نے اگر کبھی کاشتکار پر ظلم کیا تو بجائے اس کے کہ اس زمیندار کو ظلم سے روکنے کے لئے سیاست جاری کی جاتی قانون انگریزی نے کاشتکار کو زمیندار پر ظلم کرنے کی اجازت دیدی اس کے مالکانہ حقوق میں بیجا مداخلت کر کے کاشتکار کو حق موروثیت کے نام سے گویا مالک زمین بنا دیا۔

اسی طرح ملک اور کاشت کی ترقی و ترقی زراعت کے خلاف پایا جو کہ مضرت عامہ کا سبب تھا تو اس کا صحیح علاج آئین اسلامی کے موافق یہ تھا کہ زمیندار کو خود کاشت پر مجبور کیا جاتا۔ اگر وہ ترقی زراعت میں کاہلی سے کام لیتا اس پر سزا جاری کی جاتی نہ یہ کہ اس کے مالکانہ اختیارات غصب کر کے کاشتکار کو اس پر مسلط کر دیا جائے۔ زمیندار جبراً کوشش کرتا پھرتا ہے کہ میں خود اپنی زمین کاشت کروں تو نہیں کر سکتا۔ قانون حکومت کی امداد سے مزارعین کے پاس نہیں

آنے دیتا اور بدنصیب زمیندار کی فریاد کوئی نہیں سنتا۔ اسی قانون ظلم و جور کا لازمی اور قدرتی نتیجہ ہے کہ قانون اراضی کی ساری کوششیں اصل مقصد کے حاصل کرنے میں بالکل ناکام اور مضر ثابت ہوئیں مقصد ساری کوششوں کا ملک کی مرفہ الحالی، اشیاء ضرورت کی ارزانی تھی۔ ہر دیکھنے والا دیکھ سکتا ہے کہ ترقی زراعت کے ان ظالمانہ قوانین سے پہلے اور بعد کے حالات میں کیا تفاوت ظاہر ہوا۔ اشیاء کی ارزانی پیدا ہوئی یا مزید گرانی، اور ملک کی مرفہ الحالی میں اضافہ ہوا یا پہلے سے بھی حالت بدتر ہو گئی۔ اسلامی تعلیمات اس سے بھری ہوئی ہیں کہ ظلم و جور ہر چیز کی برکت دور اس کے قدرتی فوائد میں غیر محسوس طریقہ سے نقصان دیتا ہے جس طرح کہ عدل و انصاف اس کے آثار و فوائد میں ترقی پیدا کرتا ہے۔ خصوصاً جبکہ خود سلطنت اور حکومت اس ظلم کی علمبردار ہو رعیت کو مرفہ الحالی کبھی نصیب نہیں ہو سکتی۔

## خلاصہ احکام اراضی

الغرض حقوق کاشتکار کے تحفظ یا ترقی زراعت کے نام سے جو قوانین موروثیت وغیرہ انگریزی راج میں نافذ ہوئے وہ سراسر ظلم تھے۔ مگر آج کے دانایان روزگار، ملک کی ترقی و بہبودی کے مجوزہ ماہران علم معیشت اسی ظلم پر بس نہیں کرنا چاہتے بلکہ بدنصیب زمیندار کے وجود ہی کو ختم کرنے میں ساری ملکی ترقیات کو منحصر سمجھتے ہیں لیکن اگر خدانخواستہ وہ ایسا کر گزرے اور پھر کسی وقت بات کی پچ اور سخن پروری کو چھوڑ کر نتیجہ پر غور کرنے کی زحمت گوارا فرمائی تو وہ کھلی آنکھوں دیکھ لیں گے کہ یہ ساری کوشش ترقی معکوس اور "مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی" کے مصداق ثابت ہوگی۔ عدل و انصاف کو ہاتھ سے دے کر (چھوڑ کر) حقدار کے حق کو غصب کر کے کبھی کوئی حکومت پھول پھل نہیں سکتی۔

قانون موروثیت کے ظلم و ناجائز ہونے پر اسی وقت سے علماء کرام کی تصریحات و فتاویٰ موجود ہیں۔ جب سے یہ قانون پاس ہوا ان میں سے قطب العالم حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی قدس سرہ اور اکابر علماء ہند کی ایک بڑی جماعت کا فتویٰ آخر رسالہ میں نقل کیا جائے گا اور ظاہر ہے کہ مدار ان سب فتاویٰ کا اسی پر تھا کہ زمیندار کو مالک زمین قرار دیا گیا۔

## خلاصہ احکام اراضی ہند بعہد انگریزی

مذکور الصدر تفصیلات سے واضح ہو گیا کہ

(الف) عہد انگریزی میں سابق مالکان اراضی (زمینداران) بدستور اپنی زمینوں پر مالک قرار دیے گئے اور انگریزوں کے اقرار ہو جانے کے بعد نافذ کردہ قوانین سب اس پر شاہد ہیں کہ آج تک زمینداروں کو تمام مالکانہ تصرفات بیع و شراء، ہبہ، وقف وغیرہ حاصل ہیں اور انتقال کے بعد ان کی املاک منقولہ کی طرح ترکہ بھی ان کے وارثوں میں تقسیم ہوتی ہے۔

## ایک شبہ اور جواب

یہ نہیں کہا جا سکتا کہ یہ بیع و رہن اور ہبہ و تقسیم میراث رقبۂ زمین کی نہیں بلکہ اس حق لگان کی ہے جو زمیندار کو از روئے قانون حاصل ہے اور زمیندار کو مالک کہنے کے یہی معنی ہیں کہ وہ اس حق کا مالک ہے۔ کیونکہ ملک کی یہ نئی اصطلاح جو عرف وقت کے خلاف ہے انگریزی عہد کا اصل قانون اور انگریز معاشین کی تصریحات بھی اس اصطلاح کی تائید نہیں کرتیں۔ بلکہ یہ جدید اصطلاح تو درحقیقت اشتراکیت کے تخم کی جدید پیداوار اور مالکان اراضی سے ناحق غصب اراضی کے الزام کا "عذر گناہ بدتر از گناہ" ہے جس کی عمر چند ہی سال سے زائد نہیں۔ اس سے پہلے کے قوانین اور کاغذات سرکاری میں ملکیت زمیندار کے اس معنی کا نام و نشان نہیں ہے۔ انگریزوں کا اول سلطنت میں زمینداروں کو مالک تسلیم کر لینا ایک اقرار ہے اور اقرار سے رجوع کسی حال میں جائز نہیں۔ اس لئے بالفرض اگر کسی جدید قانون میں ملکیت کی یہ نئی اصطلاح مقرر کر کے حقیقت ملکیت کو ختم کر دینے کا ارادہ بھی کیا گیا ہو تو وہ از روئے عقل و شرع و عدل و انصاف قابل قبول نہیں ہو سکتا۔ یہاں تک کہ ملکیت اراضی ختم کرنے کے لئے جو جدید قانون زمینداری کے نام سے انگریز کے آخری عہد میں زیر بحث آیا اس میں بھی ملکیت زمینداران کی تسلیم و اقرار سے چارہ نہ دیکھ کر تجویز یہ ہوئی کہ زمینداروں کو معاوضہ دے کر زمینیں ان سے بحق سرکار خرید لی جائیں۔ یہ دوسری بات ہے کہ بیچارے مالکان خوشی خریدار بن جائیں اور خود ہی اپنی مرضی کے موافق ان کا معاوضہ تجویز کر دیا پھر وہ معاوضہ بھی سالہا سال کی قسطوں میں پھیلا کر کالعدم کر دیا اور مالکان اراضی والے سب مظالم پر مجبور کر دیا۔ یہ بھی غصب اراضی کی ہی ایک صورت ہے جس کو خریداری کا نام دے کر بدنامی سے بچنے کی کوشش کی جا رہی ہے جس کا نہ انگریزی حکومت کو کوئی حق تھا اور نہ اس کے بعد آنے والی کسی حکومت کا استحقاق ہے۔

(ب) جو لوگ اصل سے زمیندار یعنی مالک زمین نہیں بلکہ غاصب اراضی تھے پھر کسی قدرت کے زمانہ میں تغلب کر کے مالک زمین (زمیندار) بن بیٹھے، پھر کسی وجہ سے انگریزی حکومت نے بھی

ان کو مالک تسلیم کر لیا تو ابتداءً تغلب کرنے والے اپنے ظلم و تعدی کی وجہ سے اگرچہ مجرم و گناہگار ہیں لیکن ادل صحیح میں حکومت انگریزی کی اس تسلیم سے ملکیت ان کی ثابت ہو گئی اس کے بعد جن لوگوں کو یہ زمینیں وراثت میں ملیں یا ان لوگوں سے خرید کر پہنچیں وہ ان اراضی کے شرعی مالک قرار دیئے جائیں گے۔ (الماخوذ من مسئلة استیلاء الکفار علی اموال المسلمین)

(ج) انگریزی حکومت نے جن لوگوں کی مملوکہ جائیدادیں بحق سرکار ضبط کر لیں پھر کسی مسلم یا غیر مسلم کو دیدیں تو یہ لوگ بھی ان جائیدادوں کے مالک ہو گئے۔

اوقاف کو اگر کسی جگہ بحق سرکار بھی ضبط کیا گیا ہے تو شرعاً سرکار ان کی مالک نہیں ہوئی اور اگر کسی نے سرکار سے خریدا ہے تو وہ بھی مالک نہیں ہوا۔ اس کی تفصیل باب پنجم میں آئے گی۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

# باب چہارم

# تقسیم ملک کے بعد اراضی پاک و ہند کے احکام

پہلے باب القول الماضی فی احکام الاراضی میں زمینوں کے شرعی احکام کے لئے جو اصول و فروع تفصیل سے لکھے گئے ہیں۔ اس میں معلوم ہو چکا ہے کہ احکام اراضی میں پہلی بنیاد اس پر ہوتی ہے کہ ملک جنگ کے ساتھ قہراً فتح کیا گیا ہے یا مصالحت کے ساتھ حاصل کیا گیا ہے۔

جب ہندوستان تقسیم ہو کر اس کا ایک حصہ پاکستان کے نام سے اور ایک اسلامی مملکت کی حیثیت سے وجود میں آیا تو اس وقت بھی سب سے پہلے یہ دیکھنا ہے کہ اس نئی مملکت کے حصول کی کیا صورت ہوئی۔

یہ ظاہر ہے کہ جنگ کر کے ملک حاصل نہیں کیا گیا بلکہ یہ تقسیم ملک مصالحت اور معاہدات کے ماتحت ہوئی اور شرعی اعتبار سے یہ بھی واضح رہے کہ جو ملک مصالحت اور معاہدات کے ذریعہ حاصل ہو اس کے احکام کا بیشتر مدار ان معاہدات پر ہوتا ہے جو انتقال ملک کے وقت کیے گئے ہیں۔ اس لئے ضروری ہوا کہ اراضی پاکستان کے احکام بیان کرنے سے پہلے بناء پاکستان کی ابتدا یا دو معاہدات سامنے آ گئیں جن پر اس تقسیم ملک اور بناء پاکستان کا مدار ہے۔

## بناءِ پاکستان کے ابتدائی حالات

متحدہ ہندوستان پر مسلمانوں نے ایک ہزار سال حکومت کی انگریزوں نے ایک صدی سے کچھ زیادہ مدت تک سنہ ۱۹۱۴ء کی پہلی جنگ عظیم میں جب انگریزوں نے ترکوں کے خلاف جنگ کر کے اسلامی خلافت کو پارہ پارہ کر دیا اور اسلامی ممالک پر قبضہ جمایا۔ حرمین شریفین تک اس کی زد میں آ گئے۔ تو ہندوستانی جو ۱۸۵۷ء کی آخری جنگ آزادی کے بعد مایوس ہو کر خاموش ہو چکے تھے ان میں پھر شدید اضطراب اور بے چینی شروع ہوئی۔

شیخ الاسلام والمسلمین حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن صاحب قدس سرہ نے خلافت اسلامی

کی حمایت میں ایک تحریک چلائی جو کافی دور رس اثرات کی حامل تھی۔ مگر اس تحریک کا راز فاش ہونے پر محمود حسن گرفتار ہو کر مالٹا جیل بھیج دیئے گئے تو ہندوستان کے مسلمانوں کا اضطراب اور انگریزوں کے خلاف غم و غصہ کی صدا ہی خلافت کمیٹی کے تحت ان کی بھاری اکثریت منظم ہو گئی۔ پھر ہندوؤں کی کانگریس بھی تحریک آزادی میں شریک ہو گئے تو پورا ملک انگریزی اقتدار کے خلاف اپنے حق خود اختیاری کے حصول کے لئے نبرد آزما ہو گیا۔ ۱۹۱۹ء میں اختتام جنگ کے بعد انگریز ان کو کچھ اختیارات اور اصلاحات دینے پر مجبور ہو گئے۔ اور اس کی مختلف قسطیں عرصہ دراز تک کچھ کچھ وقفہ سے حاصل ہونا شروع ہوئیں۔

انگریزی اقتدار سے غلامی پر تو ہندوستان کی سبھی قومیں متحد اور متفق تھیں مگر انتقال حکومت کے بعد صورت حال کیا ہوگی۔ یہ معاملہ جس قدر اہم تھا اسی قدر پیچیدہ بھی تھا۔

اس وقت تک تحریک کی باگ مسلمانوں اور خلافت کمیٹی کے ہاتھ میں تھی۔ ڈاکٹر امید کر اپنی کتاب "پاکستان کے بارے میں چند خیالات" میں لکھتے ہیں۔

۳۰ جون ۱۹۲۰ء کو خلافت کمیٹی کا جلسہ الہ آباد میں ہوا اور طے ہوا کہ ایک مہینہ کا وائسرائے کو نوٹس دے کر ترک موالات کا پروگرام شروع کر دیا جائے ان حقائق سے معلوم ہوتا ہے کہ تحریک ترک موالات خلافت کمیٹی نے شروع کی تھی۔ کانگریس کے اسپیشل سیشن کلکتہ زیر صدارت لاجپت رائے نے جو کچھ کیا وہ صرف یہ کہ خلافت کانفرنس کا مسلک قبول کر لیا۔ (مرقاۃ اعظم بدین کا عہد ص ۱۰۱)

ہندوؤں کی اسکیم یہ تھی کہ کانگریس پورے ملک کی واحد نمائندہ جماعت مان لی جائے اور انتقال حکومت کے بعد وہی سب اختیارات سنبھالے۔ انہی حالات میں مصطفیٰ کمال نے خلافت کے خاتمہ کا اعلان کر کے خلافت کمیٹی کے نام کو بے معنی بنا دیا۔ مسلمان زعماء جو اس کی قیادت کر رہے تھے ہندوؤں کے اس دام کا شکار ہو گئے کہ خلافت کمیٹی کی بنائی ہوئی تنظیم اور لاکھوں روپیہ کانگریس کو دے کر اس کو مضبوط بنا دیا۔ (تشریحات پاکستان ص ۲۵)

مولانا محمد علی جوہر نے اپنی ۲۵ دسمبر ۱۹۲۷ء کی تقریر پشاور میں فرمایا ہے۔

کانگریس کو انڈین نیشنل کانگریس فی الحقیقت مسلمانوں نے بنایا ہے۔

اس سے پہلے وہ عافیت پسندوں کی ایک تفریح گاہ تھی۔ مگر جس دن سے محمد علی شوکت علی اس میں شریک ہوئے اسی دن سے اس میں جان پڑ گئی چنانچہ کلکتہ کانگریس میں لالہ لاجپت رائے کی مخالفت کے باوجود کانگریس نے ترک موالات کو اپنا شعار بنا لیا یہ حقیقت ہمیشہ فخر کے ساتھ یاد

رہے گی کہ سب سے جلیل القدر ہندو رہنما مہاتما گاندھی ہمیشہ خلافت کے سرمایہ سے دورہ کرتا رہا۔ ہماری قید کے بعد بھی مہاتما جی نے دورہ کے مصارف خلافت کے سرمایہ سے لئے حتیٰ کہ کانگریس کے لئے ایک کروڑ روپیہ جمع کرنے کے لئے آپ کے دوروں کے مصارف بھی مجلس خلافت نے ادا کئے جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ کانگریس کی روح رواں تحریک خلافت تھی۔

(صدر قائد اعظم ص ۱۰۰)

کانگریس پر پہلے سے ہندوؤں کا مکمل قبضہ تھا۔ اور ملک کی بھاری اکثریت ہندو ہے اس میں پوری کوششوں کے بعد بھی جو مسلمان شریک ہوئے ان کی تعداد ہندوؤں کے مقابلہ میں نہ ہونے کے حکم میں تھی۔ اگرچہ کانگریس کو جو قوت حاصل ہوئی وہ سب مسلمانوں ہی کی عطا کردہ تھی اور اس وقت بھی تحریک کو کامیاب بنانے میں مسلمانوں ہی کا جذبۂ جہاد زیادہ کام کر رہا تھا۔ مگر آئینی طور پر اس کا نظام ہندوؤں کے ہاتھ میں آچکا تھا جس کی قیادت گاندھی جی کر رہے تھے۔ اس سلسلہ میں مسلمان مولاناؤں کا کچھ انتہا پسندانہ اقدام گاندھی جی کو پسند نہ آیا تو تحریک ہی کو ختم کر ڈالا۔ اور ملک بھر میں پھیلی ہوئی یہ عظیم تحریک جس کے لئے کروڑوں روپے قوم کا خرچ ہو چکا تھا سینکڑوں بلکہ ہزاروں انسانوں نے قید و بند کی سزائیں کاٹی تھیں ایک جنبش قلم گاندھی جی نے ختم کر ڈالی۔ اور یہ تحریک سرد ہو گئی۔ اس وقت تک جو ہندو مسلم اتحاد کے نعرے جا بجا بلند ہو رہے تھے اب نفرت و عداوت میں بدلنے لگے۔ ہندوستان کی مختلف جماعتوں نے شدھی اور سنگھٹن کی تحریکیں شروع کر کے مسلمانوں کو ہندو بنانے اور ان کو طرح طرح سے ہلاک و تباہ کرنے کے منصوبے شروع کر دیئے اور ایک زمانہ دراز اسی افراتفری میں گذر گیا۔ مکمل آزادی تو ایک خواب پریشان ہو گئی۔ کچھ اصلاحات و اختیارات جو انگریزوں سے ملنے تھے وہ بھی کون لے اور کس طرح لے۔

۱۹[illegible]ء میں حکومت برطانیہ نے ہندوستان کو کچھ اور اختیارات سپرد کرنے کی رائے ظاہر کی تو پھر ضرورت ہوئی کہ کوئی متفقہ مرکز پیدا ہو جائے۔ اس کے لئے تمام ہندوستانیوں کی تمام پارٹیوں کی ایک کانفرنس بلائی گئی۔ اس آل پارٹیز کانفرنس نے دستور ہند کا خاکہ مرتب کرنے کے لئے ایک سب کمیٹی بنائی جس کے صدر پنڈت موتی لال نہرو قرار پائے۔ اس سب کمیٹی کی رپورٹ نہرو رپورٹ کے نام سے مشہور ہوئی۔

نہرو رپورٹ کا ماحصل ذریعہ سایہ بر طانیہ ایک خالص ہندو راج تھا۔ مولانا محمد علی جوہر نے فرمایا تھا کہ جن پست دماغوں سے نہرو رپورٹ جیسی ذلیل چیز نکل سکتی ہے ان سے بھلائی کی امید رکھنا

اس کے خصوصی حقوق کا کوئی سوال پیدا ہوتا ہے۔ یہ اعلان مسلمانوں کے مستقل وجود ہی کو ختم کر دیتا تھا اس لئے اب مسلمانوں کی رائے عامہ مسلم لیگ کے حق میں اور زیادہ مضبوط ہو گئی۔

بالآخر مارچ ۱۹۴۰ء میں کل ہند مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس منعقدہ لاہور میں ہندی مسلمانوں نے بالاتفاق اپنے لئے علیحدہ وطن کے مطالبے کی تجویز پاس کرائی جس کا نام بعد میں پاکستان ہو گیا۔

اب ملک میں سیاسی مقاصد کے لئے مسلمانوں کا ایک مضبوط مرکز مسلم لیگ بن گیا۔ کانگریس میں گو اس وقت میں کچھ مسلمان شریک تھے مگر آخری انتخابات جو پاکستان کے نام پر لڑے گئے ان کے نتیجے نے ثابت کر دیا کہ مسلمانوں کی بھاری اکثریت مسلم لیگ کے ساتھ ہے اس سے حکومت برطانیہ کو یہ تسلیم کرنے کے سوا کوئی چارہ نہ رہا کہ مسلمانوں کی نمائندہ جماعت مسلم لیگ اور ہندوؤں کی جماعت کانگریس کو قرار دے۔

## ہندوستان کی آزادی

دوسری جنگ عظیم کے بعد جو بین الاقوامی سیاست کے دباؤ سے اور کچھ ہندوستان کی تین سالہ تحریکوں سے مجبور ہو کر حکومت برطانیہ نے یہ طے کر لیا کہ ہندوستان کو آزادی دی جائے۔ اس کے لئے مختلف تجاویز اور پلان بنائے گئے جن میں اس کا تحفظ کیا گیا تھا کہ انگریز کی بالادستی اس آزادی کے بعد بھی ہندوستان پر قائم رہے۔ مگر اس کو مسلمانوں اور ہندوؤں دونوں نے رد کر دیا۔

بالآخر ایک اور پلان بنا جو کیبنٹ مشن پلان کے نام سے مشہور ہوا اور یہی آخری پلان چند ترمیموں کے بعد تقسیم ملک کا پلان قرار پایا۔ ابتداءً اس کو مسلمانوں نے تو اس لئے رد کر دیا تھا کہ اس میں ہندو مسلمان کی متحدہ حکومت کی تجویز تھی جس کو مسلمان اپنے قومی وجود کی موت سمجھتے تھے اور ہندوؤں نے بھی بعض دوسری وجوہ سے اس پر اعتراضات کئے تھے۔

یہ وہ وقت تھا جبکہ حکومت برطانیہ جلد سے جلد ہندوستان کی ذمہ داری سے سبکدوش ہونے کو اپنے حالات کے ماتحت ضروری سمجھ رہی تھی مگر چاہتی یہ تھی کہ مسلم لیگ اور کانگریس دونوں کسی تجویز پر متفق ہو جائیں تو اختیارات ان کی طرف منتقل کر دیں۔

کانگریس کا مطالبہ تھا کہ مسلمانوں اور ہندوؤں کی متحدہ حکومت قائم ہو اور اسی کو مشترک اختیارات منتقل کئے جائیں۔ انگریز بھی یہی چاہتے تھے۔ کیبنٹ مشن پلان کا مدار اسی اصول پر تھا ان کی پوری کوششیں آخر تک اس کے گرد گھومتی تھیں۔ مسلم لیگ پاکستان کی آزاد مملکت کے سوا کسی

جس پر ہم قابض تو ہیں لیکن عرشہ شعوں کی قدر دور ہاتے اور تبہ خانہ میں جنگی سامان ہے۔ ماؤنٹ بیٹن کی تیز دوڑوں کی ڈپلومیسی، عزم اور مسلسل جدوجہد کے بعد ۳ جون ۱۹۴۷ء کا پلان اصولاً مان لیا گیا۔" (عہد ماؤنٹ بیٹن ص ۳۳۳-۳۳۴)

مسٹر جانسن کی مذکورہ تقریر میں تقسیم ملک کے ابتدائی حالات، برطانیہ کا ہندوستان کو چھوڑنے پر مجبور ہونا اور جلد سے جلد اس کی ذمہ داری ہندوستان پر ڈال کر سبکدوش ہونے کی کوشش، کانگریس اور مسلم لیگ میں مفاہمت کی جدوجہد، کیبنٹ مشن پلان اور اس کے وحدانی طرز حکومت کی ناکامی پھر ۳ جون ۱۹۴۷ء کے جدید پلان کی متفقہ کامیابی پوری وضاحت کے ساتھ دستاویزی حیثیت میں معلوم ہوگئی۔

## وہ معاہدہ جس پر ملک تقسیم ہو کر پاکستان بنا

اب دیکھنا یہ ہے کہ ۳ جون ۱۹۴۷ء کا وہ پلان جو ہندوستان کی دونوں پارٹیوں کے اتفاق سے پاس ہوا اور انگریز نے اس کے ماتحت اختیارات دونوں حصوں کے سپرد کئے وہ کیا ہے۔ اس کے متعلق مسٹر جانسن نے تو اتنا اجمال لکھا ہے کہ:

"پلان کی تین خصوصیات تھیں اول یہ کہ تقسیم در تقسیم ہوئی۔ بنگال اور پنجاب کو ہندوستان یا پاکستان میں شامل ہونے سے پہلے ہی اپنی اپنی تقسیم کے فیصلہ کا حق دے دیا گیا۔ مسٹر جناح نے اگرچہ اس اقدام کے المیہ کی طرف اشارہ کیا مگر وہ بھی اس سلسلے میں مزاحم نہ ہو سکے۔ کچھ دنوں تک تو بنگال میں علیحدگی کی تحریک چلتی رہی لیکن وقت کے ساتھ ساتھ یہ تحریک سرد پڑ گئی۔

تقسیم کی وجہ سے مغربی اور مشرقی پاکستان کے درمیان تقریباً آٹھ سو میل کا فاصلہ ہو گیا۔

دوئم یہ کہ اس پلان نے سکھوں کو بھی تقسیم کر دیا۔ اس کی وجہ پنجاب کی تقسیم تھی۔ پنجاب کی تقسیم پر خود سکھ لیڈروں نے اصرار کیا تھا۔ ان کے اس رویہ کی شدت پر ماؤنٹ بیٹن کو تعجب بھی ہوا کیونکہ انہیں ناقابل تلافی نقصانات اٹھانے پڑے تھے۔

تیسری خصوصیت تھی وجہ نو آبادیات۔ کئی وجوہ کی بنا پر اس کی حکمت عملی سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ (عہد ماؤنٹ بیٹن ص ۳۶۷)

مسٹر جانسن کے اس بیان سے مذکورہ پلان کی کچھ خصوصیات تو معلوم ہوگئیں مگر مکمل معاہدہ جو

حکومتیں اس موقعہ پر اپنی ان یقین دہانیوں کا دوبارہ اعادہ کرتی ہیں۔

ان دونوں حکومتوں کا مطمح نظر یہ ہے کہ یہ مذہب، ذات یا صنف کا لحاظ کئے بغیر اپنے تمام شہریوں کے لئے برابر انصاف حقوق کی حفاظت کریں گی۔ جہاں تک عام شہری حقوق کا تعلق ہے ان کے اعتبار سے تمام شہری برابر ہوں گے۔ اور یہ دونوں حکومتیں اپنے دائرہ اختیار میں عوام کو اپنے حقوق آزادی کے ساتھ استعمال کئے جانے کی ضمانت دیں گی۔ مثلاً یہ کہ ہر شخص کو تقریر و تحریر کی اجازت ہوگی، ہر شخص کو انجمنیں بنانے، اپنے اپنے طریقے کی عبادت کرنے اور اپنی زبان و ثقافت کی حفاظت کا حق ہوگا۔

دونوں حکومتیں اس بات کی ذمہ داری بھی لیتی ہیں کہ ان لوگوں کے خلاف کوئی امتیازی سلوک نہیں کریں گی جو ۱۵ اگست سے پہلے سیاسی طور پر ان کے مخالف رہ چکے ہوں۔

دونوں حکومتیں اپنے اپنے شہریوں کی حفاظت کی جو ضمانت دے رہی ہیں اس میں یہ بات بھی شامل ہے کہ ملک کے کسی بھی حصہ میں کسی قسم کے متشددانہ اقدام کو برداشت نہیں کیا جائے گا۔ خواہ حالات کیسے ہی کیوں نہ ہوں۔

دونوں حکومتیں اس کوشش کیلئے بھی کہہ دینا چاہتی ہیں کہ اس مجھوتے میں وہ دونوں قطعی متحد ہیں۔

تقسیم کے وقت حالات میں جو انقلاب ہوتا ہوگا اس کے پیش نظر پنجاب میں امن و امان قائم رکھنے کے لئے دونوں حکومتیں اس بات پر متفق ہوتی ہیں کہ اس کے لئے یکم اگست سے ایک مخصوص فوجی حکومت بنائی جائے جو سیالکوٹ، گوجرانوالہ، شیخوپورہ، لائل پور، منٹگمری، لاہور، امرتسر، گورداسپور، ہوشیار پور، جالندھر، فیروز پور اور لدھیانہ کے شہری اضلاع کو سنبھال سکے۔

مذکورہ بالا مقصد کے لئے دونوں حکومتوں کے اتفاق سے میجر جنرل ریس کو فوجی کمانڈر منتخب کر دیا گیا ہے اور بریگیڈیر دگمبر سنگھ کو ہندیا کی طرف سے اور کرنل محمد ایوب خان کو پاکستان کی طرف سے ان کے ساتھ بحیثیت مشیر ملحق کر دیا گیا ہے۔

۱۵ اگست کے بعد میجر جنرل ریس ان علاقوں میں عملی طور پر دونوں ریاستوں کی افواج کو کنٹرول کریں گے اور اس سلسلہ میں سپریم کمانڈر اور متحدہ دفاعی کونسل کے واسطے سے دونوں حکومتوں کو جوابدہ ہوں گے۔

اگر ان دونوں حکومتوں نے ضروری سمجھا تو اسی قسم کی ایک تنظیم بنگال کے اندر بھی قائم کر دے

میں پیش و پیش نہیں کیا جائے گا۔

دونوں حکومتوں نے یہ وعدہ کیا ہے کہ وہ حد بندی کمیشن کی تمام سفارشوں کو قبول کریں گی خواہ وہ کچھ ہوں۔

حد بندی کمیشن کا کام آج کل ہو رہا ہے، اگر انہیں اپنے فرائض قابل اطمینان طور پر بجالانے دینا ہے تو ضروری ہے کہ اس دوران ان پر کسی ایسی تحریر و تقریر سے جس تک عوام کی رسائی ہو سکے دباؤ نہ ڈالا جائے، دور بائیکاٹ ڈائریکٹ ایکشن یا دوسری خلل انداز چیزوں کی دھمکیاں دینے سے کامل اجتناب کیا جائے۔

دونوں حکومتیں اس مقصد کے لئے مناسب اقدامات کریں گی اور جیسے ہی حد بندی کمیشن اپنی سفارشات کا اعلان کرے گا دونوں حکومتیں ان پر فوراً خلوص کے ساتھ عمل شروع کر دیں گی۔

دیکھئے کتاب "ہندوستان میں قوموں کا تبادلہ" مصنفہ وی پی مینن (ص ۲۰۶، ۲۰۷)

# اراضی پاکستان کے شرعی احکام

مذکورہ سابقہ تفصیلات سے معلوم ہو چکا ہے کہ پاکستان کا وجود ایک ایسے معاہدہ پر مبنی ہے جس میں ہندوؤں سکھوں اور مسلمانوں نے متفقہ طور پر پاکستان و ہندوستان کی دونوں مملکتوں میں بسنے والی اقلیتوں کے لئے، جان، مال، آبرو اور شہری حقوق کی مکمل حفاظت کی ضمانت دی ہے اور مساویانہ سلوک کا معاہدہ کیا ہے۔

اور یہ معاہدہ اگرچہ دستاویزی صورت میں متفقہ معاہدہ کی حیثیت سے ۳ جون ۱۹۴۷ء کے بعد عمل میں آیا ہے لیکن امور مذکورہ کی ضمانت کے طلبات مسلم لیگ اور کانگریس دونوں پارٹیاں اس سے پہلے بھی بار بار کرتی رہتی ہیں اور مسلم لیگ کی تجویز پاکستان ۱۹۴۰ء میں بھی یہ چیزیں پہلے سے موجود تھیں۔ اور پھر تقسیم ملک کے بعد بھی دونوں مملکتوں کی طرف سے اس طرح کے اعلانات ہوتے رہے۔ اور آج بھی (معاہدہ کے الفاظ کی حد تک کسی فریق کو اس سے انکار نہیں۔

## ہندوؤں اور سکھوں کی طرف سے عہد شکنی

عملی طور پر عام سکھوں اور ہندوؤں نے معاہدہ سے پہلے ہی مسلمانوں پر طرح طرح کے مظالم قتل و غارتگری کا سلسلہ پورے ملک میں شروع کیا ہوا تھا، معاہدہ کے بعد اس کا اثر ہینے کے

طرف کے تارکین وطن نے اپنے اموال غیر منقولہ چھے اپنے سابق وطن میں چھوڑے اور بہت
سے لوگوں کے بکثرت اموال منقولہ بھی وہیں رہے۔

شرعی حیثیت سے غور طلب اور تفصیل طلب وہ اموال منقولہ اور غیر منقولہ ہیں جو تارکین وطن
نے اپنے اوطان میں چھوڑ گئے ہیں جن کو آج کل کی اصطلاح میں متروکہ جائیداد کا نام دیا جاتا
ہے کہ ان کی شرعی اور فقہی حیثیت کیا ہے۔ ان میں تصرف کرنے کا حق کس کو دیا گیا ہے۔

## متروکہ جائیدادوں کے احکام

اس سلسلہ میں ہماری بحث و تحقیق کا زیادہ تعلق ان اموال سے ہے جو غیر مسلم پاکستان میں
چھوڑ گئے۔ کیونکہ ہمارے تصرف میں صرف وہی اموال ہے اور حکومت پاکستان کے احکام
نافذ ہو کر انہی میں جاری ہو سکتے ہیں۔ آخر میں ہندوستانی مسلمانوں کی متروکہ جائیداد یا اوقاف رہ
گئے ہیں۔ اس کتاب کے پہلے باب القول الماضی فی احکام الاراضی میں آپ تفصیل
سے معلوم کر چکے ہیں کہ مسلمانوں کو غیر مسلموں سے جو اموال حاصل ہوتے ہیں وہ دو قسم پر ہیں۔
ایک یہ کہ جنگ جہاد کے ذریعہ ان سے حاصل کئے گئے ہیں ان کا اصطلاحی نام مال غنیمت ہے۔
دوسرے وہ جو بغیر جنگ کے حاصل ہوں ان کو اصطلاح میں مال فئے کہا جاتا ہے اور ان
دونوں قسموں کے اموال کے احکام شرعیہ مختلف ہیں۔

اس باب کی ابتدائی تفصیلات میں یہ بات ظاہر ہو چکی ہے کہ پاکستان میں جو زمین جائیداد
وغیرہ غیر مسلم چھوڑ گئے ہیں وہ کسی جنگ کے ذریعہ ان سے حاصل نہیں کی گئی اس لئے ان کا شمار
دوسری قسم کے مال فئی میں ہوگا۔

باب اول میں بحوالہ کتاب الاموال ابوعبید لکھا گیا ہے کہ غیر مسلموں کی وہ املاک جو ان سے بغیر
جنگ کے حاصل ہوں ان میں اگر ان غیر مسلموں سے کچھ شرائط پر صلح ہوئی ہے تو ان شرائط کی
پابندی لازمی ہوگی۔ نہ ہم ہرگز ان کی خلاف ورزی کر سکتے ہیں اور نہ آئندہ آنے والے
حکام۔ ہماری زیر بحث صورت اس لئے مختلف ہے کہ یہ تبادلہ آبادی نہ دونوں حکومتوں کی کسی
قرارداد کے ماتحت ہوا تھا نہ ہندوستان و پاکستان کی دونوں حکومتوں کے مابین اس معاملہ میں
کوئی معاہدہ ہوا اور نہ انفرادی طور پر یہاں سے جانے والے غیر مسلموں نے متروکہ سامان و اراضی
حکومت پاکستان سے کوئی ... ان کے متعلق کوئی معاملہ اور معاہدہ کی صورت میں بلکہ انفرادی

کی حالت میں ان کو لاوارث چھوڑ کر چلے گئے۔ اس لئے اموال منقولہ تو مال فئی ہو کر ملک بیت المال ہو گئے اور غیر منقولہ جائیداد، اراضی وغیرہ بیت المال میں شامل ہو گئی جس کا مفصل بیان باب اول کے عنوان اراضی بیت المال کے تحت میں بحوالہ کتاب الخراج ابی یوسف رشادی باب العشر والخراج میں آ چکا ہے۔ اسی میں یہ بھی بیان ہو چکا ہے کہ اراضی بیت المال میں اسلامی حکومت کو بہت سے اختیارات حاصل ہوتے ہیں۔ جن میں ایک یہ بھی ہے کہ ان کو فقراء یا مستحقین اہل حاجت میں تقسیم کر دے یا ان لوگوں کو دے دے جن کی خدمات اسلامی جہاد، تعلیم، تبلیغ وغیرہ میں مصروف ہیں۔ اب پہلے اموال منقولہ کے احکام بیان کئے جاتے ہیں اس کے بعد متروکہ اراضی کے احکام کا بیان ہوگا۔

## متروکہ اموال منقولہ کے احکام

مسئلہ (۱): غیر مسلم اموال منقولہ استعمالی سامان یا مکان، دکان کا فرنیچر وغیرہ اپنے جانے سے پہلے کسی کو فروخت کر گئے وہ اسی کی ملک خاص ہو گئی اس میں حکومت یا کسی اور شخص کو کسی قسم کے تصرف کا حق نہیں۔

مسئلہ (۲): اسی طرح جو اموال منقولہ انہوں نے اپنے جانے سے پہلے کسی کو اپنی خوشی سے ہبہ کر دیئے وہ بھی ان کا مالک ہو گیا۔ بشرطیکہ یہ ہبہ کسی ناجائز دباؤ کے ذریعہ نہ ہوا ہو۔

مسئلہ (۳): مگر دونوں میں حکومت پاکستان کو یہ حق رہے گا کہ مدعی بیع و ہبہ سے ثبوت طلب کرے اگر ثبوت شرعی نہ دے تو یہ اشیاء اس سے لے کر بیت المال میں جمع کر لے۔

مسئلہ (۴): بیع و ہبہ اسی شخص کا معتبر ہے جو اپنے جانے سے پہلے کسی کو بیع یا ہبہ شرعی قاعدہ کے موافق کر گیا ہو اور اس کا شرعی ثبوت موجود ہے۔ یہاں سے ترک وطن کر کے چلے جانے کے بعد خط و کتابت سے یا کسی دوسرے ذریعہ سے اگر بیع و شراء یا ہبہ کیا ہے تو وہ معتبر نہیں کیونکہ ترک وطن کرتے ہی وہ اموال ان کی ملک سے نکل کر مال فئی بن گئے اس کا اختیار ختم ہو چکا۔

مسئلہ (۵): جس منقولہ سامان کے کسی کو فروخت یا ہبہ کرنے کا شرعی ثبوت نہ ہو وہ سب شرعی اعتبار سے بیت المال کی ملک ہے۔ اس میں بغیر اجازت حکومت پاکستان کسی کو مالک بن بیٹھنے استعمال کرنے یا فروخت کرنے کا شرعاً حق نہیں۔

مسئلہ (۶): حکومت پاکستان ایسے اموال غریبوں، محتاجوں، یتیموں، بیواؤں اور دینی اور ملکی خدمات کرنے والوں کو دے سکتی ہے۔ اگر ایسے لوگوں نے اموال مذکورہ میں سے کوئی چیز بغیر اجازت

حکومت کے تصرف کر لیا تو ضابطہ کی رو سے وہ بھی درست نہیں لیکن اگر حق اور حیثیت سے زیادہ کا سامان نہیں ہے تو امید معافی ہے۔ (کما ذکرہ الفقہاء فی حبس المستحق من بیت حقہ ❶)۔

مسئلہ (ب) جو شخص مصارف بیت المال مندرجہ مسئلہ ۱ میں سے نہیں یا اس نے اپنے حق اور حیثیت سے زیادہ کا مال لے لیا ہے اس پر واجب ہے کہ مال خلاف حق لیا اور استعمال کیا ہے اگر وہ بعینہ موجود ہے تو حکومت کو واپس کر دے یا خود کسی غریب مستحق کو دیدے اور اگر خرچ ہو چکا ہے تو اس کی قیمت فقراء و مساکین میں تقسیم کر دے اور جب تک وہ ایسا نہ کرے گا مال غنیمت میں چوری کرنے کا مجرم ہوگا جو عام چوری سے زیادہ شدید جرم و گناہ ہے۔ احادیث صحیحہ میں اس پر شدید وعیدیں آئی ہیں۔

## متروکہ اراضی کے احکام شرعیہ

اس عنوان کے تحت ان اراضی کے احکام لکھے جائیں گے جو وقف نہیں۔ اوقاف کا حکم باب پنجم میں مستقل آئے گا۔ مسئلہ غیر مسلم تارکین وطن نے جو زمین جائیداد اپنے یہاں رہتے ہوئے فروخت یا ہبہ کر دی ہیں اور بیع و شراء یا ہبہ کے شرعی شرائط کی پوری تکمیل کر دی ہے اور اس پر شرعی ثبوت بھی شہادت اور دستاویز کے ذریعہ موجود ہے، ان لوگوں کی ملک ہوگئی جنہوں نے ان کو غیر مسلموں سے خرید لیا ہے یا بغیر کسی دباؤ کے بطور ہبہ حاصل کر کے اس پر قبضہ بھی ان کے سامنے لے لیا ہے لیکن جس بیع کی شرائط مکمل نہیں ہوئی یا جس ہبہ پر قبضہ ان کے یہاں موجود ہوتے ہوئے نہیں لیا گیا وہ شرعاً معتبر نہیں۔

باقی اراضی متروکہ جن کی بیع یا ہبہ ثابت نہیں یا مکمل نہیں وہ سب اراضی بیت المال میں داخل ہیں جن میں حکومت پاکستان کو تملیک دوسرے اختیارات کے ساتھ یہ بھی اختیار حاصل ہے کہ وہ اہل حاجت میں تقسیم کر دے۔

## متروکہ اراضی کے متعلق دونوں حکومتوں کا معاہدہ

تقسیم ہند کے ابتدائی ایام میں جب ترک وطن کا سلسلہ دونوں طرف سے طوفانی صورت میں چل رہا تھا تو پاکستان اور ہندوستان کی دونوں حکومتوں نے یہ معاہدہ کر لیا کہ جو چیزیں کوئی شخص

---

❶ ومن له حظ في بيت المال وظفر بما هو وجه له فله أن يأخذه ديانة، در مختار، قال الشامي ومن له حظ فيه كالعلماء والقضاة والمقاتلة وذراريهم والقدر الذي يجوز لهم ... وكذلك طالب العلم ... شامي باب العشر ص ۷۴ ج ۲

چھوڑ گیا ہے وہ اسی کی ملک پر رکھی جائیں اور دونوں حکومتوں نے اپنے اپنے ملک میں متروکہ املاک کی حفاظت کے لئے کسٹوڈین (امین) کے محکمے قائم کر دئیے۔ جس کے فرائض میں یہ داخل تھا کہ ہر شخص کی متروکہ شئے منقول و غیر منقول کو اپنے قبضے میں لے کر محفوظ رکھے۔ ان کو اگر کرایہ پر دے یا مزروعہ اراضی میں کاشت کرائے تو ان کی آمدنی بھی مالک کی محفوظ رکھے۔

دونوں طرف سے یہ بیانات ۸، ۱۰ جنوری ۱۹۴۹ء میں دونوں حکومتوں کے اخبارات و جرائد میں نشر ہوئے۔ اس معاہدہ کا حاصل یہ تھا کہ دونوں طرف کی متروکہ جائیدادوں کے تبادلہ کی کوئی صورت باہمی قرارداد کے ذریعہ کی جائے گی۔ شرعی اصول اراضی جن کا ذکر اس کتاب کے باب اول میں آ چکا ہے ان میں اراضی مذکورہ کے متعلق جو شرعی اختیارات حکومت پاکستان کو حاصل ہوتے تھے ان کی وسعت میں یہ صورت بھی داخل تھی کہ ایسے تبادلہ جائیداد منظور کرلے۔

## ہندوستان میں گورنمنٹ کی طرف سے معاہدہ کی خلاف ورزی

اس معاہدہ کا تقاضا یہ تھا کہ تارکین وطن کو اپنی اپنی جائیداد و اسباب کا مالک بدستور قرار دیا گیا تو ان کو یہ موقع بھی دیا جاتا کہ اگر وہ واپس آ کر اپنی جائیداد وغیرہ سے خود نفع اٹھانا چاہیں یا فروخت کرنا چاہیں تو کرسکیں۔ لیکن حکومت ہند نے معاہدہ مذکورہ کے پانچ ہی ماہ بعد جون ۱۹۴۹ء میں اس آمدورفت پر اول بذریعہ پرمٹ اور پھر باقاعدہ ویزا سسٹم کے ذریعہ پابندی لگادی جس کے نتیجہ میں مالکان اراضی اپنی ملکیت سے انتفاع حاصل کرنے پر قادر نہ رہے۔

حکومت پاکستان نے یہ صورت حال دیکھ کر پاکستان میں بھی پرمٹ اور پھر ویزا سسٹم نافذ کر دیا۔ اس عمل سے اس معاہدہ ۱۹۴۹ء پر ایک زد پڑی۔

## دوسری خلاف ورزی

اس معاہدہ کا تعلق صرف ان علاقوں سے تھا جہاں سے فرار آخری کے زمانہ میں آبادی کا بڑا حصہ چلا گیا جیسے ہندوستان میں مشرقی پنجاب، دہرہ دون وغیرہ اور پاکستان میں صوبہ پنجاب و سرحد وغیرہ جن کی تفصیلات فریقین میں طے شدہ تھی۔ جس کا حاصل یہ تھا کہ صرف ان طے شدہ علاقوں کی متروکہ اراضی وغیرہ کسٹوڈین کے قبضہ میں لی جاویں۔ دوسرے علاقوں سے اگر کوئی مسلمان پاکستان آ جائے تو اس کی وہی حیثیت ہو جو کسی دوسرے ملک میں چلے جانے کی حیثیت ہوتی ہے کہ ان کی املاک بدستور باقی اور خود انہی کے تصرف میں رہتی ہیں۔ وہ جب چاہیں خود

جو واپس لے لیا۔ اگر معاوضہ حقیقی معنی میں ہوتا تو بلا رعایت ضرورت مندی مہاجرین کے یہ تبدیلیاں اور واپسی نہ ہوتی۔

اس لئے شرعی قواعد کی رو سے مہاجرین میں یہ تقسیم اراضی حقیقی معنی کے اعتبار سے معاوضہ کی تعریف میں داخل نہیں ہو سکتی۔ بلکہ حکومت کی طرف سے عطا مستقل ہے جس کا حکومت کو اراضی بیت المال میں پورا حق ہے اور بلاشبہ مہاجرین اس کے پورے مستحق ہیں۔ لیکن ظاہر ہے کہ حکومت پاکستان نے جب اس طور پر یہ طے کر لیا کہ متروکہ اراضی مہاجرین میں تقسیم کی جائیں تو یہ ظاہر ہے کہ لاکھوں مہاجرین میں ان کی تقسیم کے لئے کوئی اصول کار اور تقسیم بنانا ناگزیر تھا۔ حکومت کو یہ بھی اختیار تھا کہ وہ مہاجرین کی چھوڑی ہوئی جائیدادوں سے قطع نظر کر کے ان کی حاجت مندی کو معیار بنا کر زیادہ حاجت مند کو زیادہ اور کم حاجت والے کو کم دیتی۔ مگر حکومت نے اپنی صوابدید پر معیار تقسیم یہ بنایا کہ مہاجرین جو اپنی جائیدادیں ہندوستان میں چھوڑ آئے ہیں ان کے تناسب سے یہاں کی زمینیں ان کو تقسیم کی جائیں۔ اسی لئے مہاجرین سے درخواستیں اور اپنی چھوڑی ہوئی جائیدادوں کی تفصیل طلب کی۔ یہ ظاہر ہے کہ لاکھوں انسانوں میں ہر مدعی کے دعوی کو بعینہ تسلیم نہیں کیا جا سکتا تھا اس لئے اس کام کے لئے حکومت کو کمیشن قائم کر کے اس کی عدالتیں جا بجا قائم کیں جو ہر مدعی سے ثبوت طلب کر کے اس کے مطابق فیصلہ کرے۔

مہاجرین کے لئے دستاویزی ثبوت پیش کرنا بھی کوئی آسان کام نہ تھا کیونکہ ہندوستانی حکومت کا رویہ مہاجرین پاکستان کے ساتھ غیر ہمدردانہ رہا ہے تو وہاں سے اپنی جائیدادوں کے کاغذات اور تحریری ثبوت منگانا ان کے بس میں نہ تھا۔ اس لئے حکومت پاکستان نے بار بار اور کئی طرح کے اقدامات بھی کئے کہ حکومت پاکستان خود اراضی متروکہ کا ریکارڈ ہند سے طلب کرے لیکن اول تو اس میں کامیابی پوری نہ ہوئی دوسرے وہاں کا ریکارڈ بھی تجربوں اور مشاہدوں سے قابل اعتماد ثابت نہ ہوا۔ اس لئے حکومت پاکستان نے ان معاملات کے فیصلوں کو ہندوستان کے دستاویزی ثبوت پر موقوف نہیں رکھا جہاں یہ ثبوت مل سکا۔ دوسری باضابطہ شہادتوں سے بھی کام لیا گیا اور حکومت کی عدالت نے دعوی کی جس قدر تصدیق کر دی وہ اس شخص کی متروکہ جائیداد قرار دی گئی۔

پھر اس کے بالمقابل جو جائیدادیں ان کو پاکستان میں دی جاتی تھیں اس میں ایک تناسب اور فیصد بحساب فیصدی قائم کیا گیا۔ مثلاً ایک سو روپیہ کے بالمقابل پچاس روپئے دیئے جائیں یہ جو کچھ کمی بیشی کی سبب حکومت کے کاغذات اور اعلانات میں اس کو معاوضہ کا نام دیا گیا اور چونکہ وہ متروکہ سے ملتا

مستقل تھی۔

لیکن جب حکومت نے اس خط مستقل کا معیار متروکہ جائیدادوں کو قرار دیا اور قانوناً یہ بتا دیا
کہ جس شخص کی جتنی جائیداد ہندوستان میں چھوڑنا ثابت ہوا اس کو اتنی ہی تناسب سے یہاں جائیداد
دی جائے گی۔ تو اب ہر شخص کے لئے یہاں کی متروکہ جائیداد اسی قدر حلال اور جائز ہوگی جو
مذکورہ معیار کے مطابق حاصل کی گئی ہو۔ جو اس کے خلاف غلط بیانی سے حاصل کی گئی وہ شرعاً اس
کے لئے حلال نہیں۔

## حاصل شدہ متروکہ جائیداد کے متعلق چند مسائل

**مسئلہ**: جس شخص نے غلط بیانی کر کے اپنی متروکہ جائیداد واقعہ کے خلاف زیادہ ثابت کی
اور حکومت سے اس کے موافق فیصلہ ہو گیا تو جس قدر زائد جائیداد کے بالمقابل یہاں جائیداد
حاصل کی ہے اس کا ناجائز ہے۔ اس گناہ کی توبہ یہ ہے کہ یا تو جس قدر زمین غلط بیانی کے نتیجہ میں
حاصل کی ہے وہ حکومت کو واپس کر دے۔ یا پھر کسی ایسے شخص کو دے دے جو کسی وجہ سے اپنے حق
پانے سے محروم رہا ہے۔ مسئلہ ایسی جائیداد جو کسی نے غلط بیانی کے ذریعہ حاصل کی ہے اگر اس کو
کسی دوسرے مسلمان نے بے خبری میں خرید لیا تو یہ اس کے لئے جائز ہے۔

## متروکہ جائیدادوں میں وراثت اور شرکت کے احکام

جبکہ یہ معلوم ہو گیا کہ حکومت پاکستان نے اراضی متروکہ کی تقسیم کا معیار ان جائیدادوں کو قرار
دیا ہے جو مہاجرین پاکستان ہندوستان میں چھوڑ آئے ہیں اس لئے وراثت و شرکت وغیرہ کے
معاملات سے متعلق مسائل ذیل حاصل ہوئے۔

**مسئلہ**: ہندوستان میں چھوڑی ہوئی جائیداد کے بالمقابل پاکستان میں کوئی جائیداد
حاصل کی گئی وہ ان سب لوگوں کا حق حسب حصص ہوگی جو ہندوستان کی متروکہ جائیداد میں کوئی حصہ
یا شرکت رکھتے تھے۔ اگرچہ پاکستان میں اس کا کلیم ان میں سے کسی ایک فرد نے صرف اپنے نام
سے لیا ہو۔ اور اسی کی وجہ سے حکومت پاکستان نے یہ جائیداد صرف اسی کے نام لکھ دی ہے۔

مثلاً ایک جائیداد جدی خاندان کے بہت سے افراد میں بحیثیت وراثت مشترک تھی پاکستان
میں یا تو سب شریک آئے نہیں یا آئے مگر سبھوں نے کلیم نہیں کیا۔ بلکہ ان میں سے صرف ایک یا دو
شخص۔ تو اس پوری جائیداد کا کلیم دیا اور معاوضہ کلیم پاکستان کی جائیداد انہی دونوں کے نام ہوگئی تو

پر حکومت پاکستان سے باضابطہ اجازت لئے بغیر کوئی مسجد تعمیر کر دی اور دوران تعمیر میں اور بعد میں حکومت کے ذمہ دار ان دیکھتے رہے منع نہیں کیا یہاں تک کہ اس میں باقاعدہ جماعت ہونے لگی تو ذمہ دار افسران کا سکوت بھی اس معاملہ میں بحکم اجازت سمجھا جائے گا اور مسجد شرعی بن جائے گی۔ اس کے بعد اس کو منہدم کرنے کا حق کسی کو نہیں رہتا۔ کیونکہ مواقع ضرورت میں مسجد بنانا خود حکومت کے فرائض میں ہے اور یہ زمین اس کا مصرف ہے۔ اس لئے جب مسجد بنا لی گئی اور جماعت ہونے لگی تو اب اس کو ہٹانے کا حق نہیں۔

**مسئلہ**: یہی حکم ان تمام زمینوں کا بھی ہے جو حکومت پاکستان کی ملکیت یعنی اراضی بیت المال ہیں خواہ وہ متروکہ جائیداد ہوں یا مسلم متروکہ زمین اور سرکاری زمینوں کے علاوہ جو زمین کسی مسلمان یا غیر مسلم مقیم پاکستان کی ملک ہیں ان پر مسجد بنانا بغیر اجازت مالک حرام ہے اور اگر اس کی صریح اجازت کے بغیر بنالی گئی ہے تو اس کو گرا کر زمین خالی کر کے واپس کرنا واجب ہے۔ پاکستان میں متروکہ زمینوں پر عام طور سے مسلمانوں نے مسجدیں بنائیں۔ [illegible] دو کا اس سے بہت سے لوگ اس مغالطہ میں مبتلا ہو گئے کہ مسجد ایسی چیز ہے کہ اس کو جس کی زمین پر بھی بنا دو مسجد ہو جائے گی اور اس کا ہٹانا جائز نہیں ہو گا یہ بالکل غلط ہے۔ جو زمین کسی شخص کی ملک خاص ہے اس پر مسجد بنانا بغیر اس کی صریح اجازت کے ہرگز جائز نہیں اور اگر کسی نے بنا لی تو بھی وہ مسجد شرعی نہیں ہوئی۔

**مسئلہ**: اگر حکومت نے کسی متروکہ زمین یا سرکاری زمین پر مسلمانوں کو نماز پڑھنے کی عارضی اجازت دی اور یہ واضح کر دیا کہ اس جگہ مستقل مسجد بنانا نہیں ہے بطور عارضی طور پر نماز پڑھنے کی اجازت ہے تو اس میں نماز باجماعت ہونے سے یہ جگہ مسجد شرعی نہ بنے گی۔ اسی طرح کسی شخص نے اپنی مملوکہ زمین میں اگر عارضی طور پر نماز باجماعت ادا کرنے کی اجازت دے دی تو اس سے بھی وہ جگہ مسجد نہیں بنتی۔ البتہ یہ ضروری ہے کہ اس کے عارضی ہونے کا مکمل ثبوت موجود ہو۔ اور بہتر یہ ہے کہ ایسے مقامات میں کتبہ لکھ کر لگا دیا جائے کہ یہ جگہ مسجد نہیں ہے تاکہ بعد میں جھگڑے پیش نہ آئیں۔

## ہندوستان میں مسلمانوں کی متروکہ اراضی کے بعض احکام

یہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے کہ اس باب میں پیش نظر ان احکام کا بیان ہے جو مسلمانان ہند، پاکستان اور حکومت پاکستان پر از روئے شرع اسلامی عائد ہوتے ہیں۔ کیونکہ ہندوستان میں

مسلمانوں کی متروکہ املاک ہندو گورنمنٹ کے قبضہ میں ہے جو احکام اسلامی کی پابند ہے نہ اس کے لئے احکام کا بیان کرنا کچھ مفید ہے لیکن کچھ احکام ایسے بھی ہیں جن کا تعلق مسلم باشندگان ہندوستان سے ہے اس لئے ان کا بیان کرنا مناسب معلوم ہوا۔

**مسئلہ**: پاکستانی مسلمان جو جائداد اور املاک ہندوستان میں چھوڑ آئے ہیں اور حکومت ہند نے ان کو ہندو تارکان وطن میں تقسیم کر کے مالکانہ حقوق دے دیئے ہیں اب اگر کوئی ہندو مالک زمین اس کو کسی مسلمان کے ہاتھ فروخت یا ہبہ کرے تو کیا مسلمان کے لئے ایسی جائیداد کی خریداری اور اس پر قبضہ جائز ہوگا؟

اس سوال کا جواب حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ کے مسلک کے مطابق یہ ہے کہ مسلمان کے لئے اس کی خریداری یا بطور ہبہ کے قبضہ جائز ہے۔ (لکون استیلاء الکفار موجبا للملک عنده کما هو معروف فی الفقه والظاهر۔ [illegible])

**مسئلہ**: اسی طرح جب مسلمانوں کی متروکہ جائیداد حکومت کی طرف سے کسی ہندو یا سکھ وغیرہ کی ملک قرار دے دی گئی تو اس جائیداد کو کرایہ لینا یا اس کی کاشت میں یا کارخانہ تجارت میں شرکت کرنا مسلمان کے لئے جائز ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

**مسئلہ**: یہ احکام ان اراضی کے متعلق ہیں جو وقف نہ ہوں۔

اوقاف کا حکم باب پنجم میں علیحدہ ذکر کیا جائے گا۔ باب چہارم تمام ہوا۔

ہوں یا مصلحت سے بہرحال اوقاف شرعیہ اس سے متاثر نہیں ہو سکتے اور نہ کسی فرد یا جماعت کے لئے یہ جائز ہے کہ اوقاف کے احکام کے خلاف ان کے بارہ میں کوئی مصلحت کرے۔

تقسیم ہندوستان و بناء پاکستان کے وقت جو معاہدہ مسلم لیگ اور کانگریس کے نمائندوں اور سکھوں کے نمائندوں کے درمیان جون ۱۹۴۷ء ہوا ہے اس میں باشندگان ملک کے مذہبی اور شہری حقوق کی حفاظت کا واضح الفاظ میں اعلان ہو چکا ہے۔

اس معاہدہ کی رو سے بھی فریقین کے اوقاف عام متروکہ اراضی سے بالکل مختلف ہیں نہ کوئی حکومت ان میں شرعی قانون اوقاف کے خلاف خود کوئی تصرف کر سکتی ہے اور نہ کسی دوسرے کو ایسا اختیار دے سکتی ہے نہ وہ کسی کو مالکانہ طور پر الاٹ کئے جا سکتے ہیں۔

اور یہ معاملہ ایسا ہے کہ اگر دونوں حکومتوں میں سے کوئی اس معاہدہ کی خلاف ورزی بھی کرے تو بھی دوسرے فریق کو اپنے ملک کے اوقاف پر ایسی جوابی کاروائی کرنے کا جواز پیدا نہیں ہوتا۔ کیونکہ ہر قوم کے اوقاف ایک حیثیت سے قومی ملک ہوتے ہیں۔ اس قوم کے جو افراد اپنے ملک کے شہری ہیں ان کے حقوق ان سے وابستہ ہیں کسی حکومت کی عہد شکنی کی وجہ سے اپنے ملک کے باشندوں کے حقوق پر دست درازی کا جواز کسی حال میں پیدا نہیں ہوتا۔

اس لئے مسلمانوں کی جو مساجد، مدارس، خانقاہیں، یتیم خانے، قبرستان وغیرہ جو اوقاف کی حیثیت سے ہندوستان میں رہ گئے وہ ہندوستان سے چلے جانے والے مسلمانوں کی ملک نہ تھے بلکہ حقیقی طور پر تو ملک خداوندی ہیں اور عملی طور پر مسلمانوں کی قومی ملکیت ہیں۔ معاہدہ کی رو سے ان میں حکومت ہند یا اس کے کسی باشندے کو شریعت اسلامی کے خلاف کوئی تصرف کرنے کا حق نہیں پہنچتا۔

اور اگر بالفرض حکومت یا اس کے شہری اپنے فرض کو پورا نہ کریں تو دوسروں کے لئے بھی حکومت کی اجازت سے اس میں کوئی خلاف شرع تصرف کرنا جائز نہیں ہو سکتا۔ اگر حکومت ایسا کوئی حق کسی کو الاٹ کرے تب بھی وہ جائز نہ ہو گا۔ کیونکہ شرعاً جو حکم ہے وہ قائم رہے گا۔

## غیر مسلموں کے اوقاف کی حفاظت

اسی طرح غیر مسلم جو اوقاف پاکستان میں چھوڑ گئے ہیں خواہ وہ مذہبی عبادت خانے ہوں یا رفاہی ادارے۔ اگرچہ شریعت اسلامی کی رو سے ان میں سے بعض اوقات تو اوقاف صحیحہ کی تعریف میں داخل ہوتے ہیں بعض نہیں ہوتے۔ مگر معاہدہ مذکورہ کی بناء پر حکومت پاکستان ان تمام اوقاف

کی حفاظت اور ان کے مصارف میں احتیاط کی ذمہ دار ہے۔ خواہ وہ شرعِ اسلامی کی رو سے اوقاف صحیح ہوں یا نہ ہوں مثلاً ان کے عبادت خانے جو کفر و شرک ہی کے مراکز ہیں۔ وہ شرعاً ان کا وقف صحیح نہیں لیکن معاہدہ صلح کی رو سے ان کی بھی حفاظت کرنا لازم ہے۔

خلفاء راشدین رض اور صحابہ کرام رض کا تعامل اسی پر شاہد ہے۔ حضرت فاروق اعظم رض نے فتح شام و بیت المقدس کے وقت عیسائیوں کا سب سے بڑا تاریخی گرجا جس کو کنیسۃ القیامہ کہا جاتا ہے۔ بدستور قائم رکھا اور آج تک مسلمانوں کی مرکزیت اس کی حفاظت و مرمت پر خرچ کرتی چلی آئی ہے۔ بلکہ حضرت فاروق اعظم رض نے تو اتنی احتیاط برتی کہ جب وہ اس کنیسہ کو دیکھنے کے لئے اس کے اندر گئے تو کنیسہ کے بڑے بڑے پادری اور ذمہ دار ساتھ تھے اتفاقاً اس کو دیکھتے دیکھتے نماز کا وقت آ گیا۔ آپ نے نماز کے لئے فوراً وہیں جانا چاہا کنیسہ کے سب ذمہ داروں اور پادریوں نے کہا کہ آپ نماز یہیں پڑھ لیں مگر فاروق اعظم رض نے اس کو پسند نہ کیا۔ اور اس پسند نہ کرنے کی ایک وجہ یہ احتیاط بھی تھی کہ اگر میں نے یہاں نماز ادا کر لی تو ممکن ہے کہ بعد میں مسلمان اس کو مسجد بنا لیں۔ اس کنیسہ کی حفاظت کے پیش نظر وہاں سے باہر آ کر کچھ فاصلے سے میدان میں نماز ادا کی۔ آج کل اس جگہ پر مسجد بنی ہوئی ہے جس کو مسجد عمری کہا جاتا ہے

شیخ زین الدین ابن نجیم نے اپنے رسالہ الکنائس المصریہ میں فاروق اعظم رض کا ایک فرمان بھی اس مضمون کا نقل کیا ہے کہ جو ملک صلحاً فتح کیا جائے، اس کے قدیم گرجے اور بت خانے وغیرہ نہ توڑے جائیں۔ البتہ نئے عبادت خانے بنانے کی اجازت نہ دی جائے گی۔ بحوالہ شرح نقایہ قہستانی لکھا ہے۔

ان الامام اذا فتح بلدۃ و شرط لهم فی الصلح تمكين من احداث الكنائس لا يمنعون منه و الاولى ان يصالحهم على ما جرى عليه عمر من عدم الاحداث ([illegible])

"امام جب کسی ملک کو صلحاً فتح کرے اور یہ شرط مان لے کہ ان کو نئے گرجے بنانے کی بھی اجازت ہوگی تو اس معاہدہ کی پابندی کی جائے گی ان کو نئے گرجے بنانے سے بھی منع نہیں کیا جائے گا مگر بہتر یہ ہے کہ مصالحت میں ایسی شرط قبول نہ کرے بلکہ اسی طرز پر صلح کرے جو حضرت فاروق اعظم رض نے اختیار کی تھی کہ نئی عبادت گاہیں بنانے کی اجازت نہ ہوگی۔"

خلاصہ یہ ہے کہ مشرکانہ طرز کی عبادات کے لئے جو عبادت خانے بنائے گئے ہیں وہ اگرچہ شرعی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

## باب ششم

# عشر و خراج کے احکام

عشر و خراج شریعت اسلام کے دو اصطلاحی لفظ ہیں۔ ان دونوں میں یہ بات مشترک ہے کہ اسلامی حکومت کی طرف سے زمینوں پر عائد کردہ ٹیکس کی حیثیت ان دونوں کی ہے۔

فرق یہ ہے کہ عشر صرف ٹیکس نہیں بلکہ اس کی ایک حیثیت عبادت کی بھی ہے اور اسی لئے اس کو زکوۃ الارض کہا جاتا ہے اور خراج خالص ٹیکس ہے جس میں عبادت کی کوئی حیثیت نہیں اسی لئے عشر ❶ مسلمانوں کی زمین کے ساتھ مخصوص ہے اور دوسرا فرق یہ ہے کہ عشر ❷ تو زمین کی پیداوار پر ہے اگر پیداوار نہ ہو تو اور اس کا سبب مالک زمین کی غفلت ہی ہو یا اس نے قابل کاشت زمین کو خالی چھوڑ دیا کاشت نہیں کی۔ اس صورت میں بھی اس پر عشر لازم نہیں ہوگا کیونکہ عشر پیداوار ہی کے ایک حصہ کا نام ہے۔

بخلاف خراج کے کہ وہ قابل کاشت زمین پر عائد ہے۔ اگر مالک نے غفلت برتی اور قابل کاشت ہونے کے باوجود اس نے کاشت نہیں کی تو خراج اس حالت میں بھی اس پر لازم ہوگا۔ مراد اس سے خراج موظف ہے یعنی جس زمین پر ایک مقررہ رقم بطور خراج کے عائد کر دی گئی ہے [illegible]

---

❶ [illegible] ... معنى العبادة والكافر ليس من أهل ... [illegible]

❷ [illegible] ... العشر ... الخراج ... [illegible]

اس صورت میں معاف نہ ہوگی، بلکہ مالک نے اپنی غفلت و کوتاہی سے زمین کو خالی چھوڑ رکھا ہے۔ خراج کی دوسری قسم جس کو خراج مقاسمہ یعنی بٹائی کہا جاتا ہے وہ اس صورت میں معاف ہو جائے گا، کیونکہ بٹائی تو پیداوار کا حصہ ہے پیداوار نہیں تو بٹائی بھی نہیں۔ (شامی ص ۳۰۷ ج ۲)

البتہ زمین کا قابل کاشت ہونا اس میں بھی شرط ہے۔ بنجر زمین جس میں کاشت کی صلاحیت نہ ہو یا پانی سے اتنی دور ہو کہ پانی زمین تک نہیں پہنچ سکتا اور بارش آتی ہوتی نہیں جس سے کوئی چیز زمین سے پیدا ہو سکے تو ایسی زمین میں خراج نہیں۔ (بدائع)

عشر اگرچہ ایک حیثیت سے زمین کی زکوٰۃ اور عبادت ہے مگر اس میں ایک حیثیت دوسری زمین کے ٹیکس کی بھی ہے اس لئے زکوٰۃ اموال اور عشر میں یہ فرق ہو گیا کہ اموال تجارت اور سونے چاندی کی زکوٰۃ عبادت خالصہ ہے اور عشر میں عبادت کی حیثیت بھی اور ٹیکس کی حیثیت بھی ہے۔

عملی طور پر عشر اور زکوٰۃ میں یہ فرق بھی ہے کہ اموال تجارت اور سونا چاندی وغیرہ اگر سال بھر رکھے رہیں ان میں کسی وجہ سے کوئی نفع نہ ہو بلکہ کوئی نقصان بھی ہو جائے مگر نقصان ہو کر مقدار نصاب سے کم نہ ہوں تو بھی زکوٰۃ ان اموال کی ادا کرنا فرض ہے۔

بخلاف عشر کے کہ زمین میں پیداوار ہوگی تو عشر لازم ہوگا پیداوار نہ ہوئی تو کچھ واجب نہیں۔ (یہ سب مسائل بدائع الصنائع اور کتاب الخراج یحییٰ بن آدم سے لئے گئے ہیں)

لفظ عشر کے اصلی معنی دسواں حصہ ہے مگر حدیث میں نبی کریم ﷺ نے جو تفصیل واجبات شرعیہ کی بیان فرمائی ہے اس میں عشری زمینوں کی بھی دو قسم قرار دی ہیں ایک میں عشر یعنی دسواں حصہ پیداوار کا ادا کرنا فرض ہوتا ہے اور دوسری میں نصف عشر یعنی بیسواں حصہ۔ لیکن فقہا کی اصطلاح میں ان دونوں قسم پر عائد ہونے والی زکوٰۃ کو عشر ہی کے عنوان سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ زمین کے واجبات دو قسم کے ہیں: عشر اور خراج۔ اور ان دونوں کے احکام میں بھی فرق ہے اور اس میں بھی یہی کہ عشر مسلمانوں پر عائد ہوتا ہے اور خراج غیر مسلموں پر اور اصول یہ ہے کہ جو وظیفہ ● عشر یا خراج کا کسی زمین پر ابتداءً عائد ہو گیا پھر وہ وظیفہ مالک بدلنے سے متبدل نہ ہوگا۔ اسی لئے اگر کسی غیر مسلم کی خراجی زمین کو کوئی مسلمان خرید لے تو اس مسلمان پر خراج ہی واجب

---

● قال في البدائع من باب العشر ولو اشترى مسلم من ذمي أرضاً خراجية فعليه الخراج ولا تنقلب عشرية لأن الأصل أن المؤنة المتعلقة بالأرض لا تتغير بتغير المالك إلا لضرورة وقولي على الذي إذا اشترى من مسلم أرض عشر ضرورة لأن الكافر ليس من أهل وجوب العشر ... المسلم ... الخراج في الجملة للضرورة فلا يتغير بتبدل المالك (بدائع صنائع ص ۵۵ ج ۲)

ہوگا۔ اس کا مقتضیٰ یہ تھا کہ اگر معاملہ برعکس ہو کر مسلمان کی عشری زمین کو کوئی غیر مسلم خریدے تو اس پر بھی عشری واجب رہے۔ لیکن چونکہ عشر میں ایک حیثیت عبادت کی ہے اور کوئی غیر مسلم عبادت شرعیہ کا اہل نہیں اس لئے جمہور کے قول کے مطابق عشری زمین جب کسی غیر مسلم کی ملک میں منتقل ہو جائے تو اس کا فریضہ عشر نہیں بلکہ خراج ہو جائے گا۔

مذکورہ تفصیلات سے معلوم ہوا کہ خاص حالات وصفات کے اعتبار سے زمینوں کی دو قسمیں ہیں کچھ عشری ہیں کچھ خراجی۔ اس باب میں اصل مقصود اسی کا بیان اور تعیین ہے کہ کونسی زمینیں عشری ہیں اور کونسی خراجی۔ عشر وخراج کے جزوی مسائل کی تفصیلات یہاں مقصود نہیں کچھ ضروری مسائل کا بیان آخر میں بطور فائدہ کر دیا جائے گا۔ انشاءاللہ تعالیٰ

## عشری اور خراجی زمینوں کی تحقیق

اس معاملہ میں اصل ضابطہ شرعی یہ ہے کہ جب کوئی ملک یا خطۂ زمین ابتداءً مسلمانوں کے قبضہ میں آئے تو اس کی چند صورتیں ہوتی ہیں جن کی تفصیل مع دلائل کے اس کتاب کے باب اول احکام الاراضی میں آچکی ہے اس تفصیل کی رو سے عشری اور خراجی زمین کا قاعدہ یہ ہے کہ:

### اراضی خراج

اگر کوئی ملک صلح کے ساتھ فتح ہوا تو اس کی زمینوں کے تمام حالات ان شرائط صلح کے مطابق ہوں گے جن پر معاہدہ صلح ہوا ہے۔ اگر اس صلح نامہ میں یہ شرط ہے کہ یہ لوگ اپنے مذہب پر رہیں گے اور اراضی بدستور انہی لوگوں کی ملکیت رہیں گی جن کی ملکیت میں اب تک تھیں تو اس صورت میں ان کی زمینوں پر خراج لگا دیا جائے گا اور یہ زمینیں ہمیشہ کے لئے خراجی ہو جائیں گی۔ کیونکہ ان کے مالک غیر مسلم ہیں، ان کی زمینوں کے لئے حکم خراج متعین ہے۔ اسی طرح اگر کوئی ملک جنگ کے ساتھ فتح ہوا مگر فتح کے بعد امام المسلمین نے اس کی زمینوں کو مجاہدین میں تقسیم نہیں کیا بلکہ اپنے اختیار سے مالکان سابق کی ملکیت بدستور قائم رکھی تو یہ زمینیں بھی سب خراجی زمینیں ہوں گی جیسے شام و عراق اور مصر کی زمینوں کے ساتھ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے یہی معاملہ فرمایا بجز خاص حصوں کے جو مسلمانوں کو دے دیئے گئے یا بیت المال کے لئے رکھے گئے۔

### اراضی عشر

اور اگر کوئی ملک صلح کے ساتھ اس طرح فتح ہوا کہ اس کے باشندے بھی مسلمان ہو گئے تو ان

کی زمینیں جو ان کی ملکیت میں رہیں گی اور ان پر عشر واجب ہوگا۔ یہ زمینیں عشری قرار دی جائیں گی۔ جیسے مدینہ طیبہ کی زمین کہ یہاں کے باشندوں نے مسلمان ہو کر رسول کریم ﷺ کو یہاں تشریف لانے کی دعوت دی اور آپ کی اطاعت قبول کی۔ اس لئے مدینہ طیبہ کی زمینیں عشری قرار پائیں۔ یا کوئی ملک جنگ کے ساتھ فتح ہوا اور امام المسلمین نے اس کی زمینیں مال غنیمت کے قاعدہ سے چار حصے مجاہدین میں تقسیم کر دیئے اور پانچواں حصہ بیت المال میں داخل کر دیا تو جو زمینیں تقسیم ہو کر مجاہدین کی ملک میں آئیں گی وہ سب عشری ہوں گی۔ جیسے خیبر کی زمینوں کو رسول کریم ﷺ نے مجاہدین میں تقسیم فرمایا اور ان پر عشر لازم کیا گیا۔

اور ایسی زمینیں جو ملک فتح ہونے کے بعد کسی کی ملک تھیں نہ قابل زراعت تھیں ان کو اسلامی امیر کی اجازت سے قابل زراعت بنایا گیا یا آبادی میں جو مکان تھا اس کو باغ یا مزروعہ زمین بنا لیا گیا تو اگر ایسا کرنے والے غیر مسلم ہیں تو ان کی یہ زمینیں بھی خراجی ہوں گی۔ اور اگر مسلمانوں نے اس زمین کو قابل کاشت بنایا ہے تو ان زمینوں کے عشری یا خراجی ہونے کا مدار امام ابو یوسفؒ کے نزدیک قرب و جوار کی زمینوں پر ہوگا۔ وہ عشری ہیں تو اس کو بھی عشری قرار دیا جائے گا اور اگر قرب و جوار کی زمینیں خراجی ہیں تو اس کو بھی خراجی سمجھا جائے گا۔ اگر قرب و جوار میں دونوں قسم کی اراضی ہوں تو پیداوار اراضی عشری ہوگی۔ اور امام محمدؒ کے نزدیک مدار اس پر ہوگا کہ جس پانی سے ان زمینوں کو سیراب کیا جاتا ہے وہ پانی عشری ہے تو زمینیں عشری کہلائیں گی اور وہ پانی خراجی ہے تو زمینیں خراجی قرار دی جائیں گی۔ در مختار نے قول ابو یوسفؒ کو معتمد قرار دیا ہے (شامی کتاب العشر ج ۲)

## خراجی یا عشری پانی کی تفصیل

بارش کا پانی اور کنویں اور قدرتی چشموں کا پانی اسی طرح بڑے دریا جو قدرتی طور سے جاری ہیں ان کو جاری کرنے میں کسی شخص کا دخل نہیں اور نہ وہ خاص کسی کی ملک ہوتے ہیں جیسے عراق میں دجلہ، فرات، مصر میں نیل دریا، ہندوستان میں گنگ و جمنا اور ہندوستان میں گنگا، سندھ اور پنجاب کے بڑے دریا ● یہ سب عشری پانی ہے۔ اور وہ نہریں جو حکومت یا کسی

● [illegible]

جماعت نے اپنی محنت اور خرچ کے ذریعہ نکالی ہیں یا عادۃً نکالنے والوں کی ملک ہوتی ہیں جیسے ان دریاؤں سے نکلنے والی نہریں، نہر ملک، نہر جیحون وغیرہ وہ چونکہ فتح اسلامی سے پہلے غیر مسلموں کی ملک تھیں اس لئے ان کا پانی خراجی پانی ہے۔ زمینوں کے عشری یا خراجی ہونے کا اصل ضابطہ یہی ہے جو اوپر لکھا گیا۔ رسول کریم ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا تعامل اس پر شاہد ہے۔ عام کتب حدیث کے علاوہ کتاب الاموال ابو عبید میں یہ روایات و آثار تفصیل سے موجود ہیں۔

البتہ بعض مواقع میں رسول کریم ﷺ کے عمل یا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اجماع کی بنا پر اس ضابطہ سے کسی قدر مختلف: متقابل صورتیں بھی عمل میں آئی ہیں ان کا بھی اسی طرح تسلیم کرنا لازم ہے۔ مثلاً مکہ مکرمہ قہراً فتح ہوا اور رسول کریم ﷺ نے اس کی زمینوں کو مجاہدین میں تقسیم نہیں کیا بلکہ سابق مالکان کو ان پر برقرار رکھا۔ تو مذکورہ ضابطہ کا تقاضا یہ تھا کہ مکہ کی زمینوں پر خراج عائد ہوتا۔ وہ ہمیشہ کے لئے خراجی قرار پاتی۔ لیکن صاحب بدائع الصنائع نے فرمایا کہ اس معاملہ میں قیاس کو اس لئے چھوڑ دیا گیا کہ رسول کریم ﷺ نے احترام حرم کی وجہ سے اس کی زمینوں پر خراج عائد نہیں فرمایا۔ اس لئے مکہ معظمہ کی زمینیں عشری ہیں۔ اسی طرح شہر بصرہ جو حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں بسایا گیا یہ ارض موات یعنی غیر آباد زمین تھی مسلمانوں نے اس کو احیا کیا اور قابل زراعت بنایا مگر اس کا محل وقوع عراق کی خراجی زمینوں سے متصل ہے اس لئے امام ابو یوسف کے قول پر ضابطہ مذکورہ کا مقتضی یہ تھا کہ اس کی زمینیں بھی خراجی قرار دی جاتیں مگر باجماع صحابہ کرام اس کی زمینوں پر عشر عائد کیا گیا اس لئے یہ ہمیشہ کے لئے عشری ہیں۔

## زمینوں کے عشری یا خراجی ہونے میں عہد رسالت و خلفاء راشدین کے کچھ فیصلے

پورے جزیرۃ العرب کی زمینوں کو رسول کریم ﷺ نے عشری قرار دیا ہے اور خلفاء راشدین اور بعد کے ملوک اسلام نے بھی اسی طرح جاری رکھا ہے۔

علامہ شامی نے بحوالہ تقویم البلدان نقل کیا ہے کہ جزیرۃ العرب میں پانچ خطے شامل ہیں تہامہ، نجد، حجاز، عروض، یمن۔ حجاز کی جنوبی جانب کا نام تہامہ ہے اس میں مدینہ طیبہ اور شام کا ساحل البحر شامل ہے اور عروض یمامہ سے بحرین تک ہے۔ یمن میں عدن بھی داخل ہے۔

بعض علماء نے جزیرۃ العرب کا طول عدن سے عراق تک اور عرض ساحل جدہ سے ملک شام

تک ایک نظم میں منضبط کیا ہے۔ (کتاب الاموال باب العشر والخراج ص ۸۵ ج ۲)

اسی طرح عراق عرب کی کل زمینیں خراجی ہیں۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے جب اس علاقہ کو فتح کیا تو تمام صحابہ کرام کے مشورہ سے ان کی زمینوں پر خراج کا حکم جاری فرمایا۔ عراق عرب کی حدود طولاً عذیب بجانب کوفہ سے عقبہ حلوان قریب بغداد تک اور عرضاً علث شرقی دجلہ سے ساحل عبادان تک ہے۔ (زیلعی، شامی)

اسی طرح اراضی مصر و شام میں بھی جن پر مالکان سابق ہی بدستور قائم رکھے گئے ان پر خراج عائد فرمایا۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نصاریٰ بنی نجران سے ایک خاص طرز کے خراج پر صلح فرمائی۔ وہ یہ کہ دو ہزار جوڑے کپڑے کے سالانہ ادا کیا کریں۔ نصف ماہ رجب میں اور نصف ماہ محرم میں۔ اور یہی طریق بعد تک جاری رہا۔ (ہدایہ ص ۵۸ ج ۲)

نصاریٰ بنی تغلب سے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اس پر مصالحت فرمائی کہ ان سے خراج کے بجائے دوگنا عشر وصول کیا جائے۔ مگر شرعی حیثیت سے یہ دوگنا عشر بھی بحکم خراج تھا اور خراج ہی کے مصارف میں صرف ہوتا تھا۔ (شامی)

یہاں تک ان فیصلوں کا اور ان سے حاصل شدہ ضابطہ فقہیہ کا بیان تھا جس کی بنیاد پر دوسرے ممالک کی زمینوں کے عشری یا خراجی ہونے کی تشخیص و تعیین کی جا سکے۔ اب اصل مقصود آتا ہے یعنی اراضی پاکستان و ہندوستان کے احکام ان کی روشنی میں دیکھنا ہے۔

## اراضی پاکستان میں عشر و خراج

(۱) غیر مسلموں کی متروکہ زمینیں جو حکومت پاکستان نے مسلم مہاجرین میں تقسیم کیں قاعدہ مذکورہ کی رو سے یہ سب زمینیں عشری ہیں۔ پاکستان بننے سے پہلے خواہ ان کی کچھ بھی حیثیت ہو۔ کیونکہ بنائے پاکستان اور دونوں حکومتوں کے معاہدہ تبادلۂ جائداد ختم ہو جانے کے بعد یہ سب اراضی بیت المال کے حکم میں داخل ہو کر حکومت کی تقسیم کے ذریعہ مسلمانوں کی ملک ابتدائی بن گئیں اور مسلمانوں کی زمینوں پر عشر ہی لگایا جانا چاہئے۔ اس لئے یہ سب زمینیں عشری ہیں۔

(۲) اسی طرح وہ زمینیں جو پاکستان قائم ہونے سے پہلے غیر آباد تھیں کسی شخص کی ملکیت میں داخل نہیں تھیں۔ انگریزی حکومت نے ان میں آب رسانی کے ذرائع مہیا کر کے لوگوں میں

مالکانہ طور پر تقسیم کیں۔ ان میں جو اراضی مسلمانوں کو بلا قیمت یا بالقیمت حاصل ہوئی وہ عشری ہیں اور جو غیر مسلموں کو حاصل ہوئیں وہ خراجی ہیں۔ اسی طرح جن زمینوں کو حکومت پاکستان نے پانی پہنچانے کے ذرائع مہیا کر کے آباد کیا اور مسلمانوں کو بقیمت یا بلا قیمت تقسیم کیا جیسے پنجاب میں تھل کا علاقہ اور سندھ میں کوٹری کا علاقہ۔ یہ سب زمینیں بھی چونکہ ابتدائی ملکیت مسلمانوں کی ہوگی اس لئے یہ بھی عشری قرار دی جائیں گی بشرطیکہ ان کی آبپاشی سندھ و پنجاب کے بڑے بڑے دریاؤں سے ہوتی ہو جو قدرتی طور پر جاری ہیں۔ کسی حکومت کے بنائے ہوئے نہیں۔ کیونکہ ایسے دریاؤں کا پانی عشری ہے (کما مر) پنجاب میں تھل کا علاقہ، سندھ میں کوٹری بیراج کا علاقہ اور راندوان سندھ کی جدید آباد کردہ سب زمینوں کا یہی حکم ہے۔

(۳) مذکورہ دو قسم کی زمینوں کے علاوہ پاکستان کی جو زمینیں غیر مسلموں کی ملک میں ہیں ان پر خراج ہونا قاعدہ کی رو سے واضح ہے اس لئے یہ تین قسم کی زمینیں ایسی ہیں جن میں سے اول دو میں عشر ہونا اور تیسری میں خراج ہونا متعین ہے۔ اس میں کسی بحث و اختلاف کی گنجائش نہیں۔

(۴) اب باقی رہیں وہ زمینیں جو پاکستان بننے سے پہلے سے مسلمانوں کی ملک ہیں۔ ان کے عشری یا خراجی ہونے کا اصل مدار اس تحقیق پر ہے کہ مثلاً ہندوستان کی اسلامی فتوحات کے وقت یہ زمین کسی مسلمان کو مالکانہ طور پر دی گئی تھی تو یہ زمینیں عشری ہوں گی۔ یا قدیم مالک زمین ہندو کو اس کی ملکیت پر برقرار رکھ کر اس پر خراج عائد کیا گیا پھر مسلمانوں نے ان سے خرید لی، یا کسی دوسری جائز صورت سے اس کی ملکیت کسی مسلمان کی طرف منتقل ہوگئی تو یہ زمین باوجود مسلمان کی ملکیت کے خراجی ہی رہیں گی۔ یا کوئی ایسی صورت ہوئی ہے کہ اول فتح کے وقت یہ زمین آباد و قابل کاشت نہیں تھی پھر کسی مسلمان نے اس کو حکومت کی اجازت سے قابل کاشت بنایا اور اس طرح وہ اس کا مالک ہوگیا تو یہ عشری ہوگی۔ یا یہ کہ کسی غیر مسلم نے آباد کیا اور وہ اس کا مالک ہوگیا اور اس پر خراج لگایا گیا پھر اس سے مسلمانوں نے خرید کر یا کسی دوسری جائز صورت سے اس کی ملکیت حاصل کی تو اس پر سابق وظیفہ خراج ہی کا جاری رہے گا۔ لیکن جزوی اور شخصی طور پر ہر زمیندار کی زمین کے متعلق اس وقت کی صحیح حیثیت آج معلوم کرنا جبکہ اسلامی فتوحات پر اس وقت کسی خطہ میں بارہ سو کسی میں سات آٹھ سو سال گزر چکے ہیں اور ان میں سینکڑوں انقلاب آئے ہیں ظاہر ہے کہ عادۃً ناممکن اور متعذر ہے۔ اتفاقی طور پر کسی خاص زمین اور اس کے مالکان کا پورا شجرہ کہیں محفوظ ہو تو وہ ایک شاذ و نادر واقعہ ہوگا جس پر دوسری زمینوں کو قیاس نہیں کیا جاسکتا۔

اس لئے بعض علماء نے اس سلسلہ میں کوئی مستقل رسالہ لکھا ہے وہ عموماً کسی خاص خطہ کے عام حالات کے پیش نظر لکھا گیا ہے۔ علاقہ سندھ کے متعلق بہت سے اکابر علماء سندھ نے اس موضوع پر کچھ مقالات یا رسالے تحریر کئے ہیں۔ اس وقت میرے پاس ان میں سے ایک قلمی رسالہ "سراج الہندی فی تحقیق خراج السندھ" مولانا ابو تی" کا ہے جن کے متعلق مزید حالات کا علم نہیں بجز اس کے کہ ان کا زمانہ حضرت مخدوم ہاشم ٹھٹھوی کے بعد کا ہے۔ اس رسالہ میں انہوں نے مخدوم عبدالواحد سیوستانی کی کتاب بیاض واحدی اور شیخ ابوالحسن سندھیؒ کی کتاب رفع الغطاء اور مخدوم محمد عارف سندھی کی بیاض اور مخدوم محمد ہاشم ٹھٹھوی کی کتاب اتحاف الاکابر کے حوالے اس مسئلہ میں دیئے ہیں اور علاقہ سندھ کے متعلق ان سبھی حضرات کا اس پر اتفاق نقل کیا ہے کہ علاقہ سندھ کی زمینیں خراجی ہیں۔ اور استدلال سب کا یہی ہے کہ اس ملک کو محمد بن قاسمؒ نے کہیں عنوۃً اور کہیں صلحاً فتح کیا ہے اور دونوں صورتوں میں مالکان زمین کی ملکیت کو برقرار رکھ کر ان پر خراج مقرر فرمایا ہے۔ رسالہ مذکورہ میں شیخ ابوالحسن سندھیؒ کے حوالے سے نقل کیا ہے۔

قد ثبت فی کتب التاریخ ان فتح السند کان فی سنة ثلاث وتسعین وکان عنوة الامردم بجنة اسلموا طوعاً علی ما صرحوا به فی التاریخ۔

"کتب تاریخ سے ثابت ہے کہ سندھ کی اسلامی فتح ۹۳ھ میں جنگ و جہاد کے ذریعہ ہوئی ہے بجز مقام چینے کے لوگوں کے جنہوں نے اول فتح کے وقت اسلام قبول کر لیا"

اسی رسالہ میں مذکورہ حوالے کے بعد لکھا ہے:

"اقرار است کہ فقہائے اسلام آنرو سے ریاب را کہ در تصرف مردان چنہ بود عشری نمی گویند"۔

نیز بیاض واحدی میں شیخ ابوالحسنؒ کے رسالہ مذکورہ کے حوالے سے نقل کیا ہے۔

وما سمعت من احد وما وجدت من کتاب ان محمد ابن قاسم وضع العشر علی ارض السند ولو وضع لنقل۔

"اور نہ میں نے کسی سے سنا اور نہ کسی کتاب میں دیکھا کہ فاتح سندھ محمد بن قاسم نے سندھ کی زمینوں پر عشر لگایا ہو۔ اور اگر وہ عشر لگاتے تو یقیناً ان کا حکم نافذ ہوتا" اور وہ معروف و مشہور [illegible]

اور مخدوم محمد عارف کی بیاض کے حوالے سے نقل کیا ہے۔

الظاهر ان ارض السند والهند خراجية وخراجها الخمس كما حققه الشيخ المحدث الدهلوي في رسالته المسماة برفع الغرية ونقل فيها عن جامع الفتاوى الناصري ان ارضنا عشرية ولكن ضعف هذا النقل۔

"ظاہر یہ ہے کہ ہند و سندھ کی زمینیں خراجی ہیں اور ان کا خراج پانچواں حصہ پیداوار کا ہے جیسا کہ محقق دہلوی (شیخ ابوالحسن سندھی) نے اپنے رسالہ "رفع الغریۃ" میں ذکر کیا ہے۔ اور اسی رسالہ میں جامع الفتاویٰ کے ناصری کے حوالے سے یہ بھی لکھا ہے کہ ہماری زمینیں (یعنی سندھ کی) عشری ہیں۔

اسی رسالہ روح الجد میں مخدوم محمد ہاشم سندھی ٹھٹھوی کی کتاب "تحفۃ الاکابر" کے حوالے سے لکھا ہے۔ لیکن مصنف رسالہ نے اس نقل کو ضعیف قرار دیا ہے۔

وذكر الحافظ السيوطي في تاريخ الخلفاء ان في سنة ثلاث وتسعين ايام خلافة الوليد بن عبد الملك فتحت ديبل ولا شك ان ديبل هو اكبر قصبات السند ومدار ديارها

"حافظ سیوطی نے تاریخ الخلفاء میں لکھا ہے کہ ۹۳ھ میں بعہد خلافت ولید بن عبدالملک سندھ کا شہر دیبل فتح ہوا ہے اور اس میں شک نہیں کہ دیبل سندھ کے بڑے قصبات میں سے ایک مرکزی شہر ہے۔"

مذکورہ تمام تحقیقات کا مدار اسی اصول پر ہے جو اوپر ذکر کیا گیا ہے کہ ملک کی اول فتح کے وقت اسلامی حکومت نے جو زمین کسی کافر کی ملکیت تسلیم کر لی وہ خراجی ہے اور جو کسی مسلمان کو دے دی وہ عشری ہے۔ اور چونکہ سندھ کے عام علاقوں کے متعلق اس کتاب کے باب ۱۰ میں آچکا ہے کہ محمد بن قاسم نے جن شہروں کو جنگ کے ذریعہ فتح کیا ان میں بھی زمینات زراعتی کی ملکیت برقرار رکھ کر ان پر خراج مقرر کر دیا اور جو شہر صلحاً فتح ہوئے ان میں تو شرائط صلح میں یہ بات داخل تھی کہ مالکان اراضی اپنی املاک پر بدستور مالک و متصرف رہیں گے ان میں کوئی تبدیلی نہ ہوگی۔ اس لئے مولانا ہاپوں اور شیخ ابوالحسن سندھی وغیرہم علماء سندھ نے اس علاقہ کی عام زمینوں کو خراجی قرار دیا ہے۔

البتہ شیخ ابوالحسن سندھی نے یہ لکھا ہے کہ ان لوگوں کا بھی پتہ نہیں ہے جو اول فتح کے وقت مسلمان

عبدالعزیز نے اپنی راجاؤں کو ان کی ریاستوں کا حاکم مقرر کر کے ان کی تمام اراضی پر ان کی ملکیت برقرار رکھی۔ اور ظاہر ہے کہ مسلمان ہونے کے بعد ان کی اراضی پر خراج نہیں لگایا جا سکتا بلکہ اب وہ سب زمینیں عشری ہوں گی۔

اس کے علاوہ اسلامی فتوحات کے بعد نئے شہر اور نئی بستیاں با جازت حکومت اسلامی مسلمانوں نے بسائیں ان کی زمینوں کے پہلے مالک خیار احموات کے اصول مذہب حنفی ب اول کی رو سے یہ مسلمان ہی ہوئے اور ان زمینوں کی آبپاشی جس پانی سے کی جاتی ہے وہ پانی بھی سندھ و پنجاب کے بڑے دریاؤں کا پانی ہے جو امام اعظمؒ کے نزدیک عشری پانی ہے۔
(کما صرح مرفی الشامیہ)

لہٰذا یہ سب زمینیں عشری ہوں گی۔ جیسے ہمارے زمانے میں حکومت پاکستان نے پنجاب میں تھل کا علاقہ، سندھ میں کوٹری بیراج کا علاقہ۔ اور اندرون سندھ و پنجاب وغیرہ میں بہت سے علاقے نئے آباد کرائے اور ان کی زمینیں مسلمانوں میں قیمتاً یا بلا قیمت تقسیم کر دیں تو ان اراضی کے اول مالک بھی مسلمان ہی ہوئے اور ان کی زمینیں بھی عشری ہی ہو سکتی ہیں۔

اس کے علاوہ ایک اور احتمال بھی ہے کہ ان اراضی کے پہلے مالک مسلمان ہی ہوں۔ وہ یہ کہ سندھ کا علاقہ پہلی صدی ہجری کے آخر میں فتح ہوا ہے جس کو اب تیرہ سو سال ہونے کے قریب ہیں اس طویل مدت میں کتنے انقلابات ان زمینوں پر آئے ہیں۔ کتنی بستیاں بسیں اور اجڑی ہیں ان زمینوں پر کتنے زمانے تک مختلف ہاتھوں کا قبضہ اور تصرف رہا اور کتنے زمانے لاوارث پڑی رہیں ان زمینوں کا حقیقی علم تو اسی ذات کے پاس ہے جو ان سب کا خالق و مالک ہے۔ مگر تاریخ پر نظر رکھنے والوں کے سامنے بھی بہت سے واقعات آ جاتے ہیں ان میں یہ بات کوئی بعید از قیاس نہیں کہ محمد بن قاسم کی فتوحات کے وقت جو زمین ہندو مالکان کے قبضہ میں بدستور رکھی گئی تھیں اور ان پر خراج عائد کیا گیا تھا کچھ عرصے کے بعد یہ زمینیں غیر آباد یا لاوارث ہو کر پھر بیت المال کے قبضہ میں آ گئی ہوں اور متولی بیت المال نے پھر اپنی صوابدید پر یہ زمینیں کسی مسلمان کو مالکانہ حیثیت سے دی ہوں۔ اسی طرح ان زمینوں پر مسلمانوں کی یہ ملکیت اگرچہ اول فتح سے بہت زمانہ بعد ہوئی ہے مگر زمین کے غیر آباد ہو جانے یا لاوارث رہ جانے کے سبب سے اول یہ زمینیں بیت المال میں منتقل ہوئیں پھر بیت المال کی طرف سے از سر نو مسلمانوں کو دی گئی تو ابتدائی ملکیت مسلمانوں ہی کی قرار پائیں گی اور عشری قرار دی جائیں گی۔

خلاصہ یہ ہے کہ جو زمینیں سندھ، پنجاب یا ہندوستان کے کسی دوسرے علاقہ میں مسلمانوں کے اندر نسلاً بعد نسل متوارث چلی آ رہی ہیں اور کسی غیر مسلم مالک سے ان کے خریدنے کا کوئی ثبوت موجود نہیں ہے تو بطور استصحاب حال کے ان زمینوں کا پہلا مالک مسلمانوں ہی کو سمجھا جائے گا۔ اگرچہ اس علاقہ کی عام زمینوں پر غیر مسلم مالکان سابق کی ملکیت برقرار رکھنا اول فتح میں معروف و مشہور ہو۔ کیونکہ ایسے علاقوں میں بھی مسلمانوں کو پہلا مالک زمین بن جانا ان چند صورتوں کے ذریعہ ممکن ہے جو ابھی بیان کی گئی ہیں محض اس بنا پر کہ اس خطہ کی عام زمینیں ہندو مالکان کی ملکیت ہیں۔ کسی مسلمان کی مملوکہ زمین کو ملکیت کو مشتبہ نہیں کہا جا سکتا۔

حضرت شاہ جلال تھانیسری کا رسالہ احکام الاراضی جس کا ذکر اس کتاب کے باب اول میں تفصیل کے ساتھ آیا ہے اور اس کے مضامین کی پوری تلخیص بھی اس کتاب میں لے لی گئی ہے۔ اس رسالہ کا اصل موضوع ہی یہ ہے کہ جس خطہ میں جو زمینیں مسلمان زمینداروں کے مالکانہ قبضہ میں نسلاً بعد نسل چلی آئی ہیں ان کی ملکیت کو صرف اس بنیاد پر مشتبہ نہیں کہا جا سکتا کہ اس علاقہ کی ابتداء فتح کے وقت غیر مسلم، مالکان اراضی کا قبضہ مالکانہ بدستور قائم رکھا گیا تھا۔ پھر مسلمان اس کے ابتدائی مالک کیسے بن گئے۔ جیسا اس کی تفصیل کے ساتھ ابھی گذر چکی ہے کہ اس میں منجملہ بہت سے احتمالات کے ایک یہ احتمال بھی ہے کہ کسی خطہ کی زمینیں غیر آباد اور لاوارث رہ گئیں اس لئے وہ ملک بیت المال میں داخل ہو گئی پھر بیت المال کی طرف سے عطاء جاگیر کے طور پر قیمتاً فروخت کے ذریعہ اس کا پہلا مالک کوئی مسلمان بنا ہو۔

## حضرت حکیم الامت تھانوی کی تحقیق دربارہ اراضی ہند و سندھ

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہ کے فتاویٰ معروف امداد الفتاویٰ میں اراضی ہند و سندھ متعلقہ انگریز گورنمنٹ کے متعلق دو سوال و جواب درج ہیں ان کو بعینہٖ نقل کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے۔

سوال: ۸۹... عشری زمین کے متعلق جو کچھ حضور کی تحقیق ہو مفصل تحریر فرمائی جائے۔

الجواب: ..... حاصل مقام کا یہ ہے کہ جو زمینیں اس وقت مسلمانوں کی ملک میں ہیں اور ان کے پاس مسلمانوں ہی سے پہنچی ہیں ارثاً و شراءً و علم جزماً۔ وہ زمینیں عشری ہیں اور درمیان میں کوئی کافر مالک ہو گیا تھا وہ عشری نہ رہی۔ اور جس کا حال کچھ معلوم نہ ہو اور اس وقت مسلمانوں کے پاس ہے یہی سمجھا جائے گا کہ مسلمان ہی سے حاصل ہوئی ہے بوجہ استصحاب حال کے وہ

ملکیت میں چلی آتی ہیں اور کسی دور میں ان پر کسی کافر کی ملکیت ثابت نہیں وہ بظاہر حسب حال کے ابتداء ہی سے مسلمانوں کی ملکیت قرار دے کر عشری بھی جائیں گی۔ اور جن پر کسی وقت غیر مسلموں کا مالکانہ قبضہ تھا پھر ان سے خرید کر یا کسی دوسرے جائز ذریعہ سے مسلمانوں کی ملک میں آگئی تو وہ خراجی قرار پائیں گی۔

## ہندوستان کے دارالحرب ہونے کی بنا پر ایک اشتباہ اور اس کا جواب

۱۸۵۷ء کے بعد ہندوستان پر انگریزوں کے مکمل تسلط اور اسلامی حکومت کے آثار کا لعدم ہو جانے کے بعد ہندوستان کا دارالحرب ہونا جمہور علماء ہند کے نزدیک محقق ہو چکا تھا۔ فقیہ العصر حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی قدس اللہ سرہ کا مستقل رسالہ اس موضوع پر شائع ہو چکا ہے اور ظاہر ہے کہ تقسیم ملک کے بعد جو انقلاب آیا اس میں بھی وہ حصہ جو ہندو اکثریت کے اقتدار میں رہا اس کے احکام انگریزی عہد سے کچھ مختلف نہیں ہو سکتے۔ اس لئے موجودہ ہندوستان کا دارالحرب ہونا واضح ہے۔

اس پر زمینوں کے عشری اور خراجی ہونے کے معاملہ میں ایک اشتباہ فقہاء کی بعض روایات سے پیدا ہوتا ہے وہ یہ کہ دارالحرب کی زمینیں نہ عشری ہیں نہ خراجی۔

یہ مضمون علامہ ابن عابدین شامی نے درمختار باب الرکاز میں خمس معادن کے وجوب کی شرط کی ارض خراجیہ او عشریہ کے تحت بالفاظ ذیل لکھا ہے۔

ویحتمل ان یکون احترازا عما وجد فی دارالحرب فان ارضھا لیست ارض خراج او عشر۔ (شامی باب الرکاز ص ۵۹ ج ۲)

"یہ بھی احتمال ہے کہ ارض خراجیہ و عشریہ کی قید اس زمین سے احتراز کے لئے ہو جو دارالحرب میں ہو۔ کیونکہ دارالحرب کی زمین خراجی ہے نہ عشری۔"

اسی طرح شمس الائمہ سرخسی نے امام محمد کی کتاب سیر کبیر کی شرح میں ایک مسئلہ کی توضیح کرتے ہوئے فرمایا ہے۔

لان العشر والخراج انما یجب فی اراضی المسلمین وھذہ اراضی اھل الحرب لیست بعشریۃ ولا خراجیۃ۔ (شرح سیر ص ۲۰۳ ج ۴)

"کیونکہ عشر و خراج تو مسلمانوں کی زمینوں پر عائد ہوتا ہے اور یہ زمینیں اہل حرب (کفار) کی ہیں"

میں عشر کی بھی نفی موجود ہے تو خراج کی نفی سے عشر کا اثبات ان روایات فقہاء سے کس طرح ثابت کیا جا سکتا ہے۔

اور اصل بات یہ ہے کہ خود یہ مسئلہ غور طلب ہے کہ اراضی دار الحرب کے عشری اور خراجی دونوں کے خارج ہونے کا مطلب کیا ہے۔ غور کرنے پر شرح سیر کی عبارت سے حقیقت بالکل واضح ہو جاتی ہے۔ وہ یہ کہ دار الحرب سے اس جگہ وہ دار الحرب مراد ہے جو اصل سے دار الحرب ہے۔ اس پر نہ کسی وقت مسلمانوں کی حکومت رہی نہ وہاں مسلمانوں کے باقاعدہ بسنے اور زمینیں خریدنے کا کوئی تصور ہے ایسے دار الحرب کی زمینیں ظاہر ہے کہ مسلمانوں کی ملک نہیں ہوں گی بلکہ کفار اہل حرب کی ملکیت ہوں گی● جو احکام شرعیہ فرعیہ کے مخاطب نہیں اس لئے ایسے دار الحرب کی زمینیں نہ عشری ہیں نہ خراجی۔

شرح سیر کی عبارت اس مضمون کے لئے بالکل واضح ہے اور اس کے الفاظ ذیل پر پھر نظر کی جائے۔

لان العشر والخراج انما یجب فی اراضی المسلمین وھذہ اراضی اھل الحرب۔

"کیونکہ عشر و خراج مسلمانوں کی زمین پر واجب ہوتا ہے اور یہ زمینیں اہل حرب کی ملکیت ہیں۔"

اس عبارت میں اراضی المسلمین سے مراد وہ اراضی ہیں جو اسلامی حکومت واقتدار میں داخل ہیں خواہ ملکیت کسی غیر مسلم کی ہو کیونکہ یہ بات اپنی جگہ متحقق ہے کہ خراج ابتداء کسی مسلمان کی ملکیت پر نہیں لگایا جا سکتا۔ اس لئے اس جگہ اراضی المسلمین سے اراضی حکومت مسلمہ مراد ہونا واضح ہے۔

لیکن یہ ظاہر ہے کہ یہ حکم ایسے ہی خطہ ملک کے لئے ہو سکتا ہے جہاں ابتداء سے مسلمانوں کی کوئی ملکیت نہیں ہے ہندوستان کا معاملہ اس سے بالکل مختلف ہے وہ تقریباً آٹھ سو برس دار الاسلام رہا ہے۔ یہاں لاکھوں مسلمان اپنی اپنی زمینوں کے آج تک مالک چلے آتے ہیں۔ غیر مسلم اقتدار کے وقت اگرچہ ملک کو دار الحرب کہا جائے گا لیکن یہ دار الحرب اصلی

---

● یہاں شبہ ہو سکتا ہے کہ [illegible] [illegible] [illegible]
[illegible]
[illegible]

امداد الفتاویٰ جواب ص ۲۸۳ ج ۲ مطبوعہ دیوبند

اس فتویٰ میں دارالحرب سے متعلق مجمل کلام جو ذکر کیا گیا مراد اس کی بنا ظاہراً یہی معلوم ہوتی ہے کہ یہ ملک اصل سے دارالحرب نہیں تھا بلکہ زمانے کے بعد بن گیا ہے تو اس کے احکام اصل دارالحرب کے احکام سے کچھ مختلف ہوں گے

خلاصہ یہ ہے کہ جس ملک میں مسلمانوں کی اپنی ملکیت میں زمینیں موجود ہوں ان پر احکام شرعیہ ضروری عائد ہوں گے اگر چہ اپنی بداعمالیوں کے نتیجے میں وہ ملک اسلامی اقتدار سے نکل کر دارالحرب بن گیا ہو۔ اس لئے صحیح صورت حال ہندوستان کی زمینوں کی وہی ہے جو امداد الفتاویٰ وغیرہ کے حوالے سے پہلے بیان ہو چکی ہے کہ جن زمینوں کے مالک مسلمان نسلاً بعد نسل چلے آتے ہیں اور کسی زمانے میں ان پر کسی کافر کی ملکیت کا ثبوت نہیں وہ ابتداء ہی سے مسلمانوں کی جائز ملکیت قرار دے کر عشری سمجھی جائیں گی اور جن زمینوں پر کسی کافر کی کسی زمانے میں ملکیت ثابت ہے اور پھر اس سے منتقل ہو کر مسلمان کے قبضہ میں آئی ہے وہ خراجی قرار پائے گی۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

اس رسالہ اراضی کے اصل موضوع سے متعلق تو صرف اتنی ہی بحث و تحقیق تھی کہ کونسی زمین عشری ہے کونسی خراجی۔ عشر وخراج کے مفصل احکام اس کتاب کے موضوع سے خارج ہیں۔ لیکن چونکہ عام طور پر مسلمان ان مسائل سے واقف نہیں اور ان کا بیان بھی عام اردو کتابوں میں موجود نہیں۔ اس لئے مناسب معلوم ہوا کہ اس جگہ عشر وخراج کے ضروری احکام لکھ دیئے جائیں۔ اور چونکہ مسلمانوں کی زمین کا اصل وظیفہ عشری ہے اس لئے عشر کے احکام پہلے لکھے جائیں اس کے بعد خراج کے احکام ذکر کئے جائیں گے۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

## عشر کے احکام و مسائل

عشر زمین کی زکوٰۃ ہے۔ جیسے سونے چاندی، مال تجارت، مویشی وغیرہ پر زکوٰۃ فرض ہے جس طرح سونے چاندی، و مال تجارت پر چالیسواں حصہ بطور زکوٰۃ نکالنا فرض ہے اور مویشی کا جداگانہ قانون ہے اسی طرح زکوٰۃ الارض کا قانون ان سب سے مختلف ہے۔ بعض صورتوں میں پیداوار کا عشر یعنی دسواں حصہ واجب ہوتا ہے بعض میں نصف عشر یعنی بیسواں حصہ مگر ان دونوں کو عرف فقہاء میں بغرض سہولت عشر ہی سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اس کی تفصیل آگے بیان کی جائے گی۔

زکوٰۃ الارض میں ایک قسم خمس یعنی پانچواں حصہ بھی ہے جو قدرتی معدن اور کانوں کی پیداوار سے متعلق ہے یا کوئی قدیم زمانہ جاہلیت کا مدفون خزانہ ہو تو اس کا بھی خمس یعنی پانچواں حصہ بیت المال کو ادا کرنا فرض ہوتا ہے۔ مگر اس جگہ زکوٰۃ الارض کی سب تمام قسموں اور ان کی تفصیلات بیان کرنا مقصود نہیں بصرف عشر و خراج کے احکام و مسائل ضمناً لکھے جاتے ہیں۔

## وجوب عشر کی شرائط

پہلی شرط: مسلمان ہونا ہے۔ کیونکہ عشر میں ایک حیثیت عبادت کی بھی ہے اور کافر عبادت کا اہل نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اگر کسی مسلمان کی عشری زمین کوئی کافر خریدے تو اس زمین پر بجائے عشر کے خراج عائد ہوتا ہے۔ کیونکہ عشر ایک اسلامی عبادت ہے کافر اس کا اہل نہیں۔ اس لئے مجبوری اس زمین کا وظیفہ بدلا گیا ورنہ اصل قاعدہ یہ ہے کہ وظیفہ اس زمین کا عشری رہے گا (ہدایہ)

دوسری شرط: زمین کا عشری ہونا ہے۔ خراجی زمین پر عشر واجب نہیں ہوتا۔ کیونکہ حدیث میں رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ ایک زمین پر دو وظیفے عشر اور خراج کے جمع نہیں ہو سکتے۔ (ہدایہ وغیرہ)

تیسری شرط: زمین سے پیداوار کا حاصل ہونا ہے اگر کسی وجہ سے پیداوار نہ ہو خواہ کسی تقدیری سبب سے یا اس کی کوتاہی اور غفلت سے کہ زراعت ہی نہیں کی یا اس کی خبر گیری اور حفاظت نہیں کی۔ بہر صورت عشر ساقط ہو جائے گا۔

چوتھی شرط: یہ ہے کہ پیداوار کوئی ایسی چیز ہو جس کو اگانے اور پیدا کرنے کا رواج ہو۔ عادۃً اس کی کاشت کر کے نفع اٹھایا جاتا ہو۔ خود رو گھاس یا بیکار قسم کے خود رو درخت اگر کسی زمین میں ہو جائیں تو ان میں عشر نہیں۔ گھاس اور بانس کو اگر آمدنی کی غرض سے اگایا گیا ہو تو ان میں بھی عشر ہے اور ویسے ہی کوئی درخت اگ گیا ہے تو نہیں۔ (ہدایہ)

## عقل اور بلوغ شرط نہیں

عبادات شرعیہ میں عاقل و بالغ ہونا بھی شرط ہے مگر زمین پر عشر کے وجوب میں یہ دونوں شرطیں نہیں۔ زمین کا مالک اگر بچہ یا مجنون ہو مگر زمین سے پیداوار حاصل ہوتی ہے تو اس پر عشر واجب ہوگا۔ ان دونوں کے اولیاء پر اس کا ادا کرنا فرض ہوگا۔ بخلاف زکوٰۃ کے کہ بچے اور مجنون کے مال پر واجب نہیں ہوتی۔ (ہدایہ)

اسی صورت ملکیت زمین کی بھی ہے جو بیت المال کے لئے خریدی گئی۔ نیز ان اراضی وقف جن کا کوئی مالک نہیں ہوتا ان پر بھی عشر لازم ہے۔ نیز جس شخص کی زمین اپنی نہیں، کسی سے بطور عاریت کے لی ہے یا اجارہ اور کرایہ پر لے لی ہے اور اس میں زراعت کرتا ہے تو پیداوار کا عشر اسی شخص کے ذمہ ہے جو پیداوار حاصل کرتا ہے مالک زمین کے ذمہ نہیں۔

**مسئلہ:** اس سے معلوم ہوا کہ اگر کسی شخص نے اپنی زمین کو نقد روپیہ کے عوض کرایہ یا مقاطعہ پر دے دیا تو اس کی پیداوار کا عشر بقول مفتی بہ مالک زمین کے ذمہ نہیں بلکہ مقاطعہ دار کے ذمہ ہے جو زمین کو کاشت کر کے پیداوار حاصل کرتا ہے۔

سوال ۸۸: زید کی زمین کا عمرو سے معاملہ یکمشت سالانہ روپیہ دے کر زراعت کرتا ہے باقی غلہ آپ لے لیتا ہے اور زید اس غلہ سے کچھ نہیں لیتا بلکہ روپیہ لیتا ہے تو اب اس غلہ کی زکوٰۃ کس طرح دے۔

الجواب: في الدر المختار والعشر على المؤجر كخراج موظف وقالا على المستأجر كمستعير مسلم وفي الحاوي وبقولهما نأخذ قلت ولكن أفتى بقول الإمام جماعة من المتأخرين الى ان قال لكن في زماننا عامة الاوقاف من القرى والمزارع يرضى المستأجر بتحمل غراماتها ومؤنها ويدفع شيئا يسيرا أجرة بدون أجر المثل بحيث لا تفي الأجرة ولا أضعافها بالعشر أو خراج المقاسمة فلا ينبغي العدول عن الإفتاء بقولهما في ذلك لأنهم في زماننا يقدرون أجر المثل بناء على أن الأجرة سالمة لجهة الوقف ولا شيء عليه من عشر وغيره أما لو اعتبر دفع العشر من جهة الوقف وأن المستأجر ليس عليه من عشر وغيره أما لو اعتبر دفع العشر من جهة الوقف وأن المستأجر ليس عليه سوى الأجرة فإن أجرة المثل تزيد أضعافا كثيرة كما لا يخفى فإن أمكن أخذ الأجرة كاملة يفتى بقول الإمام وإلا فبقولهما لما يلزم عليه من الضرر الواضح الذي لا يقول به أحد. والله تعالى أعلم

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ اگر مؤجر پوری اجرت لے اور مستاجر کے پاس بہت کم بچے تو عشر مؤجر کے ذمہ ہے اور اگر مؤجر اجرت کم لے اور مستاجر کے پاس زیادہ بچے تو مستاجر کے ذمہ ہے چونکہ ہمارے دیار میں اجرت کم نہیں ہوتی ہے تو لیتے ہیں، جواب صاحبین المستاجر پر فتویٰ دیا

❶ [illegible] ص ۹ [illegible]

ادا نہیں ہوگا بلکہ مسلم مالکان کے ذمہ واجب ہوتا ہے کہ وہ بطور خود عشر نکالیں اور اس کے
مصرف پر خرچ کریں۔ اور یہ بعینہ ایسا ہے جیسے حکومتوں کے انکم ٹیکس ادا کرنے سے اموال تجارت
اور نقدی کی زکوٰۃ ادا نہیں ہوتی۔ غیر مسلم حکومت اگر یہ ٹیکس وصول کرتی ہے تو ظاہر واضح ہے کہ نہ وہ
زکوٰۃ اور عشر وصول کرنے کی مستحق یا اہل ہے نہ وہ اس کے مصارف میں خرچ کرنے کی پابند ہے
اس لئے اس کے ٹیکس ادا کرنے سے زکوٰۃ یا عشر ادا نہ ہوگا۔

البتہ اگر حکومت اسلامی ہے تو اس میں یہ تفصیل ہے کہ اگر حکومت مسلم لوگوں سے زکوٰۃ کے
اصول کے مطابق زکوٰۃ کہہ کر وصول کرے اور انہی کے مصارف پر خرچ کرنے کا وعدہ کرے
اسی طرح زمینوں کا عشر و خراج انہی نام سے انہی کے اصول شرعیہ کے موافق وصول کرے اور انہی
کے مصارف پر خرچ کرنے کی پابندی کا اعلان کرے تو یہ زکوٰۃ یا عشر جو حکومت مسلمہ کو دیا جائے وہ
شرعاً زکوٰۃ اور عشر میں ہی شمار ہوگا اور وہ زکوٰۃ و عشر کے فریضہ سے سبکدوش ہو جائیں گے پھر اگر
یہ حکومت اس کے مصارف پر خرچ کرنے میں کوتاہی بھی کرے تو اس کی ذمہ داری عمال حکومت پر
رہے گی۔ ارباب اموال زکوٰۃ و عشر کے فریضہ سے سبکدوش ہو جائیں گے۔

لیکن حکومت پاکستان اس وقت تک مسلمانوں سے جو انکم ٹیکس وصول کرتی ہے نہ وہ زکوٰۃ کے
اصول پر وصول کیا جاتا ہے نہ زکوٰۃ کے نام سے لیا جاتا ہے نہ زکوٰۃ کے مصارف میں صرف کرنے
کی حکومت پابندی قبول کرتی ہے۔ اسی طرح زمینوں کی جو سرکاری مالگذاری وصول کرتی ہے
حکومت اس کو بھی عشر اور خراج کے شرعی اصول کے ماتحت وصول نہیں کرتی۔ نہ عشر و خراج کہہ کر
وصول کرتی ہے نہ ان کے مصارف میں صرف کرنے کی پابندی کا کوئی اعلان حکومت کی طرف
سے ہے اس لئے حکومت مسلمہ کے انکم ٹیکس یا زمین کی سرکاری مالگذاری ادا کر دینے پر بھی زکوٰۃ
اور عشر کے فرائض سے سبکدوشی نہیں ہوتی وہ بحالہٖ باقی رہا بلکہ ارباب اموال پر لازم ہے کہ اپنی زکوٰۃ اور
عشر نکالیں اور ان کے مصارف پر بطور خود صرف کریں۔ البتہ خراج چونکہ عبادت نہیں بلکہ محض
ایک ٹیکس ہے اس لئے خراجی زمینوں کا خراج موجودہ حکومت کی سرکاری مالگذاری ادا کرنے سے
ادا ہو جاتا ہے۔ اور اگرچہ حکومت اس کا کوئی اعلان نہیں کرتی مگر مصارف خراجی پر بہت زیادہ
رقوم خرچ کرتی ہے۔ مصارف فوج میں فوج کی تنخواہیں اور فوجی مصارف سب داخل ہیں۔ اسلئے
خراجی زمینوں کے مسلمان مالک پاکستان میں جو رقم سرکاری مالگذاری میں ادا کرتے ہیں اس
میں نیت خراج کر لیں تو خراج ادا ہو جائے گا۔ مگر عشری زمینوں کا عشر ادا اس طرح نہیں ہوگا۔

سیدی حضرت حکیم الامت قدس سرہ نے امداد الفتاوی میں بھی فتوی دیا ہے جو بعینہ نقل کیا جاتا ہے۔

سوال: ۹۳ ۔ زمین عشری کی مالگذاری سرکاری ادا کرنے سے جیسے جناب مولوی قاری عبدالرحمن صاحب محدث پانی پتی اور حضرت مولانا شیخ محمد صاحب تھانوی کی تحقیق تھی عشر ادا ہو جاتا ہے یا نہیں۔ معاملہ احتیاط تو ظاہر ہے کہ مستحقین کو علیحدہ دے۔ مگر قول مضبوط آپ کے نزدیک کونسا ہے۔

الجواب ... ہم کو تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ اس سے ادا نہیں ہوتا جیسے انکم ٹیکس سے زکوۃ ادا نہیں ہوتی۔ باقی ان حضرات کے ارشاد کا بنی معلوم نہیں (حوادث الفتاوی ص ۱۹ ج ۱)۔ سیدی واستاذی حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمن صاحب کا فتوی جو کہ فتاوی دارالعلوم حصہ عزیز الفتاوی ہو کر طبع دیوبند ص ۸۱ پر طبع ہوا ہے اس کا بھی حاصل یہی ہے۔ یہ فتوی بھی بعینہ نقل کیا جاتا ہے۔

سوال: ۶۶۹/۱۰۲ ... مولانا عبدالحی صاحب در مجموعہ فتاوی جلد دوم ص ۲۱۸ نوشتہ اند کہ ہر کہ در زمین مملوک خود بآب باراں کاشت کرد عشر غلہ بروے واجب الادا است مگر در صورتے کہ خراج زمین مذکورہ بحاکم وقت دادہ شود دراں وقت عشر ساقط است بحکم عبارت رد المحتار وغیرہا۔ لا یجتمع العشر مع الخراج انتہی ایں مسئلہ چگونہ است وقول لا یجتمع العشر مع الخراج چہ معنی دارد

الجواب معنی قول لا یجتمع العشر مع الخراج، انہ لا یؤخذ من الارض الخراجیۃ العشر ولا من العشریۃ الخراج ولکن ان اخذ من العشریۃ الخراج فھل یسقط العشر فھو محل تامل۔ پس ظاہر آں است مولانا عبدالحی صاحب مرحوم حکم زمین خراجی نوشتہ اند کہ اگر از زمین خراجی حکام خراج گرفتند ادائے عشر لازم نخواہد شد لیکن اگر از زمین عشری خراج گرفتہ شد ظاہر آنست کہ دریں صورت مالک ادائے عشر لازم است واللہ اعلم کتبہ عزیز الرحمن عفی عنہ

سوال: ۱۰۱/۳۳۳ اگر بجائے از مالیاں خراج گیرا باشد دریں صورت عشر ساقط شود یا نے

الجواب: ... احتیاط ایں است کہ عشر دادہ شود

علامہ ہاشم سندھی نے اپنے رسالہ "سرایت السعد فی خراج السندھ" میں تحریر فرمایا ہے، لیکن جائیکہ سبب خراج ادا نموده آید اولالازم است کہ در مصارف خراج کہ در کتب فقہ تعین مستعد صرف نمایند مقدار انداز عہدہ آں بیروں آید درقیامت ما خوذ گردد وانا آنچہ حکام نصاری کہ میگیرند در

جریب ساٹھ مربع گز کو کہا جاتا ہے جو ہمارے ملک کے مروجہ بیگہ کے قریب ہے حضرت فاروق اعظمؓ نے عراق کی ان سب زمینوں پر جن میں پانی پہنچتا ہے اور قابل کاشت ہیں خراج موظف اس تفصیل کے ساتھ مقرر فرمایا کہ عام زمینوں پر فی جریب ایک درہم نقد اور ایک صاع یعنی ساڑھے تین سیر گندم یا جو یا جو چیز اس زمین میں بوئی جائے اور ترکاری کی ایک جریب پر پانچ درہم اور انگور یا کھجور کا باغ جو متصل درختوں پر مشتمل ہو تو فی جریب دس درہم (عینی ج ۲ ص ۵۴۲) ایک درہم ساڑھے تین ماشہ چاندی کا ہوتا ہے اس حساب سے دس درہم پینتیس ماشہ کے ہوئے جو ایک ماشہ کم تین تولے چاندی ہوتی ہے جس کی قیمت آج کل کے نرخ کے اعتبار سے تقریباً چھ روپے بنتی ہے۔

حضرت فاروق اعظمؓ نے ان زمینوں پر عام پیداوار کا جائزہ لے کر مذکور الصدر چیزوں کا خراج متعین فرمایا۔

ان کے سوا دوسرے پھلوں کے باغات اور دوسری مختلف قابل کاشت چیزیں جن کا خراج حضرت فاروق اعظمؓ نے متعین نہیں فرمایا ان کے متعلق فقہاء نے فرمایا کہ زمین کے پیداوار کی برداشت کے مطابق خراج لگایا جائے جو خمس پیداوار سے کم نہ ہو اور نصف سے زائد نہ ہو۔ اگر اندازہ لگانے کے بعد تجربہ سے ثابت ہو کہ پیداوار اتنی نہیں تو اس کے مناسب کمی کر دی جائے۔

(ہدایہ باب العشر والخراج کتاب السیر)

**مسئلہ:** ہدایہ کی مذکورہ عبارت سے خراج مقاسمہ کا بھی ایک اندازہ واضح ہو جاتا ہے کہ پیداوار کے خمس سے کم نہ ہو اور نصف سے زائد نہ ہو۔

**مسئلہ:** اگر خراجی زمین پر پانی چڑھ جائے یا کوئی آفت پہنچ جائے جس سے وہ قابل کاشت نہ رہے تو خراج معاف ہو جائے گا۔ (ہدایہ)

**مسئلہ:** البتہ زمین کے قابل کاشت ہونے کے باوجود اپنی غفلت و کاہلی سے کاشت نہ کی تو خراج موظف وصول کیا جائے گا وہ معاف نہ ہوگا مگر خراج مقاسمہ اس صورت میں بھی معاف ہو جائے گا کیونکہ مقاسمہ کا تعلق پیداوار سے ہے جب وہ نہیں تو خراج بھی نہیں۔

(ہدایہ مع فتح [illegible])

**مسئلہ:** زمین پر خراج لگ جانے کے بعد اگر مالک زمین مسلمان ہو جائے تو پھر بھی وظیفہ زمین تبدیل نہ ہوگا خراج ہی رہے گا۔ (ہدایہ)

**مسئلہ** :..... مسلمان کے لئے جائز ہے کہ کسی کافر سے خراجی زمین خریدے مگر مسلمان کے مالک ہو جانے کے بعد بھی وظیفہ زمین کا نہ بدلے گا بدستور خراج ہی رہے گا بہت سے صحابہؓ کرام سے ثابت ہے کہ انہوں نے خراجی زمینیں خریدیں اور ان کا خراج ادا کرتے رہے جس سے معلوم ہوا کہ خراجی زمین خریدنا اور اس کا خراج ادا کرنا مسلمان کے لئے بلا کراہت جائز ہے۔ (ہدایہ مع فتح ص ۳۶۵ ج ۴)

**مسئلہ** :... اگر زمین سے سال بھر میں دو یا زیادہ مرتبہ فصل پیدا کی جائے تو بھی خراج موظف ایک ہی رہے گا اس میں کوئی زیادتی نہ کی جائے گی کیونکہ خراج موظف کا تعلق پیداوار سے نہیں بلکہ زمین سے ہے بخلاف عشر کے کہ جتنی مرتبہ عشری زمین سے غلہ اگایا جائے گا اتنی ہی مرتبہ عشر ادا کرنا واجب ہوگا کیونکہ عشر کا تعلق پیداوار سے ہے۔ (ہدایہ مع فتح القدیر ص ۳۶۵ ج ۴)

**مسئلہ** :.... اگر خراجی زمین کسی دوسرے شخص کو اجارہ پر دے دی تو اگر یہ اجارہ بٹائی کی بنیاد پر ہے کہ مالک زمین اور مستاجر کے درمیان پیداوار کے حصے مقرر ہو کر تقسیم ہو تو خراج مقاسمہ بھی دونوں شخصوں پر اپنے اپنے حصے کے مطابق واجب ہوگا اور اگر اجارہ نقد روپیہ پر کیا گیا ہے تو قول مفتی بہ کے مطابق خراج موظف مستاجر کے ذمہ ہوگا جیسا کہ عشر کے باب میں گذرا ہے۔ (کذا فی الشامی وغیرہ)

## خراج کے مصارف

خراجی زمینوں سے جو خراج کی رقم یا غلہ وغیرہ وصول ہو اس کا مصرف عام مصالح ملک و اہل اسلام ہیں سرحدوں کی حفاظت اور فوج کے اخراجات اور عمال حکومت اور علماء و طلباء، مفتیوں اور قاضیوں کا گذارہ بقدر کفایت اس مد سے دیا جائے گا سڑکوں اور پلوں کی تعمیر و مرمت کا خرچ بھی اسی مد سے کیا جائے گا۔

کفار سے جو جزیہ وصول کیا جائے گا اور ان سے مال تجارت پر جو ٹیکس وغیرہ وصول کیا جائے وہ سب بھی اسی مد میں داخل ہوگا۔ ہدایہ میں ہے:

وما جباہ الامام من الخراج ومن اموال بنی تغلب وما اھداہ اھل الحرب الی الامام والجزیۃ یصرف فی مصالح المسلمین کسد الثغور وبناء القناطر والجسور ویعطی قضاۃ

خراج سمجھا جائے گا۔

لیکن محمد بن قاسم کی فتوحات کے بعد ہندوستان کے دوسرے علاقے جن کی فتوحات غزنوی اور غوری دورِ حکومت سے شروع ہو کر علاؤ الدین خلجی تک تمام ہوئیں ان میں اگرچہ باب دوم کی مذکورہ تحقیق سے اتنی بات ثابت ہے کہ ان تمام علاقوں کی زمینیں عموماً ان کے ہندو مالکان ہی کی ملک اور قبضہ میں باقی رکھی گئیں اور ان پر خراج عائد کیا گیا تھا۔ مگر یہ تفصیل عام طور پر مذکور نہیں کہ خراج کی کونسی قسم ان زمینوں پر عائد کی گئی تھی مقاسمہ یا موظف۔ لیکن علاؤ الدین خلجی کے عہد حکومت کی اصلاحات اور تغیرات کے ذیل میں کتب تاریخ "نزہۃ الخواطر" اور "حقیقت نما" وغیرہ میں یہ مذکور ہے کہ ان کے زمانے سے پہلے جو فوج کی تنخواہ بصورت جاگیر دینے کا دستور چل رہا تھا علاؤ الدین خلجی نے اس کو بدل کر فوج کو نقد تنخواہ دینے کا قانون جاری کر دیا۔

اور یہ تغیر بھی کر ڈالا کہ مالکانِ اراضی پر جو نقد خراج مقرر تھا اس کے بجائے بٹائی کا قاعدہ جاری کر دیا۔ اور پھر خلجی کے بعد محمد تغلق نے بھی یہی اصول جاری رکھا فیروز تغلق کے عہد میں تنخواہوں کا طریقہ پھر نقد کے بجائے جاگیروں سے جاری کر دیا گیا۔ مگر اس کی تصریح نہیں کہ خراج میں بھی کوئی تبدیلی کی یا نہیں۔ اور اس کی بحث بھی فضول ہے۔ کیونکہ شرعی حیثیت سے نہ وہ تبدیلی قابل قبول تھی جو علاؤ الدین خلجی نے کی اور نہ اس کے بعد کوئی تبدیلی اول فتح کے قانون کے خلاف کرنے کا کسی کو استحقاق تھا۔ اس کتاب کے باب دوم میں یہ واقعہ تفصیل سے گذر چکا ہے اس سے ثابت ہوا کہ ہندوستان کے علاقوں اور صوبوں میں عموماً اول فتح کے وقت سے خراج موظف (نقد) جاری تھا۔ اور خلجی نے جو اس کو مقاسمہ بٹائی کی صورت میں تبدیل کیا۔ یہ معاملہ اگر مالکان زمین کی رضامندی سے ہوا ہو تو مضائقہ نہیں ورنہ ان کو اس تبدیلی کا کوئی حق نہ تھا۔

اس سے معلوم ہوا کہ ہندوستان کے اکثر علاقوں میں زمین بھی خراج موظف ہی کا حکم رکھتی ہے۔

خراج موظف کی تفصیل اوپر بیان ہو چکی ہے کہ عام قابل کاشت زمینوں میں ایک جریب پر ایک درہم (یعنی ساڑھے تین ماشہ چاندی) اور ایک صاع گندم یا جو کا واجب ہوگا۔ ترکاری کے ایک جریب پر پانچ درہم اور باغات پر دس درہم واجب ہوں گے اور باقی اشیاء کا خراج اس انداز سے لگایا جائے کہ پیداوار کے خمس سے کم نہیں اور نصف سے بڑھے نہیں۔

جریب کے متعلق پہلے بیان ہو چکا ہے کہ ساٹھ مربع گز کا ہوتا ہے۔ ہندوستان میں بھی پیمائش کے لئے جریب کا استعمال ہوتا رہا ہے۔ شیر شاہ سوری کے عہد حکومت میں ایک جریب ۵۵

مربع گز کا سمجھا جاتا تھا۔ (آئینہ حقیقت نما)

# خلاصہ کلام

یہ ہے کہ ہندوستان کے مسلمانوں کو اپنی خراجی زمینوں کا خراج بطور خود نکال کر مصارف خراج مدارس اسلامیہ اور علماء طلباء پر صرف کرنا چاہئے اور یہ خراج موقوف ہوگا۔ جس کی تفصیل ابھی گذری ہے اور توظیف عمری کے نام سے تمام حدیث وفقہ کی کتابوں میں موجود ہے۔

اور پاکستان کے مسلمان اپنی خراجی زمینوں کا خراج حکومت پاکستان کی مالگذاری میں دے کر سبکدوش ہو سکتے ہیں۔ بشرطیکہ مقدار خراج یعنی پیداوار کا پانچواں حصہ یا سرکاری مالگذاری میں آجاتا ہو اور اگر سرکاری مالگذاری اس مقدار سے کم ہو تو بقدر کمی کے پاکستانی مسلمانوں کو بھی بطور خود باقیماندہ خراج کی ادائیگی اور مصارف خراج میں صرف کرنا ضروری ہے۔ واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

وهذا آخر ما أردت إيراده في هذا الباب وبيد الله تعالى
السداد والصواب والله بمرجع والمآب
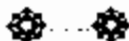
اِنَّ الْاَرْضَ لِلّٰهِ يُوْرِثُهَا مَنْ يَّشَآءُ

اسلام کا نظام اراضی

حصہ دوم

مؤلفہ

---


حضرت علامہ مفتی اعظم پاکستان مولانا محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ

صدر دار العلوم کراچی



دار الاشاعت اردو بازار ایم اے جناح روڈ کراچی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اللّٰھم مالک الملک تؤتی الملک من تشاء وتنزع الملک ممن تشاء وتعز من تشاء وتذل من تشاء بیدک الخیر انک علی کل شئ قدیر والصلوۃ والسلام علی خیر خلقہ وصفوۃ رسلہ محمد وآلہ وصحبہ اجمعین زنۃ عرشہ ومداد کلماتہ ورضا نفسہ

اما بعد۔ زیر نظر رسالہ کا موضوع ہندوستان میں اسلامی فتوحات اور ان کی خاص تفصیلات ہیں جو یہاں کی زمینوں کے متعلق ہیں۔ بظاہر یہ ایک تاریخی موضوع ہے مگر نہ میں تاریخ کا طالب علم ہوں نہ میرا یہ فن ہے اور نہ تاریخ کی حیثیت سے اس کو پیش کر رہا ہوں۔ اس لئے اس کو کوئی مستقل تاریخی کتاب نہیں بنایا بلکہ رسالہ احکام الاراضی کا دوسرا حصہ قرار دیا ہے جس کے شروع میں بتلایا گیا ہے کہ اصل مقصد اس کتاب کی تصنیف کا اراضی ہند کے احکام شرعیہ کی تحقیق ہے۔ مگر شرعی اور فقہی حیثیت سے ان احکام کو معلوم کرنا اس پر موقوف ہے کہ ان اراضی کی پوری تفصیل معلوم ہو کہ صلح سے فتح ہوئی یا جنگ سے۔ اور فتح کرنے والوں نے اول فتح میں ان کے متعلق کیا احکام نافذ کئے کس کی ملکیت قرار دی۔ کیا وظائف ان پر عائد کئے۔

ان مسائل کی تحقیق نے مجھے اسلامی دور کے پورے ہندوستان کی سیر کرائی اور اس کی فتوحات کی پوری تاریخ دیکھنے اور اس سے اپنے موضوع بحث کے متعلق حوالے اور یادداشتیں جمع کرنے پر مجبور کیا۔ ضمنی طور پر کچھ ایسے واقعات بھی لے لئے گئے جو اگرچہ اس موضوع بحث سے متعلق نہ تھے مگر کچھ مفید معلومات اور اہم نتائج لئے ہوئے تھے۔ اسی طرح یہ مجموعہ فتوح الہند تیار ہوا جس کو جداگانہ تاریخی حیثیت سے بھی طبع کیا جا سکتا ہے۔ فن تاریخ جاننے والے اگر اس میں کچھ اغلاط یا التباس محسوس فرماویں تو اصلاح فرما دیں اور احقر کو بھی مطلع فرما دیں تاکہ آئندہ طباعت میں اصلاح ہو سکے۔ واللہ ولی التوفیق وھو فی کل امر خیر رفیق

نہ کرد سامان سرخوشم نسب نقش بدیع چشم ☆ قصہ زیادہ کی زنم چہ عبارت دچہ معانیم

بندہ محمد شفیع عفی اللہ عنہ

# ہندوستان کی کچھ خصوصیات

یہ شرف تمام عالم میں صرف ہندوستان ہی کو حاصل ہے کہ خدا تعالیٰ کے سب سے پہلے پیغمبر حضرت آدم علیہ السلام اول ہندوستان میں اترے۔ وحی نبوت سب سے پہلے ہندوستان میں آئی۔ یا یوں کہئے کہ اسلام سب سے پہلے ہندوستان میں آیا۔ علامہ آزاد بلگرامی نے اسی وجہ سے مآثر ہندوستان میں ہند کی سب سے بڑی فضیلت یہی لکھی ہے۔ (سبحۃ المرجان فی آثار ہندوستان)

لیکن ہماری بحث کا تعلق اس وقت ہندوستان کے اس اسلامی دور سے ہے جس کی ابتداء خاتم الانبیاء والمرسلین حبیب رب العالمین ہمارے رسول حضرت محمد ﷺ سے ہوتی ہے۔

## ہندوستان میں اسلام

عرب بالخصوص قریش ایک تاجر قوم تھی۔ اس زمانہ کی سادگی اور آلات حمل ونقل اور رسل ورسائل کی بے مدگی کے باوجود دنیا کی مشرق ومغرب ان کے زیر قدم تھی۔ دور دراز کے ملکوں سے اموال تجارت کی درآمد و برآمد ان کا پیشہ تھا۔ اس تجارتی سلسلہ میں ان کے تعلقات ہندوستان کے ساتھ بھی بعثت نبی کریم ﷺ سے پہلے ہی قائم تھے۔ بالخصوص مالابار (لنکا) ان کا تجارتی مرکز تھا بہت سے عرب یہیں آباد ہو گئے تھے۔ تاریخ فرشتہ میں ہے۔

"پیش از ظہور اسلام طائفہ یہود ونصاریٰ برسم تجارت از راہ دریا بدان دیار (مالابار) آمد وشد می کردند وآخر الامر میان ملیباریاں وایشاں بواسطہ منافع دنیوی الفت بہم رسیدہ بعضے از بازرگانان یہود ونصاریٰ در شہر ہائے ملیبار ساکن شدہ ومنازل و بساتین ساختند۔"

مشہور فرانسیسی مورخ لیبان اپنی کتاب "تمدن عرب" میں لکھتا ہے کہ

"عربوں نے تجارتی تعلقات کو بہت بڑی وسعت اور ترقی دی وہ بہت جلد ساحل کا منڈل، مالابار، سماٹرا، جزائر بحر ہند کو طے کرتے ہوئے جنوبی چین تک پہنچ گئے۔"

## سب سے پہلے اسلام مالابار میں

عام طور پر مشہور یہ ہے کہ ہندوستان میں سب سے پہلے اسلام علاقہ سندھ میں آیا لیکن تاریخی

---

یہ مضمون ہندوستان کے مشہور بزرگ مرحوم اکبر شاہ خاں صاحب نجیب آبادی کی کتاب آئینہ حقیقت نما سے کسی قدر اضافہ وتلخیص کے ساتھ لیا گیا ہے۔ (محمد شفیع عفی عنہ)

حقیقت یہ ہے کہ اسلام ہندوستان میں سب سے پہلے مالابار، سراندیپ وغیرہ جزائر شرق الہند میں پھیلا۔ مگر یہ اشاعت جنگ و جہاد کے ساتھ نہیں ہوئی۔ بلکہ عرب تجار کی آمد و رفت کے سبب ہوئی۔ جہاد کی صورت میں اسلام کا فاتحانہ داخلہ چونکہ سندھ سے شروع ہوا اور شاید اسی سبب سے اس کو ابتدائی داخلۂ اسلام کہا گیا ہے۔

عربوں کی آمد و رفت پہلے ہی سے مالابار میں تھی۔ لہٰذا آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں لوگوں کو معلوم ہو چکا تھا۔ اس زمانہ میں مالابار کا راجہ زمورن یا ساموری کے نام سے مشہور تھا جو خاندان چیرا سے تعلق رکھتا تھا۔ اس راجہ نے معجزہ شق القمر کو دیکھ کر اس عجیب واقعہ کے متعلق تحقیق و تفتیش شروع کی اور اس واقعہ کو بطور یادداشت سرکاری روزنامچے میں درج کرایا۔ بالآخر اس کو معلوم ہوا کہ عرب کے ملک میں ایک پیغمبر پیدا ہوئے اور انہوں نے یہ معجزہ دکھایا ہے۔ یہ سن کر راجہ نے اسلام قبول کر لیا اور تخت سلطنت اپنے ولی عہد کو سپرد کر کے خود کشتی میں سوار ہو کر ملک عرب کی جانب روانہ ہوا لیکن راستہ ہی میں فوت ہو کر ساحل ملک یمن میں مدفون ہوا۔ راجہ کا یہ سفر چونکہ عام اطلاع کے بغیر پوشیدہ طور پر عمل میں آیا تھا لہٰذا لوگوں نے راجہ کے اس طرح غائب ہونے کی حقیقت کو نہ سمجھا۔

انہی ایام میں کچھ مسلمان تاجر سراندیپ آئے اور اسلام کا پیغام ساتھ لائے۔ جن عربوں نے اس جزیرہ میں تجارتی ضرورتوں کے سبب بود و باش اختیار کر لی تھی وہ لوگ مسلمان ہو گئے اور پھر بہت جلد جزیرہ میں اسلام پھیل گیا۔ حتیٰ کہ سراندیپ کا راجہ بھی مسلمان ہو گیا اور اپنے آپ کو خلافت اسلامیہ کے ساتھ وابستہ کر لیا۔ یہ بات تحقیق طلب ہے کہ سراندیپ کا راجہ خلافت راشدہ کے زمانہ میں مسلمان ہو چکا تھا یا خلافت بنو امیہ کے ابتدائی زمانہ میں مسلمان ہوا۔ بہرحال بنو امیہ کے ابتدائی زمانہ میں سراندیپ کا راجہ مسلمان تھا۔ فرشتہ کے الفاظ یہ ہیں۔

"ہر آئینہ حاکم سراندیپ پیشتر از دیاں دیگر مواضع ہندوستان بہ حقیقت اسلام مطلع
شدہ در عہد صحابہ کرام مقید قلادہ شریعت مصطفوی گردیدہ بود"

سراندیپ کے بعد ہی لکادیپ مالدیپ اور مالابار میں اسلام پھیل چکا تھا۔ مالابار میں اسلام نے اس لئے اور بھی جلد از جلد ترقی کی اسلام کی مساوات و رواداری و ذات پات کی قیود کو دور کر کے مظلوم و مغلوب لوگوں کے لئے ایک بڑی رحمت اور سامان ترقی تھی۔ مالابار کا راجہ بھی دوسری صدی ہجری کے اوائل میں چند مسلمان سیاحوں کے ہاتھ پر مشرف بہ اسلام ہو گیا۔ عجائب الہند

کی روایت کے موافق اس وقت کا راجہ چیرامن پیرومل تھا اس نے مکہ شریف پہنچ کر اسلام لانے کے بعد امور سلطنت اپنے نائبین کے سپرد کر کے حجاز مقدس کے سفر کا قصد کیا مگر بجائے توقع کے یہ بھی وہاں نہ پہنچ سکا راستہ ہی میں انتقال ہوگیا۔ آخر وقت میں اپنے رفقا کو وصیت کی مالابار میں تبلیغ اسلام کے کام کو پوری مستعدی سے وسیع پیمانہ پر جاری کیا جائے۔ ساتھ ہی اس نے اپنے نائب السلطنت کے نام بھی اسی مضمون کا ایک خط لکھ دیا جس کو شرف بن مالک اور مالک بن دینار اور مالک بن حبیب وغیرہ لے کر مالابار واپس آئے۔ نائب السلطنت نے ملک کے تمام سرداروں کو راجہ کے خط کا مضمون لکھ بھیجا جس کے سبب راجہ کی قوم کے آدمی بکثرت اسلام میں داخل ہوگئے۔ مالک بن دینار وغیرہ نے کرنگلور (کالی کٹ) میں مسجد تعمیر کی اور اس کے بعد کل مالابار کا دورہ کیا جا بجا لوگ اسلام میں داخل ہوتے اور مسجدیں تعمیر ہوتیں۔ پھر یہ حضرات دورہ کرتے ہوئے ساحل کارومنڈل تک پہنچ گئے وہاں بھی بکثرت لوگوں نے اسلام قبول کیا اور مسجدیں تعمیر ہوئیں اس کے بعد جنوبی ہند کی طرح بحر الکاہل کے جزائر جاوا، سماترا، سنگاپور، ملایا وغیرہ میں بھی اسی طرح اسلام پھیلنا شروع ہوا اور بہت جلد ان بلاد میں عام ہوگیا۔ (یہ تمام مضمون تاریخ فرشتہ سے ماخوذ ہے) الغرض محمد بن قاسم ثقفی کے حملہ اور فتح سندھ سے پہلے جنوبی ہند، سراندیپ اور مالابار وغیرہ میں اسلام پھیل چکا تھا اور تفصیل مذکور سے ظاہر ہے کہ ان بلاد میں اسلام کا داخلہ محض تبلیغی صورت میں ہوا۔ قہر و غلبہ اور جنگ و جہاد کو اس میں دخل نہ تھا۔

### جنوبی ہند اور جزائر شرق الہند کی اراضی وہاں کے باشندوں کی ملک ہیں

ان حالات میں ظاہر ہے کہ جنوبی ہند کے لوگوں کی زمینیں حسب دستور شرعی انہی کی ملک میں بدستور سابق و سالم رہیں گی۔

## فتوح السندھ

### اراضی سندھ و ملتان وغیرہ

اراضی سندھ کی کیفیت بتلانے سے پہلے یہ عرض کر دینا ضروری ہے کہ آج کل صوبہ سندھ جس مختصر سے خطۂ زمین کا نام ہے آج سے بارہ سو سال پہلے سندھ صرف اسی محدود خطہ کا نام نہ تھا بلکہ وہ ایک طویل و عریض اور وسیع ملک تھا۔ اس زمانے کے مؤرخین جس ملک کو سندھ کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔ وہ مغرب میں مکران تک، جنوب میں بحر عرب اور گجرات تک، مشرق میں

پی صد ۳۰۰۰ سوار نزد محمد بن ہارون فرستاد۔"

## تجزیہ

محمد بن قاسم ثقفی چھ ہزار کا لشکر لے کر سرحد سندھ پر پہنچا اور پھر ایک عجیب تدبیر سے کشتیوں کا پل بنا کر دریائے سندھ کو عبور کر کے راجہ داہر کی زبردست ہاتھیوں کی فوج سے مقابل ہوئے تو اسلامی دارالخلافت سے ہزاروں میل کا فاصلہ پر یہ جنگ جاری تھی اور آلات رسل ورسائل مواصلاتی جہاز، ہوائی جہاز، ریڈیو، ٹیلی فون وغیرہ جو آج کل پائے جاتے ہیں ان کا کہیں نام تک نہ تھا۔ لیکن انتظام کی خوبی یہ تھی کہ عراق کے دارالخلافہ سے محمد بن قاسم کے پاس ڈاک آتی اور اس میں جنگ کے متعلق ہدایات ہر تیسرے روز پہنچتی تھی۔ یہاں تک کہ (عروس نامی) قلعہ شکن منجنیق جو شتر سواری کے ساتھ تھا اس کو حصہ دیبل کے سب سے بڑے منارہ (قبل نامی) پر کس سمت اور کس اندازے سے ہو اس کا پورا نقشہ کھینچ کر حجاج بن یوسف نے محمد بن قاسم کو بھیجا تھا۔ ہر تیسرے روز ہندوستان کی ڈاک عراق اور عراق کی ڈاک ہندوستان پہنچ جاتی تھی۔ (فتوح البلدان بلاذری ص ۴۲۵)

یہاں مجھے فتح سندھ کی تاریخ لکھنا نہیں۔ صرف یہ بتلانا ہے کہ ہندوستان کے پہلے فاتح نے اس کے حصوں کو کس کس طرح فتح کیا اور وہاں کے سکان کی اراضی وغیرہ کے ساتھ کیا معاملہ کیا۔

## فتح دیبل

دیبل قدیم زمانہ میں ایک شہر کا نام تھا جس کا محل وقوع موجودہ شہر کراچی کے آس پاس تھا۔ کراچی شہر تو ایک جدید بستی ہے جس کی عمر دو سو سال سے زیادہ نہیں۔ مؤرخ نجیب آبادی نے "آئینہ حقیقت نما" (ص ۔۔) میں بتلایا ہے کہ دیبل اس زمانہ میں سندھ کی سب سے بڑی بندرگاہ تھی۔ اسکے وسط میں بودھوں کا ایک مندر تھا جسکو دیول کہتے تھے۔ اسی کے نام سے اس شہر کا نام دیول یا دیبل مشہور ہو گیا۔

ہند و سندھ کی تاریخ لکھنے والوں نے مختلف قیاسات اس کے محل وقوع کے متعلق قائم کئے ہیں بعض نے کہا کہ کراچی کی بندرگاہ کیماڑی سے کچھ فاصلہ پر جو پہاڑی منوڑہ کے نام سے مشہور ہے اور اس کے پہاڑ پر ایک قلعہ قدیم زمانہ کا ہے یہی مقام قدیم زمانہ میں دیبل کے نام سے مشہور تھا۔ اس کی بڑی وجہ یہ بتلائی جاتی ہے کہ اسی مقام پر قدیم زمانہ سے ایک منارہ بنایا ہوا ہے جو ہر طرف سے آنے جانے والے جہازوں کو روشنی اور رہنمائی دیتا ہے اور اسی منارہ کی وجہ سے اس

مقام کا نام تھوڑی معمولی تغیر کے ساتھ مشہور ہو گیا۔ اور قدیم تاریخیں اس پر متفق ہیں کہ محمد بن قاسم جب دیبل میں اترے تو وہاں ایک بڑا مستحکم منارہ تھا جس کو منہدم کیا گیا۔ ان علامات، قیاسات کی وجہ سے بعض حضرات نے منوڑہ ہی کو دیبل قرار دیا ہے اور بعض حضرات نے شہر ٹھٹھہ کو دیبل بتلایا ہے جو قدیم زمانہ میں سندھ کا مستحکم ترین شہر تھا۔

> علامہ حموی نے معجم البلدان میں اس کا نام اور محل وقوع اس طرح متعین کیا ہے۔ دیبل بفتح اول و سکون ثانی و ضم باء موحدہ مفتوحہ ولام۔ بحر الہند کے ساحل پر ایک مشہور شہر ہے جو اقلیم دوم میں واقع ہے اس کا طول بلد جانب مغرب سے ۹۲ درجہ ۲۰ دقیقہ اور عرض البلد جانب جنوب سے ۲۴ درجہ ۳۰ دقیقہ ہے اور یہ بتلایا ہے کہ لاہور ملتان وغیرہ کے دریا اسی کے قریب سمندر میں گرتے ہیں اور فرمایا کہ محدثین کی فہرست میں بہت سے راوی حدیث اس شہر کی طرف منسوب ہیں۔ انہی میں سے ابو جعفر محمد بن ابراہیم دیبلی ہیں جنہوں نے مکہ مکرمہ میں اقامت کر لی تھی۔ سعید بن عبدالرحمن مخزومی اور حسین بن حسن مروزی سے حدیث روایت کرتے تھے ان کے فرزند ابراہیم بن محمد دیبلی بھی راوی حدیث ہیں۔ موسیٰ ابن ہارون سے حدیث روایت کرتے ہیں۔ [معجم البلدان حموی ج ۴ ص ۴۹۵ ق ۸]

علامہ حموی نے جو دیبل کے محل وقوع کا پتہ دیا ہے کہ لاہور ملتان وغیرہ کے دریا اسی کے قریب سمندر میں گرتے ہیں۔ یہ پتہ اس مقام کا نشان دیتا ہے جو شہر کراچی سے شمال مشرق میں تقریباً ۴۵ میل پر آج بھی ڈابے جی کے نام سے معروف ہے۔ اسی نام سے یہاں ریلوے اسٹیشن ہے جو کراچی پشاور کی بڑی لائن پر واقع ہے۔

حموی کے بتلائے ہوئے محل وقوع کی تائید حال میں اس واقعہ سے ہوئی کہ ڈابے جی اسٹیشن سے چند فرلانگ کے فاصلہ پر ساحل سمندر پر ایک قدیم قلعہ کے کچھ نشانات پائے گئے تو پاکستان کے محکمہ آثار قدیمہ نے اس کی کھدائی شروع کی۔ پورا قلعہ زمین کی تہ میں دبا ہوا برآمد ہوا جس میں کھدائی کے دوران کچھ قبریں بھی پائی گئیں جن میں مردوں کے ڈھانچے سالم موجود ہیں ان ڈھانچوں کو محکمہ نے آہنی خول کے ذریعہ محفوظ کر دیا ہے۔ ان مردوں کے ڈھانچے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ باقاعدہ دفن کئے گئے ہیں۔ سب کا رخ قبلہ کی طرف ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ مسلمان شہداء ہیں جو فتح دیبل کے وقت شہید ہوئے ہیں۔ بعض لاشوں کے ساتھ قدیم

پیوست تیر کا حصہ بھی اسی طرح موجود ہے۔

اس قصر کے نیچے سندھ کی قدیم صنعت ظروف سازی کے ایک بڑے کارخانے کے نشانات بھی کھدائی میں برآمد ہوئے ہیں۔ اس کے ساتھ ایک بڑی جامع مسجد کی محراب اور بنیادیں نکلی ہیں۔ تاریخ ابن اثیر میں ذکر کیا ہے کہ جب محمد بن قاسم اپنے چند ہزار لشکر کے ساتھ دیبل میں اترے تو راجہ داہر کا بیٹا جیسیہ (جس کا نام اردو تاریخوں میں جیسیہ بتلایا گیا ہے) مقابلہ پر آیا۔ تاریخ کامل کی روایت پر تین دن اور بعض اردو مؤرخین کی روایت پر آٹھ دن مقابلہ رہا۔ بالآخر جیسیہ کا کچھ لشکر تو ہلاک ہو گیا۔ باقی ماندہ شکست کھا کر رات میں فرار ہو گیا۔ محمد بن قاسم نے چار ہزار مسلمان دیبل میں آباد کیے اور جامع مسجد تعمیر کی (کامل ابن اثیر ص ۳ ج ۴)

کامل ابن اثیر میں اس مقام پر محمد بن قاسم کا جامع مسجد بنانا بھی مذکور ہے۔ موجودہ برآمد شدہ قلعہ کے پہلو میں اس جامع مسجد کا ہونا بھی اسی مقام کو دیبل قرار دینے کا پتہ چلتا ہے۔ اس مقام کا نام ڈابے جی بھی ممکن ہے دیبل جی سے بدل کر بنا ہو۔ دیبل چونکہ بدھ مذہب کا شعار تھا اس لئے اس کے ساتھ لفظ جی کا تعظیمی لگا دینا بعید نہیں اور اس کا اصل نام دیبل جی ہونے کے بعد عوام کی زبان پر ہو کر ڈابے جی بن جانا بھی کچھ مستبعد نہیں۔ واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

فتح دیبل کے بعد جو شخص ہتھیار بند اور برسر مقابلہ تھے گرفتار کر کے محمد بن قاسم کے سامنے لائے گئے۔ عام باشندگان شہر کے لئے معافی اور امن و امان کا اعلان ہوا۔ دیبل کے جیل خانہ کا محافظ بھی گرفتار ہو کر سامنے آیا جو ایک برہمن تھا اس نے بیان دیا کہ میں قدیم زمانے سے مسلمانوں کے ساتھ اعتقاد رکھتا ہوں اور سرحد سندھ پر سب سے پہلے حملہ میں جو مسلمان قید کر لئے گئے تھے میں نے ان کو بہت آسائش کے ساتھ رکھا ہوا ہے اور آپ کے یہاں داخل ہوتے ہی ان کو آزاد کر دیا ہے۔ محمد بن قاسم نے اس کے بیان کی تحقیق تصدیق کے بعد اس برہمن کی قدر شناسی کی اور شہر دیبل کا عامل اسی کو مقرر کر کے حمید بن وداع نجدی کو اس کی ماتحتی میں دیبل کا شحنہ (پولیس افسر) مقرر کیا۔ غیر مصافی لوگ اور ان کی جو نیدا و اموال سب بالکل محفوظ رہے۔ سامان جنگ، مشاہی اموال و خزائن جو دیبل میں موجود تھے وہ فاتحین کے قبضہ میں آئے۔ ان اموال کا پانچواں حصہ حجاج کے پاس روانہ کیا گیا باقی فوج میں تقسیم ہوئے (تاریخ معصومی ص ۸۰)

اور علامہ بلاذری نے فتوح البلدان میں دیبل کی فتح قہر و غلبہ کے ساتھ بیان کرنے کے بعد لکھا ہے۔

واختط محمد للمسلمين بها وبنى مسجداً وانزلها اربعة آلاف۔ (ص ۴۳۵)

"محمد بن قاسم نے دیبل میں مسلمانوں کو جائیدادیں دیں اور جامع مسجد بنائی اور چار ہزار مسلمان یہاں آباد کئے۔"

## نتائج متعلقہ اراضی دیبل

(۱) معلوم ہوا کہ شہر دیبل عنوۃً یعنی قہر وغلبہ کے ساتھ فتح ہوا

(۲) "آئینہ حقیقت نما" کے بیان کے موافق ثابت ہوا کہ اسلامی لشکر نے فتح کرنے کے بعد صرف شاہی زمینوں اور عمارتوں اور خزانوں پر قبضہ کیا۔ عام باشندگان شہر کی جائیدادوں اور اموال پر انہی کا قبضہ بدستور برقرار رکھا۔

(۳) بلاذری کے بیان کے موافق کچھ جائیدادیں مسلمانوں کو عطا کی گئیں۔ یہ بیان "آئینہ حقیقت نما" کے بیان کے خلاف و منافی نہیں۔ کیونکہ ہو سکتا ہے کہ یہ جائیدادیں شاہی مقبوضات اور غیر مملوکہ زمینوں میں سے مسلمانوں کو دی گئی ہوں۔ بلکہ ظاہری حالات سے یہی صورت متعین ہے۔ (آئینہ ص ۷۰)

### فتح نیرون

شہر نیرون کراچی سے ستر میل کے فاصلہ پر شمال مشرق میں واقع ہے اس شہر کے حاکم نے اول ہی حجاج بن یوسف کے پاس اپنا وفد بھیج کر صلح کی درخواست منظور کرالی تھی۔ محمد بن قاسم ثقفی جب وہاں پہنچے تو انہوں نے تحائف کے ساتھ ان کا استقبال کیا اور اپنے شہر میں لے گئے۔
(کامل ابن اثیر ص ۲۵۵ ج ۴ بلاذری ص ۴۳۵)

### نتائج متعلقہ اراضی

ظاہر ہے کہ جب یہ شہر صلحاً فتح ہوا تو ان لوگوں کی سب زمینیں اور جائیدادیں انہی کی ملک سابق میں بدستور قائم رہیں صرف خراج ادا کرنا ان کے ذمہ عائد ہوا۔

### متعدد شہروں کی فتح عنوۃً و صلحاً زمینوں پر خراج

اس کے بعد محمد بن قاسم سیوستان وغیرہ متعدد شہروں کو قہر و غلبہ کے ساتھ فتح کرتے ہوئے

آگے بڑھے اور دریائے مہران ❶ سے ورے ایک نہر پر اترے تو شہر بیہق کے حکام و امراء ان کی خدمت میں حاضر ہوئے اور امن و صلح کی درخواست کی۔ محمد بن قاسم نے صلح قبول کر کے ان کی زمینوں پر خراج مقرر کر دیا۔ (بلاذری)

اس کے بعد سیوستان پہنچے (جس کو تاریخ وغیرہ میں سدوستان لکھا ہے) اس پر راجہ داہر کا بھتیجا بجھرا (بجے رائے) حکمران تھا۔ جب محمد بن قاسم نے ایک دستہ فوج کا محمد بن مصعب کی قیادت میں اس طرف بھیجا تو اس نے مقابلہ کا ارادہ کیا لیکن باشندگان شہر نے جن میں بدھ مذہب کے بڑے بڑے عالم بھی تھے اجتماع کر کے یہ کہا کہ مسلمان جس کو امن دے دیتے ہیں وہ اپنے وعدہ کو پورا کرتے ہیں ان سے لڑنا مناسب نہیں صلح امن کی درخواست کرنا چاہئے حکمران کے حاکم بجے رائے نے ان کی بات نہ مانی مقابلہ میں آ گیا۔ کئی روز تک لڑائی جاری رہی۔ ایک روز اس نے اپنا ایک جاسوس مسلمانوں کے لشکر میں بھیجا۔ ان کو نماز باجماعت پڑھتے ہوئے دیکھ کر اس نے یہ بیان دیا کہ مسلمانوں کو مغلوب کرنا بہت مشکل ہے۔ جاسوس کے اس بیان سے بجے رائے مرعوب ہو گیا۔ رات ہی کو سیوستان سے فرار ہو گیا باشندگان سیوستان نے صلح کے ساتھ شہر پر قبضہ دے دیا۔ (آئینہ حقیقت نما ص ۸۰)

ان کی زمینیں اور اموال اور جانیں سب محفوظ رکھی گئیں۔ زمینوں پر حسب قاعدہ شرعیہ خراج مقرر کر دیا گیا۔ (کامل ابن اثیر ص ۵ ج ۳۔ بلاذری ص ۴۴۵)

محمد بن مصعب سیوستان فتح کر کے محمد بن قاسم کے پاس واپس آئے تو اس علاقہ کے چار ہزار جاٹ بھی ساتھ آئے جو مسلمانوں کے معاملات و اخلاق دیکھ کر خوشی مشرف بہ اسلام ہو گئے تھے اور اب لشکر اسلامی میں شامل ہونا چاہتے تھے۔ (بلاذری ص ۴۴۵)

## فتح بدھیہ صلحاً اور زمینوں پر تقرر خراج

سیوستان کی فتح کے بعد اسلامی لشکر مقدم بدھیہ کی طرف بڑھا۔ یہاں کے حاکم کاکا نامی نے اول تو مسلمانوں پر شبخون مارنے کے لئے ایک ہزار جانوں کا لشکر منتخب کیا مگر اس میں ناکامی رہی اور یہ بدھ پرانی کتابوں کا علم بھی رکھتا تھا جن میں اس نے پڑھا تھا کہ مسلمان ہندوستان کو ضرور فتح کر لیں گے۔ اس لئے کاکا مع اپنے سرداروں کے محمد بن قاسم کی خدمت میں حاضر ہو گیا۔ محمد بن قاسم

❶ [illegible] دریا سندھ [illegible]
[illegible]

نے اس کا بڑی عزت کے ساتھ استقبال کیا اور امیر ہند کے ساتھ خطاب کیا۔ خلعت دیا اور اپنے ساتھ بطور مشیران کو رکھ لیا۔ ان کے علاقہ کو اسلامی لشکر نے کوئی نقصان نہیں پہنچایا بلکہ محمد بن قاسم نے ان کی زمینوں پر جو خراج مقرر کیا وہ بھی کاکہ کے مشورے سے عمل میں آیا۔ (آئینہ حقیقت نما ص ۸۹)

## عبور دریا اور راجہ داہر کا مقابلہ

اس وقت تک جتنے شہر فتح کئے تھے محمد بن قاسم نے چند روز شہر بیرون میں مقیم ہو کر ان کا پورا پورا انتظام کر دیا تھا۔ اور باشندگان سندھ جوق در جوق اسلام میں داخل ہونے لگے تھے۔ اب حجاج بن یوسف کا خط ان کے نام پہنچا کہ دریا کو عبور کرو اور راجہ داہر سے فیصلہ کن جنگ کر کے سراندیپ سے آئے ہوئے مسلمانان جو اس کے ہاتھ میں قید ہیں ان کو رہائی دلاؤ۔

محمد بن قاسم نے ایک عجیب انداز سے دریا پر کشتیوں کا پل باندھ دیا اور اسلامی فوج دریا عبور کر گئی اسلامی لشکر اس وقت پندرہ ہزار پر مشتمل تھا مگر راجہ داہر کی فوج میں پچیس تیس ہزار زرہ پوش سپاہی دس ہزار نیزہ بردار اور ساٹھ جنگی ہاتھی تھے۔ (ترنیہ ص ۲۵)

داہر نے اول اپنے بیٹے جیسیہ کو مقابلہ پر بھیجا وہ شکست کھا کر فرار ہوا تو پھر خود مقابلہ پر پہنچ گئی روز تک مسلسل نہایت سخت جنگ ہوتی رہی جس کے نظائر تاریخ میں کم ہیں بالآخر رمضان ۹۳ھ روز پنجشنبہ کو داہر ایک عرب کے ہاتھ سے ہلاک ہوا۔ (کامل ص ۵ ج ۴ بلاذری ص ۴۰۹)

اور گویا پورے ملک سندھ پر مسلمانوں کے قبضہ کا وقت آ گیا۔

## قلعہ راور یا روہڑی کی فتح عنوۃً

اس کے بعد اسلامی لشکر مقام راور (جس کو اب روہڑی کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے) کی طرف بڑھا۔ یہاں راجہ داہر کی بیوی مع چند سرداروں اور چھ ہزار سپاہیوں کے پناہ گزیں تھی۔ اس کو جب اسلامی لشکر کی خبر ملی تو گرفتاری کے خوف سے بچنے کو اپنے آپ کو اور اپنی سب کنیزوں کو اور تمام اموال کو خود اپنے ہاتھ سے نذر آتش کر دیا اور قلعہ راور یا روہڑی بھی عنوۃً فتح ہو گیا۔ (بلاذری ص ۴۴۳ کامل ص ۲۰۵ ج ۴)

## ساوندری اور سمند کی فتح صلحاً

روہڑی کے بعد محمد بن قاسم دریا عبور کرنے کا ارادہ          کر رہے تھے کہ اہل ساوندری نے صلح امان کی

درخواست لے کر حاضر ہو گئے۔ ان کو امان دیا گیا اور شہر سامندری ❶ صلحاً فتح ہو گیا۔ اس کے بعد مقام ہرور کی طرف بڑھے۔ یہاں کے لوگوں نے بھی صلح کے ساتھ اپنے شہر پر قبضہ دے دیا۔ ان کو بھی امان دے دیا گیا۔ (کامل ص ۲ ج ۲)

## رور بغرور کی فتح صلحاً اور زمینوں پر خراج کا تقرر

رور بغرور کے نام سے چند شہر پہاڑ پر آباد تھے۔ اسلامی لشکر نے کئی مہینے تک ان کا محاصرہ کیا بالآخر یہاں کے حکام و امراء نے بھی صلحاً یہ شہر مسلمانوں کے حوالے کر دیئے اس شرط پر کہ ان کو اور ان کے معبدوں کو کوئی نقصان نہ پہنچایا جائے۔ محمد بن قاسم نے یہ شرط قبول کر لی۔ اور ان کی زمینیں انہی کے قبضہ وملک میں باقی رکھ کر ان پر خراج مقرر کر دیا اور ایک مسجد تعمیر کی۔ (فتوح البلدان ص ۴۳۲)

## برہمن آباد کی فتح اور زمینوں پر مالکان سابق کی ملکیت برقرار

راجہ داہر کا بیٹا جیسیہ اپنے باپ کے قتل ہونے کے بعد اپنے رشتہ داروں اور سرداروں کو لے کر قلعہ برہمن آباد میں مقیم ہوا اور یہاں اسلامی لشکر کے مقابلے کے لئے قوت جمع کرنی شروع کر دی۔ برہمن آباد شہر منصورہ سے چند میل کے فاصلے پر قدیم شہر تھا۔ جو اب کہیں موجود نہیں۔ بلاذری اپنے زمانہ کا حال لکھتے ہیں کہ یہ شہر اب ویران ہے۔

محمد بن قاسم نے اپنے احکام و اعلانات برہمن آباد اور منصورہ کے ان تمام شہروں میں جو ابھی فتح نہیں ہوئے تھے کہ جو شخص اطاعت قبول کرے گا اور پر امن رہنے کا یقین دلائے گا اس کی تمام خطائیں معاف کر دی جائیں گی اور کسی قسم کی باز پرس اس سے نہ ہو گی۔ (تاریخ معصومی ص ۴۴)

جیسیہ کا وزیر سی ساگر ایک ہوشیار عاقل اندیش آدمی تھا۔ اس نے ان عورتوں اور بچوں کو جنہوں نے بندر کا ہ دیبل پر گرفتار ہوتے وقت یا حجاج ثقفی کہہ کر پکارا تھا اور جو دارالسلطنت الور میں تھے اپنی زیر حفاظت رکھا اور جب قلعہ راور (روہڑی) سے جیسیہ کے ہمراہ برہمن آباد آیا تو ان قیدیوں کو بھی ہمراہ لایا۔ سی ساگر کو اس بات کا یقین ہو چکا تھا کہ مسلمانوں کا مقابلہ اب بے سود ہے اس نے جب محمد بن قاسم کے اعلان کا حال برہمن آباد میں سنا تو اپنے ایک معتمد خاص کے ذریعہ محمد بن قاسم کے پاس پیغام بھیجا اور لکھا کہ وہ عورتیں اور بچے جنہوں نے حجاج کی دہائی بندر دیبل پر دی تھی، میرے قبضہ میں اب تک موجود ہیں۔ میں ان کو آپ کی خدمت میں پیش کر دوں گا۔

---

❶ بلاذری فتوح البلدان میں اپنے زمانہ کا حال لکھتے ہیں کہ یہ شہر [illegible] سے مسلمان ہیں ۔

وزنی جزو باشندگان سندھ کے ہاتھوں میں رہے گا وغیرہ۔ (آئینہ حقیقت نما صفحہ ۵۶)

## شہر سہتہ کی فتح صلحاً

محرم ۹۳ھ میں محمد بن قاسم کا حملہ بادشاہی کرتے ہوئے مقام سہتہ پر پہنچے یہاں کے لوگوں نے آمد کی خبر سن کر شگن باجوں اور رقص سے شہر سے نکل کر استقبال کیا اور رحم و عفو کی درخواست کی۔ وہ منظور کی گئی اور امن و صلح کے ساتھ اس شہر پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا۔ (ایضاً ص ۵۷)

## شہر الور کی فتح صلحاً

اس کے بعد محمد بن قاسم الور کی جانب روانہ ہوئے۔ یہ شہر محمد بن قاسم کی حملہ آوری کے وقت سندھ کا دارالسلطنت تھا۔ اب یہ شہر موجود نہیں ہے۔ اس کا محل وقوع روہڑی سے ۳ میل جنوب کی جانب ہے۔

دارالسلطنت الور میں راجہ داہر اپنے چھوٹے بیٹے فوفی نامی کو حاکم مقرر کر کے لڑائی کے لئے نکلا تھا۔ فوفی ابھی تک وہاں کا حکمران تھا جیسیہ نے اپنے چھوٹے بھائی فوفی کو برہمن آباد سے روانہ ہوتے وقت لکھا تھا کہ تم فوج کی فراہمی اور لڑائی کی تیاری میں مصروف رہو۔ چنانچہ الور بھی اسلامی لشکر کا مقابلہ کرنے کے لئے پوری طرح تیار ہو چکا تھا الور کے قریب پہنچ کر ایک میل کے فاصلہ پر اسلامی لشکر نے قیام کیا۔ شہر والوں نے آپس میں مشورے کرنا شروع کر دیئے کہ مسلمان اپنے وعدے کے بڑے سچے ہیں۔ برہمن آباد والوں کی طرح اگر ہم بھی امان طلب کریں تو ہم کو کسی قسم کا نقصان نہیں پہنچے گا۔ اور اگر ہم نے لڑائی میں شرکت کی تو ممکن ہے کہ پھر مسلمان ہمیں جان و مال کا امان نہ دیں۔

ان چہ میگوئیوں کا حال فوفی کو معلوم ہوا تو وہ مقابلہ اور معرکہ آرائی سے ہمت ہار بیٹھا۔ اس نے یہی مناسب سمجھا کہ اپنے ہمراہیوں کو لے کر شہر سے نکل جائے۔ چنانچہ راتوں رات شہر سے نکل گیا اور اپنے بھائی جیسیہ کے پاس جو راجپوتانہ کے کسی مقام میں مقیم ہوا تھا پہنچ گیا۔ شہر والوں نے اپنا قاصد محمد بن قاسم کے پاس بھیجا اور عرض کیا کہ ہمارا راجہ داہر مارا جا چکا ہے اور راجہ داہر کا بیٹا فوفی بھی ہم کو چھوڑ کر شہر سے بھاگ گیا ہے ہم نے آپ کے عدل و انصاف اور رحم دلی کی بہت تعریف سنی ہے اسی امید پر ہم درخواست کرتے ہیں کہ ہم کو جان و مال کی امان دی جائے تاکہ ہم آپ کے لئے شہر کے دروازے کھول دیں۔

## محمد بن قاسم کا وعدہ امان

محمد بن قاسم نے کہا کہ میں نے ہر مقام پر لوگوں کو اطاعت قبول کرنے کی ترغیب دے کر یہ وعدہ کیا ہے کہ تم کو جان و مال کی امان دی جائے گی۔ مگر تم نے میرے پیغام سے قبل پہلے اطاعت پر اپنی آمادگی ظاہر کی ہے۔ لہٰذا میں تم کو ہرگز کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا۔" (آئینہ حقیقت نما ص ۵۸) اہل شہر نے یہ وعدہ معلوم کر کے شہر کے دروازے کھول دیئے اور مسلمان امن و صلح کے ساتھ اس دارالسلطنت میں داخل و قابض ہو گئے۔

## قلعہ باببیہ کی فتح صلحاً

الور کے بعد محمد بن قاسم قلعہ باببیہ کی طرف بڑھے جو دریائے بیاس کے جنوبی کنارے پر تھا۔ اس قلعہ میں راجہ داہر کا چچازاد بھائی کاکسا ابن چندر مقیم تھا۔ جو راجہ داہر کے مقتول ہونے پر اس قلعہ میں پناہ گزیں ہو گیا تھا۔ یہ بہت بڑا عالم و فاضل اور دانش مند شخص تھا۔ جب محمد بن قاسم اس قلعہ کے قریب پہنچے تو کاکسا بلا تامل محمد بن قاسم کی خدمت میں حاضر ہو گیا۔ محمد بن قاسم بڑی عزت و محبت کے ساتھ پیش آئے۔ اس کے خاندان اور علم و فضل سے واقف ہو کر محمد بن قاسم نے اس کو اپنا مصاحب و وزیر اور سپہ سالار بنایا اور تمام فوجی سرداروں کو حکم دیا کہ میرے بعد کاکسا تم سب کا افسر اعلیٰ ہے۔ ساتھ ہی اس کو اپنی مہر اور خزانہ کا چارج بھی سپرد کر دیا۔ اور دربار میں اس کے لئے اپنی برابری کی کرسی دی۔ اور آئندہ اس کے مشوروں کو تمام کاموں میں مقدم سمجھنے لگے۔

(آئینہ حقیقت نما ص ۹۱)

## فتح اسکلندرہ عنوۃً

یہاں سے محمد بن قاسم دریائے بیاس کے پار قلعہ اسکلندرہ کی طرف آئے یہاں کے حاکم نے جو حاکم ملتان کا بھتیجا تھا نہایت سختی سے مقابلہ کیا۔ سات روز تک جنگ کا ہنگامہ بپا رہا۔ آٹھویں روز حاکم اسکلندرہ بھاگ کر ملتان چلا گیا اور قلعہ پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا۔

## قلعہ سکہ کی فتح عنوۃً اور اہل شہر کے لئے امان جان و مال

قلعہ سکہ دریائے راوی کے جنوب میں واقع تھا۔ یہاں کے حاکم بجے راے نے سترہ روز تک مقابلہ کیا۔ آخر یہ قلعہ بھی فتح ہوا اور محمد بن قاسم نے اہل قلعہ کو امان دے کر عتبہ بن سلمہ تمیمی کو یہاں کا حاکم مقرر کر دیا۔

## ملتان کی فتح عنوۃً اور باشندگان شہر کے لئے جان و مال کی امان و معافی کا اعلان

اس کے بعد محمد بن قاسم نے دریائے راوی عبور کر کے ملتان کا محاصرہ شروع کیا۔ یہاں کا حاکم گورسیہ پسر چندر تھا جو کہ کسا کا حقیقی اور داہر کا چچا زاد بھائی تھا۔ دو مہینے تک اس نے ملتان میں محصور رہ کر لشکر اسلام کا مقابلہ کیا۔ آخر وہ ملتان سے نکل کر راجہ کشمیر کے پاس چلا گیا اور مسلمانوں نے بزور شمشیر ملتان پر قبضہ کیا اور اہل شہر کو کسی قسم کا نقصان پہنچائے بغیر امن و امان اور معافی کا اعلان کیا۔ محمد بن قاسم نے بزدل شہریوں کو لوٹنے اور ان کے اموال پر قبضہ کرنے سے اپنے سپاہیوں کو روکا تھا۔ اس نے اب تک صرف فوجی سامان اور سرکاری روپیہ پر قبضہ کیا تھا۔ مندروں کی مورتیوں کو جو سونے سے بنی ہوئی اور جواہرات سے مرصع تھیں، کسی نے ہاتھ نہیں لگایا۔ رعایائے ملتان کو ان کے اطمینان کے لئے محمد بن قاسم نے ایک فرمان جان و مال کی امان کے متعلق لکھ دیا۔ اور داؤد بن نصر بن ولید عمانی کو ملتان کا حاکم مقرر کیا اور ایک مسجد یہاں تعمیر کی۔ اور برہمن آباد، الور وغیرہ کی طرح یہاں بھی مسلمانوں کے اخلاق و معاملات دیکھ کر لوگ جوق در جوق اسلام میں داخل ہونے شروع ہو گئے۔ جس وقت محمد بن قاسم حدود سندھ میں داخل ہوئے تو ان کے ساتھ صرف بارہ ہزار شامی اور عراقی لوگوں کا لشکر تھا اور صرف ڈیڑھ سال میں ملتان فتح کرتے وقت پچاس ہزار کی فوج تھی جن میں بائیس ہزار ہندوستانی نو مسلم تھے۔ (آئینہ حقیقت نما ص ۱۰۰)

# حجاج بن یوسف کے فرامین بنام محمد بن قاسم

## باشندگان ہند کی اراضی و اموال وغیرہ سے متعلقہ احکام

اوپر بحوالہ فتوح البلدان بلاذری مذکور ہو چکا ہے کہ حجاج بن یوسف ثقفی امیر عراق جہاد سندھ کی طرف اس طرح متوجہ تھا کہ گویا وہ خود اس فوج کی کمان کر رہا ہے۔ ہر تیسرے روز اس کی ڈاک سندھ پہنچتی تھی۔ اب وہ چند فرامین اس جگہ نقل کئے جاتے ہیں جو حجاج نے مختلف مواقع پر بنام محمد بن قاسم روانہ کئے ہیں۔ جن میں محمد بن قاسم کو سیاست و دیانت کے اصول حکمرانی کا پابند رہنے کا حکم ہے۔ نیز باشندگان سندھ اور ان کے اموال و اراضی کے ساتھ کیا سلوک کیا جائے۔ اس کا بیان ہے۔ ہمارا مقصود اگرچہ صرف آخری جزو سے متعلق ہے مگر ان فرامین کو پورا ہی نقل کر دینا مناسب معلوم ہوا کہ بہت فوائد پر مشتمل ہے۔

## فتح دیبل کی خوشخبری سن کر حجاج نے محمد بن قاسم کو لکھا

"جب ملک پر تم قابض ہو جاؤ تو قلعوں کی استواری اور لشکر کی رسد و حاجات کے بعد تمام اموال و خزائن کو بہبود رعایا اور رفاہ خلق میں خرچ کرو اور یہ دیکھو کہ کاشتکاروں، کاریگروں، سوداگروں اور پیشہ وروں کی خوش حالی اور فارغ البالی سے ملک آباد و سرسبز رہتا ہے۔ رعایا کے ساتھ ہمیشہ رعایت کرو تاکہ وہ تمہاری طرف محبت کے ساتھ راغب ہوں۔" (تحفۃ الکرام ص ۱۰۰)

## جب محمد بن قاسم نیرون میں مقیم تھے تو ان کو حجاج کا خط پہنچا

"اہل نیرون کے ساتھ نہایت نرمی اور ملاطفت کا سلوک کرو اور ان کی بہبودی کے لئے کوشش کرو۔ لڑنے والوں میں جو تم سے امان طلب کرے اس کو ضرور امان دو۔ کسی مقام کے اکابر سردار تمہاری ملاقات کو آئیں تو ان کو بیش قیمت خلعت اور انعام و اکرام سے سرفراز کرو۔ مقابلہ والا کوئی کافر نہ بچ جائے۔ جو وعدہ کسی سے کرو اس کو ضرور پورا کرو۔ تمہارے قول و فعل پر ملک والوں کو پورا پورا اعتماد و اطمینان ہو۔" (ص ۱۰۳)

## فتح سیوستان کے بعد حجاج کا خط پہنچا

جو کوئی تم سے جاگیر و ریاست طلب کرے تم اس کو نا امید نہ کرو اور ان کی عرضوں کو قبول کرو۔ امان و عفو سے رعایا کو مطمئن کرو۔ سلطنت کے چار ارکان ہیں۔ اول مدارات و درگزر و محبت۔ دوم سخاوت و انعام۔ سوم دشمنوں کی مزاج شناسی اور ان کی مخالفت میں عقل کو ہاتھ سے نہ دینا۔ چہارم قوت و شجاعت۔

تم راجاؤں سے جو عہد کرو اس پر قائم رہو۔ جب وہ مالگزاری دینے کا اقرار کر لیں تو ہر طرح ان کی اعانت و امداد کرو۔ جب کسی کو سفیر بنا کر بھیجو تو اس کی عقل و دانائی کو جانچ لو۔ اور جو شخص توحید الٰہی کا اقرار اور تمہاری اطاعت کرے اس کے تمام مال و اسباب اور ننگ و ناموس کو برقرار رکھو۔ لیکن جو اسلام قبول نہ کرے اس کو صرف اس قدر مجبور کرو کہ تمہارا مطیع ہو جائے۔ جو شخص بغاوت و سرکشی اختیار کرے اس سے تم لڑنے کے لئے تیار ہو جاؤ۔ شریف اور رذیل میں تمیز کرو۔ اور ایسا بھی نہ ہو کہ تمہاری صلح جوئی کو دشمن تمہاری کمزوری محسوس کریں۔" (ص ۱۰۴)

فائدہ (۱) اس فرمان میں اس کی بھی تصریح ہے کہ بعض لوگوں کو جو کیر اور جائیدادیں دی جائے گی اور ظاہر یہ ہے کہ یہ جاگیر سرکاری متبوضات یا غیر مملوکہ جنگلات وغیرہ سے دی جائے گی۔ کیونکہ مملوکہ زمینیں تو مالکان اراضی کی ملکیت سے نہیں نکالی گئی جیسا کہ اسی خط میں آگے مذکور ہے۔

(ب) مالگذاری یعنی خراج دینے کا اقرار کر لینے پر ان کی مدد وامانت کے حکم سے ظاہر ہوا کہ باشندگان سندھ کی زمینیں مالکان اراضی کی ملک سے نہیں نکالی گئیں بلکہ بدستور انہیں کی ملکیت کو برقرار رکھا صرف ان سے خراج و مالگذاری کا مطالبہ نہ ہوتا۔

محمد بن قاسم نے جب دریا عبور کر لیا اور راجہ داہر سے مقابلہ شروع ہو گیا تو ان کے پاس حجاج بن یوسف کا یہ خط پہنچا۔

"پنج وقتہ نماز پڑھنے میں سستی نہ ہو، تکبیر و قرأت، قیام و قعود اور رکوع و سجود میں خدا تعالیٰ کے روبرو تضرع و زاری کیا کرو۔ زبان پر ہر وقت ذکر الٰہی جاری رکھو کسی شخص کو شوکت و قوت خدا تعالیٰ کی مہربانی کے بغیر میسر نہیں ہو سکتی۔ اگر تم خدا تعالیٰ کے فضل و کرم پر بھروسہ رکھو گے تو یقیناً مظفر و منصور ہو گے"۔ (آئینہ حقیقت نما ص ۲۰۰)

فائدہ۔ یہ فرمان کسی خلیفہ راشد یا متقی پرہیزگار امیر کا نہیں بلکہ ایک ایسے امیر کا فرمان ہے جو دنیائے اسلام میں سب سے بڑا ظالم، فاسق فاجر مشہور ہے۔ لیکن اس حقیقت پر وہ بھی اطمینان اور یقین رکھتا ہے کہ مسلمان قوم کی فتح و کامیابی صرف اور صرف اطاعت خداوندی اور بالخصوص نماز کے اہتمام اور پابندی کے ساتھ وابستہ ہے۔ آج کل کے زعماء امت کے لئے یہ ایک درس عبرت ہے جنہوں نے اسلامی سیاست کو صرف ظاہری تدبیروں میں منحصر کر رکھا ہے اور نماز روزہ اور احکام الٰہیہ کی اطاعت کو گو ضروری جانتے ہوں مگر مسلمانوں کے قومی اور ملی مفاد کے لئے اس کی کوئی خاص ضرورت نہیں سمجھتے۔ اسی لئے کسی وقت کسی مقام پر وہ ان شعائر دینیہ کے احیاء میں اس سرگرمی کے ساتھ مشغول نظر نہیں آتے جتنی کہ کسی ادنیٰ الیکشن میں برتی جاتی ہے۔ حجاج بن یوسف کا یہ فرمان اگرچہ رسالہ ہذا کے موضوع سے متعلق نہیں لیکن اسی عبرت و نصیحت کے لئے اس کو یہاں نقل کیا گیا ہے۔

برہمن آباد کی فتح کے بعد جب محمد بن قاسم وہاں کا انتظام کر چکا تو بہت سے مندروں کے پجاری ان کے پاس آئے اور کہا کہ ہندوؤں نے مسلمان سپاہیوں کے ڈر سے بتوں کی پوجا کے لئے مندروں میں آنا کم کر دیا ہے جس سے ہماری آمدنی میں فرق آ گیا ہے۔ مندروں کی مرمت

# فتوح الہند

## تفصیل احکام اراضی

ہندوستان کے سب سے پہلے فاتح محمد بن قاسم صرف ساڑھے تین سال اس ملک میں رہے۔ اسی قلیل عرصہ میں انہوں نے پورا ملک سندھ اور پنجاب کے بہت سے حصص فتح بھی کئے اور اسلامی و شرعی نظام کے ماتحت ایک نہایت مستحکم اور قابل تقلید سلطنت بھی قائم کر دی۔ ۹۳ھ میں وہ اس طرف آئے اور ۹۶ھ میں فتح سندھ کی تکمیل ہوئی۔ فتح سندھ کے بعد نظام خلافت میں ایک گونہ انقلاب ہوا۔ جس کے سبب محمد بن قاسم مزید پیش قدمی سے روک دیا گیا اور سلطنت سندھ کے استحکام اور اس میں نظام شرعی کی ترویج پر ان کی تمام تر توجہ منعطف کر دی گئی۔ اس کے بعد ہندوستان پر مختلف دور آئے لیکن مسلمانوں نے تین سو برس تک پھر ہندوستان پر حملہ نہیں کیا۔ تقریباً تین سو برس اسی حال پر گذر گئے۔ چوتھی صدی ہجری کے وسط میں سندھ کا نظام حکومت بالکل مختل ہو گیا۔ کچھ ہندو راجاؤں نے قبضہ کر لیا اور کچھ قرامطہ نے تسلط جما لیا۔ ملتان کا تخت قرامطہ کے قبضہ میں چلا گیا۔ پنجاب کے ہندو قرامطہ کو ہر طرح کی امداد دے رہے تھے۔

## فتح پنجاب

### ضروری تمہید

اس سلسلے میں جتنی باتیں بیان ہوئی ہیں اور جو حالات پیش آئے ہیں ان سب کا ماخذ "آئینہ حقیقت نما" مصنفہ مولانا اکبر شاہ نجیب آبادی ہے۔ شاید اردو کی دوسری کتاب سے نہیں لیا ہے۔ "آئینہ حقیقت نما" کی تحریر پر اعتماد و اکتفا اس لئے کیا گیا کہ اس کے مصنف مرحوم نے جس قدر ہندوستانی تواریخ کو جمع کیا ہے، اس کی تحقیق و تنقید میں پوری محنت و جانفشانی برداشت کی ہے کسی دوسرے مورخ کو ہمارے علم میں یہ توفیق نہیں ہوئی۔ مصنف موصوف نے ہندوستان کی کتب سے زیادہ مستند تواریخ مثلاً تاریخ فرشتہ، تاریخ یمینی، خلاصۃ التواریخ، منتخب التواریخ، طبقات

ناصری، منہاج السراج، تاریخ یمینی، تاریخ الفی، تاریخ بیہقی، طبقات اکبری، منتخب التواریخ، تاریخ زین الماثر، تاریخ سبحان رائے، تاریخ محمودی، عہد رب شیر پرشاد، روضۃ الصفا، از فرشتہ تمام، تاریخ فیروز شاہی ضیاء برنی مصنفہ ۷۵۸ھ سے اس کتاب کا مواد اخذ کیا ہے اور پوری تحقیق و تنقید نہایت قابلیت کے ساتھ کی ہے۔ خصوصاً اس کا خیال رکھا ہے کہ جس دور حکومت کے متعلق معلومات لی جائیں وہ اسی دور کے مصنفین سے لی جائیں۔ چنانچہ سلطان محمود غزنوی اور ان کے خاندان سے متعلق حالات میں انہوں نے تاریخ ابوالفضل بیہقی پر زیادہ اعتماد کیا ہے کیونکہ اس کا مصنف اس خاندان کا ہم عصر، سلطان مسعود ابن محمود کا میر منشی اور مصاحب خاص تھا اس نے ۴۵۰ھ میں اپنی یہ تاریخ لکھی ہے۔ (دیباچہ ص ۱۳)

اسی طرح شہاب الدین غوری کے حالات میں زیادہ تر طبقات ناصری پر اعتماد کیا ہے جو منہاج السراج کی تصنیف ہے۔ ان کے والد مولانا سراج الدین شہاب الدین غوری کی طرف سے ہندوستان کے لشکر میں قاضی اور امام مقرر تھے۔ (دیباچہ ص ۱۳)

اسی طرح خاندان خلجی کے حالات میں فیروز شاہی ضیاء برنی پر اعتماد کیا ہے کہ وہ اس خاندان کا ہم عصر ہے چشم دید واقعات لکھتا ہے۔ اس لئے ہماری مقصد کی تاریخی معلومات بلاشبہ "آئینہ حقیقت نما" کی اعلیٰ کتابوں کا خلاصہ ہیں۔

۳۶۵ھ میں سلطان ناصر الدین سبکتگین تخت غزنی کے حاکم ہوئے تو انہوں نے سب سے پہلے قرامطہ کے استیصال پر اپنی پوری قوت خرچ کی۔ سلطان کو اس طرف مشغول دیکھ کر جے پال نے غزنی پر ایک بڑے لشکر کے ساتھ حملہ کر دیا۔ مگر جب سلطانی افواج مقابلہ پر آئی تو جے پال نے محسوس کیا کہ ہم گرفتار ہو جائیں گے تو امیر ناصر الدین سبکتگین کی خدمت میں درخواست معافی و امان پیش کی اور وعدہ کیا کہ لاہور پہنچ کر بہت سا چاندی سونا بطور تاوان کے آپ کے پاس بھیجوں گا۔ سلطان نے باوجود مخالفت بعض امراء دولت کے اس درخواست کو منظور کر لیا۔ مگر جے پال نے دریائے سندھ عبور کرنے کے بعد بدعہدی کی اور پھر تمام ہندوستانی راجاؤں کے پاس ایلچی بھیج کر ان کو غزنی سلطنت کے مقابلہ پر آمادہ کیا۔ ان سب راجاؤں نے تعاون و امداد کی۔ اس سے تین لاکھ کا لشکر جرار اور بہت سے ہاتھی لے کر جے پال نے دوبارہ سلطنت غزنی پر حملہ کیا۔ مقام لمغان پر جس کو اب جلال آباد کہا جاتا ہے یہ معرکہ ہوا۔ اس معرکہ میں بھی جے پال اور اس کے ساتھی شکست کھا کر بھاگے اور اب آکر پورے ہندوستان کی طاقتوں اور ہندو عوام کو ملا کر سلطنت غزنی کے ختم کر دینے کا منصوبہ تھا۔ اسی عرصہ میں ۳۸۷ھ میں امیر

طرف اپنے باپ کا انتقام لینے کی آرزو میں برہمنوں اور بدھ عالموں اور پنڈتوں سے خواہاں امداد کا رہا۔

ابھی محمود کے سامنے سب سے بڑی مہم قرامطہ کا استیصال تھا۔ جنہوں نے خلافت بغداد کی سخت توہین کی اور شعائر اسلامی کو پامال کیا۔ حج بیت اللہ سے حجر اسود کو اکھاڑ کر بحرین لے آئے اور لکھو کھہا حجاج کو شہید کیا تھا۔ سلطان محمود چونکہ اپنے آپ کو خلافت بغداد کا ایک نائب سمجھتا تھا اس لئے قرامطہ کے استیصال میں پوری ہمت صرف کر رہا تھا۔ اس عرصہ میں اس کے پاس اطلاع پہنچی کہ قرامطہ نے ایک مہم بذریعہ جہازات بندرگاہ دیبل (موجودہ کراچی) اور ٹھٹھہ میں بھیجی ہے اور ان قرامطہ نے سندھ میں وارد ہو کر سندھ کے راجاؤں سے محمود کے خلاف معاہدے اور ہر قسم کی امداد پہنچانے کے وعدے کئے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ انند پال کی حمایت پر اس طرف کے عام راجہ آمادہ ہو گئے۔

اور حمید خاں لودی کا پوتا یا نواسہ داؤد بن نصر والی ملتان بھی قرامطہ اور انند پال کے معاہدوں میں شریک ہو کر قرامطہ کے لئے ملجا و ماویٰ بن گیا۔ ملتان کی ریاست کے متصل ایک اور ریاست تھی جس کو بھاٹیہ یا بھٹنڈا یا بھیرہ وغیرہ کے ناموں سے مورخین نے تعبیر کیا ہے۔ اس کا والی بیجے راے تھا۔ اس ریاست میں بھی قرامطہ کا اجتماع تھا۔ ۳۹۵ھ میں محمود نے بیجے رائے کے پاس پیام بھیجا کہ تم ہمارے دشمن قرامطہ کو جگہ نہ دو ورنہ ہمارے تمہارے درمیان جنگ قائم ہو جائے گی بیجے رائے نے اس کا سختی سے جواب دیا۔ سلطان محمود فوراً بیجے رائے کی ریاست پر حملہ آور ہوئے بیجے رائے پہلے سے تیار تھا۔ تین روز تک سخت مقابلہ کیا بالآخر شکست کھا کر بھاگا اور بھاگتے ہوئے گرفتار کر لیا گیا۔ پھر خودکشی کر کے مر گیا۔ اس کے ساتھ جو قرامطہ تھے کچھ مارے گئے باقی نے ملتان جا کر پناہ لی۔ اس لئے سلطان محمود کو اب ملتان پر حملہ کرنا ناگزیر ہو گیا ۳۹۶ھ میں سلطان محمود نے والی ملتان کو غافل رکھ کر حملہ کرنے کے خیال سے سیدھا راستہ چھوڑ کر درہ خیبر کی راہ سے پنجاب میں ہو کر ملتان پہنچنے کا قصد کیا۔ راجہ انند پال ان کا باج گذار تھا اس لئے پنجاب سے گزرنے میں سلطان محمود کو کسی رکاوٹ کا خطرہ نہ تھا۔ مگر خلاف توقع انند پال راجہ پنجاب نے دریائے سندھ پر آکر سلطان محمود کو روکنا چاہا سلطانی لشکر سے مقابلہ ہوا تو انند پال شکست کھا کر کشمیر بھاگ گیا۔ سلطان نے اپنے اصل مقصد ملتان کی طرف رخ کیا۔ یہاں کے والی داؤد بن نصر نے جو قرمطی ہو کر دائرہ اسلام سے خارج ہو چکا تھا محصور ہو کر سلطان سے معافی کی درخواست کی اور قرمطی مذہب سے توبہ کی اور اقرار کیا کہ

" آپ محمد قرامطہ سے کوئی تعلق نہ رکھوں گا اور میں جزیہ سالانہ خراج دارالسلطنت غزنی کو روانہ کرتا رہوں گا ۔"

سلطان محمود نے داؤد کی توبہ قبول کر کے سکھ پال ( نو مسلم نواسہ شاہ ) کو جو ریاست ملتان کی متصل ریاست پر مامور تھا، داؤد بن نصر کے اقوال و افعال کی نگرانی کے لئے مامور کر کے غزنی کی طرف روانہ ہو گیا۔ ۳۹۸ھ میں سلطان محمود کو اطلاع ملی کہ سکھ پال جس کو سلطان نے اپنا قائم مقام بنا کر ملتان میں چھوڑا تھا وہ اپنے ماموں انند پال کی ترغیب و سازش سے مرتد ہو گیا۔ اسی طرف انند پال نے بودھ عالم اور ہندو پنڈتوں برہمنوں کے ذریعہ جو تحریک ہندوستان میں سلطان محمود اور مسلمانوں کے خلاف جاری کر رکھی تھی وہ اس عرصہ میں انتہا کو پہنچ گئی۔ اسی وقت انند پال نے ہندوستان بھر کے تمام راجاؤں کے پاس قاصد اور خطوط بھیجے اور لکھا اب ہم سب کو اپنے ملک کی حفاظت اور محمود کی ہلاکت کے لئے متفقہ طور پر میدان میں آ جانا چاہئے۔ چنانچہ اطراف ہندوستان سے انند پال کی امداد کے لئے فوجیں آنا شروع ہو گئیں۔ راجہ گجرات، راجہ لکھنؤ، راجہ جودھپور، راجہ سومنات، راجہ پٹن، راجہ متھرا، راجہ اسونی ( ضلع فتح پور ) راجہ بندیلکھنڈ، راجہ سرسوا، گنگوہ، راجہ قنوج، راجہ کالنجر اور اسی طرح راجہ اجین، گوالیار، اجمیر، دہلی، تھانیسر، نگر کوٹ، کشمیر، راجہ مالوہ، راجہ میرٹھ، دھرم پت وغیرہ سب کے سب اپنی اپنی فوجیں اور خزانے لے کر لاہور پہنچ گئے۔ غرض گجرات سے بنگال تک اور کشمیر سے قنوج تک تمام شمالی ہند کے راجاؤں نے قدیم رقابتوں کو نظر انداز کر کے سب نے مسلمانوں کے خلاف ایک متحدہ محاذ بنا لیا اور چونکہ ہندو مذہب کے پنڈتوں اور بودھ مذہب کے پیشواؤں نے اور ان کے ساتھ قرامطہ نے ایک متفقہ محاذ قائم کر دیا صرف راجاؤں ہی میں نہیں بلکہ عام ہندوستان کی رعایا میں بھی مذہبی جوش و خروش اور قتل و خونریزی کے جذبات پیدا کر دیئے یہاں تک کہ ماؤں نے اپنے بیٹوں کو اور بیویوں نے اپنے شوہروں کو لڑائی میں جانے اور مرنے مارنے کی ترغیب دی۔ خوشحال گھرانوں کی عورتوں نے زیورات سے اور غریب بیوہ عورتوں نے سوت کات کات کر مزدوری کے پیسوں سے اس جنگ میں امداد دی۔

انند پال نے لاہور میں متحدہ فوج کی عظیم الشان تعداد جمع ہونے کے بعد پشاور کی طرف کوچ کیا اور دوسری طرف مذہبی پیشوا پنڈت وغیرہ اسی فکر میں مشغول رہے کہ لوگوں کو شہروں اور قصبوں سے برابر امداد کے لئے روانہ کرتے رہیں۔ یہ پورے ہندوستان کی طاقتوں پر مشتمل مذہبی اور فوجی میدان پشاور میں آ کر خیمہ زن ہوئی۔ سلطان محمود بھی مقابلے کے لئے نکلا اور بسرعت پہنچ

اب صوبہ پنجاب اور صوبہ یوپی کی فتوحات کا مفصل تذکرہ جو اوپر گزر گیا اس سے بدیہی طور پر واضح ہے کہ یہاں بھی اسی طرح باشندگان ملک کی زمینیں انہی کی ملک و قبضہ میں بدستور باقی رکھی گئیں۔ بلکہ ان سے عشر و خراج کا معاملہ بھی اسلامی سلطنت نے براہ راست نہیں رکھا بلکہ وہاں کے راجاؤں کو امن اور بر وات حکومت دے کر ان سے خراج مقرر کر لیا اور باشندگان ملک سے وہ بطور خود حسب دستور سابق لیتے رہے۔ پنجاب کا الحاق جب سلطنت غزنی کے ساتھ کیا گیا اس وقت سلطنت کی طرف سے اپنے عامل مقرر کیے گئے۔ لیکن باشندگان ملک کی ملکیت پر اس کا کوئی اثر نہیں پڑا۔

## سومنات و گجرات کی فتح

لفظ سوم ہندی میں چاند کو کہتے ہیں۔ تھانیسر کا بت سوم جگ اور گجرات کا بت سومنات کے نام سے اسی بنا پر موسوم تھا کہ ان کی نسبت چاند کی طرف کی جاتی تھی۔ سورج گرہن اور چاند گرہن کے موقع پر ان دونوں بتوں کی پرستش خاص طور پر کی جاتی تھی۔ مشرکین عرب میں بھی چاند کے بت کو عام طور پر فضیلت حاصل تھی۔ ان دونوں بتوں اور ان کے بت خانوں کی بنیاد تقریباً ساتھ ساتھ رکھی گئی ہے۔ سومنات کی نسبت ہندو مؤرخ سجان رائے لکھتا ہے

"گویند در زمان پیغمبرآں بت را از خانہ کعبہ برآوردہ و در آنجا گذاشتہ اند"

تھانیسر کی فتح اور وہاں کے بت سوم جگ کے غزنی منتقل ہو جانے کے بعد اطراف ہندوستان کے ہندوؤں کا مرکز سومنات بن گیا تھا۔ متھرا مہابن تھانیسر کے برہمنوں نے بھی یہیں جا کر پناہ لی اور گجرات کے راجہ کی سرپرستی میں مسلمانوں کے خلاف شر انگیزی شروع کی۔ نیز سندھ و قادیاں و گجرات کے بقیۃ السیف قرامطہ بھی اسی جگہ جمع ہو گئے تھے۔ شمالی ہند کے ہندو ہر دوار سے گنگا کا پانی لے کر جا۔ کے لئے سومنات پر چڑھا۔ تے تھے۔ راجہ شیو پرشاد ستارۂ ہند نے اپنی کتاب میں لکھا ہے کہ ہر روز گنگا کا پانی سومنات پر چڑھانے کے لئے پہنچتا تھا۔

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ سومنات کا مندر کرشن کے زمانہ سے قائم تھا اور اسی لئے متھرا مہابن تھانیسر کے لوگوں کو اس مندر سے قدیمی تعلق تھا۔ اس مندر میں پانسو نوجوان لڑکیاں سومنات کی خدمت کے لئے ایسی موجود رہتی تھیں جو راجاؤں اور بڑے بڑے ہندو امراؤں کی بیٹیاں تھیں۔ دو ہزار برہمن اس مندر کے پجاری تھے جو رات دن اسی میں مصروف جپ تپ رہتے تھے۔ ابوالقاسم فرشتہ لکھتا ہے۔

در حال سال کہ تمیں و عشر و اربعمائۃ بود باتھ بعزم غزو و ما نیند کہ اہل ہنود می گویند کہ ارواح بعد از مفارقت ابدان بخدمت سومنات می آیند و او ہر یکے را کہ زا او وا خ بدنے کہ لائق باشد حوالہ فرماید۔ اما بطریق تناسخ ہم چنیں معتقد ایشاں در حق سومنات آنست کہ مد و جزر دریا از برائے عبادت او ست و برہمنی گویند کہ چوں سومنات از ایں بتاں کہ سلطان محمود شکستہ است رنجیدہ بود تمامت ایشاں را گرد والا در یک چشم زدن ہر کرا خواہد ہلاک می تواند ساخت"

حالات مذکورہ کی بنا پر سلطان محمود غزنوی نے گجرات و سومنات پر حملہ کا قصد کیا اور ۱۰ شعبان ۴۱۶ھ کو غزنی سے مع لشکر کوچ کر کے ۱۵ رمضان کو ملتان پہنچے اور وہاں سے تیس ہزار اونٹوں پر پانی کی مشکیں لاد کر گجرات کی طرف روانہ ہوئے اور اول انہلواڑہ (نہروالہ) دارالسلطنت گجرات پہنچے یہاں کا راجہ اس اچانک حملہ سے سراسیمہ ہو کر اور شہر چھوڑ کر کسی طرف بھاگ گیا۔ سلطان نے اس شہر میں قیام کرنے یا اس کو لوٹنے کا مطلق خیال نہیں کیا بلکہ نہروالہ سے سومنات کی طرف روانہ ہوا۔ سومنات میں دس ہزار سے زائد بہادر راجپوتوں کی فوج تھی اور حملہ کی خبریں کر شہر کے باشندے بھی مسلح ہو کر مقابلہ پر مستعد ہو گئے تھے سلطان محمود کے ہمراہ تیس ہزار سپاہی تھے۔

شہر سومنات کے تین طرف سمندر ایک طرف خشکی تھی۔ اس خشکی کی جانب سے سلطانی لشکر حملہ آور ہوا۔ اور تینوں طرف کے دریائی محاذ پر جتنی کشتیاں تھیں سب پر اپنی فوج کو مسلط کر دیا تاکہ بحر ہند، خلیج فارس اور بحر عمان سے ان کو کوئی امداد نہ پہنچ سکے۔

سومنات والوں نے دو روز تک بڑی جانفروشی اور بہادری کے ساتھ مقابلہ کیا تیسرے روز نہروالہ (پٹن) کے راجہ پرم دیو اور اس نواح کے دوسرے راجہ داب شلیم نامی نے اپنی فوجوں کو (بطور کمک) فراہم کر کے سومنات کو بچانے کے لئے تیس چالیس ہزار فوج سے حملہ کیا۔ ادھر سلطان محمود سومنات کی فوج کے ساتھ برسرپیکار تھا۔ ادھر پیچھے سے یہ زبردست فوج آ گئی اور محمودی لشکر دونوں طرف سے گھر گیا۔ وقت بڑا نازک تھا لیکن محمود نے خدا تعالیٰ سے دعا مانگی اور فوج کے دو حصے کر کے ایک کو سومنات کے مقابلے پر رکھا اور دوسرے حصہ کو لے کر ان راجاؤں کی فوج پر خود حملہ آور ہوا سلطان نے تھوڑی ہی دیر میں ان فوجوں کو شکست دے کر بھگا دیا۔ اس فتح کے ساتھ ہی سومنات کی فوج نے ہمت ہار دی۔ محمودی لشکر فصیل شہر پر قابض ہو کر شہر میں داخل ہو گیا۔ ●

● [illegible]

مقابلہ کیا اور دہلی کو فتح کیا۔ پرتھی راج مارا گیا۔ اس کے بیٹے [illegible] کو سلطان نے دہلی کا راجہ بنا دیا اور اطاعت و خراج کے ادا کرنے کا وعدہ لے کر اس کی حکومت برقرار رکھی۔ اس کے بعد سرستی، ہانسی، سامانہ، کہرام وغیرہ کو فتح کیا۔ پھر پرتھی راج کے دارالسلطنت اجمیر کی طرف گیا۔ شہر اجمیر کو سلطان نے کوئی نقصان نہیں پہنچایا۔ بلکہ پرتھی راج کے بیٹے ولی کو اجمیر کا راجہ بنا کر اور اقرار اطاعت لے کر واپس چلا آیا۔ جب اجمیر سے واپس ہو کر دہلی کے قریب پہنچا پرتھی راج کے دوسرے بیٹے ہیم راج نے سلطان کے پاس عاجزانہ درخواست بھیجی۔ جان و مال کی امان چاہی۔ سلطان اسے دہلی کا راجہ بنا کر شہر دہلی میں داخل ہوئے بغیر ہی واپس چلا گیا اور تمام کہرام میں اپنے غلام قطب الدین ایبک کو اس نو مفتوحہ علاقہ کا جو پہلے بھی سلطنت اسلامیہ میں شامل تھا عامل بنا کر غزنی واپس چلا گیا۔ اور اس دوران میں جن ہندو راجاؤں نے خراج بھیجنا بند کر دیا تھا ان سے خراج وصول کیا گیا اور سلطان محمود کے زمانہ کی عظمت و شوکت پھر ہندوستان میں قائم ہو گئی۔ (آئینہ … ص ۲۴۹ …)

(تنبیہ) خاندان غزنوی کے ختم یعنی ۵۸۲ھ تک مسلمانوں نے اپنی باقاعدہ سلطنت کو صرف سندھ، ملتان، پنجاب تک محدود رکھا۔ باقی صوبوں کو فتح کیا مگر ان کی ریاستیں ہندو راجاؤں کو ان کی حکومت پر برقرار رکھا۔

## خاندان غزنوی کا زوال اور خاندان غوری کی حکومت

سلطنت غزنی کے پڑوس میں ایک مختصر سی خود مختار ریاست غور کی قائم تھی جس کے حکمران مسلمان تھے اسی لئے سلطنت غزنی نے کبھی اس طرف رخ نہیں کیا۔ لیکن چھٹی صدی ہجری کے آخر میں ریاست غور کے حکمران قرامطہ ملاحدہ کے ہم عقیدہ ہو گئے۔ اور دوسری طرف سلطنت غزنی اپنے آخری فرمانرواؤں کی کمزوریوں اور ہندوؤں پر اعتماد کی بنا پر انتہائی کمزور ہو چکی تھی۔ علاؤ الدین جہانسوز فرمانروائے غور جو قرامطہ کا ہم عقیدہ تھا اس نے موقع پا کر غزنی پر حملہ کیا۔ سلطنت غزنی کے آخری بادشاہ خسرو شاہ کو مقابلہ میں شکست ہوئی۔ علاؤ الدین نے تمام ملک غزنی میں وہ تباہی و بربادی پھیلائی کہ اس کا نام جہانسوز مشہور ہو گیا اور انجام کار غور اور غزنی کی دونوں سلطنتیں اس کے قبضہ میں آ گئیں۔ ۵۵۶ھ میں یہ جہانسوز دنیا سے رخصت ہوا۔ اس کا بیٹا سیف الدین محمد اس کی جگہ تخت نشین ہوا۔ مگر بیٹا اپنے عقائد میں اپنے باپ سے مختلف راہ صراط مستقیم پر قائم تھا۔ اس نے غور اور غزنی سے قرامطہ کا استیصال کیا۔ اب غور اور غزنی کی فرمانروائی

اسی غوری خاندان میں منتقل ہو چکی تھی۔ ۵۶۹ھ میں سلطان غیاث الدین غوری اس تخت کا وارث ہوا اور اس نے شہاب الدین غوری اپنے بھائی کو غزنی کا خود مختار حاکم بنا دیا۔ سلطان شہاب الدین غوری نے سلطنت غزنی کے ماتحت صوبہ جات سندھ، ملتان، پنجاب کی خبر گیری شروع کی اور سلطنت غزنی کے کمزور ہو جانے سے جو خود مختاری یہاں کے امراء میں آ گئی تھی اس کو ختم کر کے باقاعدہ سلطنت غزنی میں شامل کیا۔ ملتان پر پھر قرامطہ کا غلبہ ہو چکا تھا اس پر حملہ کر کے پھر اس کو ان سے آزاد کیا اور علی کرماخ کو ملتان کا عامل مقرر کیا۔ سلطان شہاب الدین غوری کے حملے جتنے ہندوستان پر ہوئے وہ عموماً انہی صوبہ جات اور بلاد پر تھے جو سلطنت غزنی کے زمانہ میں فتح ہو چکے تھے مگر پھر اس سلطنت کے ضعف سے فائدہ اٹھا کر یہاں کے راجاؤں نے خود مختاری کا اعلان کر دیا تھا۔ جدید فتوحات کی سلطان شہاب الدین کو بہت کم نوبت آئی۔

## سلطنت غلاماں، قطب الدین ایبک وغیرہ

سلطان شہاب الدین غوری نے اپنے غلام قطب الدین ایبک کو قلعہ کہرام کا عامل مقرر کر کے اس کو سلطنت غزنی کے ساتھ ملحق کر دیا تھا۔ ۵۸۸ھ میں راجہ میرٹھ جو پرتھی راج کا رشتہ دار تھا اس نے دہلی کے راجہ ایبن کی کو دوبارہ بغاوت پر آمادہ کر کے قطب الدین ایبک پر جو سلطنت غزنی کا عامل تھا حملہ کرنے کی تیاریاں شروع کر دیں۔ قطب الدین ایبک نے اس کی خبر پا کر پیش قدمی کی اور ۵۸۹ھ میں خود حملہ کر کے میرٹھ، دہلی، علی گڑھ کو فتح کر لیا اور بجائے کہرام کے دہلی کو اپنا دار الحکومت بنا لیا۔

## ہندوستان میں مستقل اسلامی دار الحکومت دہلی ۵۸۹ھ میں

غزنی اور غوری سلطنت کے دونوں عہدوں میں شاندار فتوحات کے باوجود سلاطین اسلام نے ہندوستان کے راجاؤں کو ان کی حکومت سے علیحدہ نہیں کیا بلکہ صرف اقرار اطاعت و باجگزاری لے کر چھوڑ دیا۔ اور ان کو ان کی ریاستوں پر برقرار رکھا۔ اور پھر بار بار ان سے بغاوتوں کے صدور ہوئے اور سلطانی حملوں سے مقہور و مغلوب ہونے کے باوجود ان کو برابر ان کی اپنی اپنی حکومت پر برقرار رکھا گیا۔ لیکن قطب الدین ایبک جو سلطان شہاب الدین غوری کے غلام اور ان کی طرف سے ہندوستان کے بعض علاقوں کے عامل تھے۔ ان کے عہد میں جب پھر بغاوتوں کا سلسلہ شروع ہوا۔ پچھلے تجارب اور واقعات ان کے سامنے تھے اب ان کو یہ طے کرنا پڑا کہ جو راجہ

سلطان شہاب الدین غوری اور ملک قطب الدین ایبک کی فوج میں نوکر تھے۔ اسی قبیلے کا ایک شخص محمد محمود خلجی ہندوستان آیا اور فتح قنوج کے بعد قنوج کے علاقہ میں ایک جاگیر حاصل کر سکا۔ جب محمد محمود کا انتقال ہو گیا تو یہ جاگیر اس کے بھتیجے محمد بختیار خلجی کو مل گئی۔ محمد بختیار نے یہاں اپنے لئے ترقی کی راہیں مسدود دیکھ کر اس جاگیر کو چھوڑ دیا۔ اور اودھ کے حاکم ملک حسام الدین اغلبک کے پاس پہنچا۔ اس نے محمد بختیار کو اس کی خواہش کے موافق ایک جاگیر اودھ کے مشرقی حصہ میں عطا کر دی۔ وہاں محمد بختیار نے ملک حسام الدین کی معرکوں میں اپنی بہادریاں دکھا کر اپنے اوپر اتنا مہربان کر لیا کہ اس نے اس چھوٹی سی جاگیر کے عوض اودھ کے ایک پورے ضلع کی حکومت اس کے سپرد کر دی۔

## بہار کی فتح

اب محمد بختیار نے موقع پا کر ملک بہار کے علاقہ پر تاخت و تاراج کا سلسلہ شروع کیا اور اس ملک کے ہندو راجہ سے کئی قلعے چھین لئے جس سے محمد بختیار کی شہرت دور دور تک پھیل گئی۔ اور اس قوم کے آدمی جو مختلف شہروں میں پھیلے ہوئے تھے، ہر طرف سے آ آ کر محمد بختیار کے پاس جمع ہو گئے اور بختیار کی اولوالعزمی اور بہادری کی خبر جب ملک قطب الدین ایبک وائسرائے ہند کو پہنچی تو اس نے بہادر سپاہی کی قدر دانی اور عزت افزائی کو ضروری سمجھ کر دہلی سے اس کے لئے خلعت و انعام بھیجا۔ اور ملک حسام الدین اغلبک حاکم اودھ کو لکھا کہ اس بہادر کی قدر دانی و عزت افزائی کا ضرور خیال رکھو۔

اس طرح صاحب عزت اور صاحب علم و طبل ہو کر محمد بختیار نے بہار کے علاقہ پر باقاعدہ حملہ شروع کر دیا اور صرف ایک سال کے اندر بہار کا ملک فتح کر کے قلعہ بہار پر بھی قبضہ کر لیا تھا۔ بہار کی تسخیر کے وقت محمد بختیار خلجی کے ساتھ کل دو سو آدمی کی فوج تھی۔ اس وقت بہار کی سلطنت بدھ مذہب کے لوگوں کے ہاتھ میں تھی۔ فتح بہار کے بعد قطب الدین ایبک نے محمد بختیار خلجی کو اپنے پاس دہلی بلوایا اور خلعت و خطاب دے کر بہار کا گورنر مقرر کر دیا۔

## بنگال کی فتح

محمد بختیار نے واپس آ کر ملک بہار میں اپنی طرف سے عامل مقرر کئے اور انتظام ملکی سے مطمئن ہو کر بنگال کی طرف بڑھا۔ بنگال کا دار السلطنت اس زمانہ میں شہر نودیہ تھا۔ نودیہ کا راجہ

لکھمنیہ کے نام سے مشہور تھا، محمد بختیار خلجی کا مقابلہ نہ کر سکا۔ محمد بختیار جب ندیہ کے قریب پہنچا تو اپنی فوج پیچھے چھوڑ دی اور صرف اٹھارہ آدمی لیکر شہر ندیہ کے اندر داخل ہوا۔ شہر ندیہ کے دروازے پر محافظوں نے یہ سمجھ کر کہ کوئی سوداگر یا مسافر ہیں جو اس طرح بے تکلف شہر میں داخل ہو رہے ہیں ان کو نہ روکا۔ ان اٹھارہ بہادروں نے راجہ کے محل سرائے کے دروازے پر جا کر محل سرائے کے دربانوں کو قتل کرنا شروع کیا۔ اس وقت لکھمنیہ رسوئی میں کھانا کھا رہا تھا۔ شور و غل کی آوازیں کر معلوم ہوا کہ مسلمان آ پہنچے۔ اس قدر حواس باختہ ہوا کہ فوراً اٹھ کر سرنگ کے راستے سے اپنے محل سے بھاگا اور ندیہ سے فرار ہو کر اڑیسہ کے شہر کٹک کے ایک مندر میں پناہ لی۔ اور پجاریوں میں شامل ہو کر بقیہ عمر گزاری۔

محمد بختیار نے محل میں داخل ہو کر دیکھا کہ سونے چاندی کے برتنوں میں کھانا چنا ہوا رکھا ہے جس کو چھوڑ کر راجہ بھاگ گیا ہے۔ اس طرح بلا کشت و خون بڑی آسانی سے مسلمانوں کا بنگال پر بھی قبضہ ہو گیا۔

محمد بختیار نے ندیہ کو چھوڑ کر مقام لکھنوتی کو بنگالہ کا دارالحکومت قرار دیا تھا۔ یہی مقام لکھنوتی ہے جس کو آج کل ڈھاکہ کہتے ہیں۔ واللہ اعلم بالصواب۔

## آسام کی فتح ۶۰۰ھ

لکھنوتی میں محمد بختیار اپنا نائب مقرر کر کے خود دس ہزار کا لشکر لے کر آسام کی فتح کے لئے روانہ ہوا۔ آسام (کامروپ) کے راجہ نے اطاعت قبول کر لی۔

طبقات ناصری کی روایت کے مطابق ملک (کامروپ) میں کوچ، میچ، تھارو تین قومیں آباد تھیں۔ ان میں سے کوچ اور میچ کا سردار جو میچ قوم سے تعلق رکھتا تھا محمد بختیار خلجی کے ہاتھ پر برضا و رغبت مسلمان ہو گیا تھا۔ چنانچہ منہاج السراج کے الفاظ یہ ہیں:

> "در اطراف آں کوہہا کہ درمیان تبت و بلاد لکھنوتی ست سہ جنس خلق اند یکے را کوچ دوم را میچ و سوم را تھارو۔ ہمہ ترک چہرہ اند وایشاں را زبانے دیگر است میان الفت ہند و تبت یکے از روسائے کوچ و میچ کہ او را علی میچ گفتندے بر دست محمد بختیار اسلام آوردہ بود"

## تبت کی فتح

اس کے بعد بختیار نے دریائے برہم پتر کو عبور کر کے ملک تبت پر حملہ کیا اور دریا کو عبور کرنے کے

(۳) اس عہد کی خوبیوں میں یہ بھی ایک قابل تذکرہ ہے کہ سلطنت کو کسی خاندان کیساتھ مخصوص نہیں سمجھا گیا۔ شہاب الدین غوری کے بعد ان کے غلام قطب الدین ایک خودمختار بادشاہ بنے قطب الدین کے بعد جب ان کی اولاد کو نالائق دیکھا گیا تو ان کے غلام شمس الدین التمش کو سب نے بخوشی بادشاہ تسلیم کرلیا۔ پھر سلطان التمش کی اولاد بھی نااہل ثابت ہوئی۔ تو ان کے غلام غیاث الدین بلبن کو بادشاہ بنالیا گیا۔ اسی طرح پھر بلبن کی اولاد میں قابلیت سلطنت نہ دیکھی تو یہ تخت سلطنت خلجی خاندان کے ایک تجربہ کار آدمی کے سپرد کردیا گیا۔

(۴) اس غلام خاندان کے چند افراد تو سلطنت کے لئے ایسے اہل ثابت ہوئے کہ ان کی مثالیں سلاطین میں بہت کم ہیں۔ سلطان شمس الدین التمش کو بغداد کے خلیفہ عباسی المستنصر باللہ نے ۶۲۶ھ میں خلعت اور سند حکومت بھیجی۔ جس کی خوشی میں سلطان نے شہر کو آئینہ بند کرکے جشن ترتیب دیا۔ یہ سلطان بڑا خدا ترس، منصف، عابد، زاہد، سخی اور بہادر تھا۔ پنج وقتہ نماز مسجد میں باجماعت ادا کرتا تھا۔ اور درویش خدا آگاہ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کی مجلس میں اکثر حاضر رہتا تھا۔ سلطان قطب الدین نے دہلی کی فتح کے بعد مسجد قوت الاسلام اور قطب مینار کی تعمیر شروع کی تھی۔ قطب مینار کے صرف دو نیچے کے درجے تعمیر ہونے پائے تھے کہ ان کی وفات ہو گئی۔ ان کے بعد سلطان التمش نے باقی اوپر کے تین درجے تعمیر کراکر اس مینار کو مکمل کرایا اور مسجد قوت الاسلام میں بھی تین دروازے اضافہ کئے۔ حوض شمسی بھی ان کی یادگار ہے۔ ان کے عہد میں منڈاور ضلع بجنور جو قدیم عہد سے بدھ مذہب والوں کا مرکزی مقام تھا۔ جس میں ملاحدہ نے مقامی راجپوتوں سے سازش کرکے سلطنت دہلی کے خلاف ایک نہایت خطرناک طاقت جمع کرلی تھی۔ ۶۲۴ھ میں سلطان نے فوج کشی کرکے قلعہ منڈاور کو فتح کیا اور دو مہینے منڈاور میں قیام کر کے کوہ ہمالیہ تک تمام سرکشوں کو سزائیں دیں۔ منڈاور میں جامع مسجد تعمیر کرائی جو آج تک ان کی یادگار ہے۔ ۲۰ شعبان ۶۳۳ھ میں سلطان التمش کا دہلی میں انتقال ہوا۔ ان کا مقبرہ پرانی دہلی میں مسجد قوت الاسلام کے متصل غیر مسقف آج تک موجود ہے۔ (تاریخ ص ۲۶۸)

(۵) شمس الدین التمش کے بعد ان کے بیٹے رکن الدین کو تخت نشین کیا گیا مگر اس نے فضول خرچی اور بدعملی شروع کی تو امرائے سلطنت نے اس کو معزول کرکے سلطان شمس الدین کی بڑی لڑکی رضیہ سلطانہ کو تخت سلطنت پر بٹھادیا۔ جس نے نہایت خوبی سے سلطنت کا انتظام کیا۔ یہ تعلیم یافتہ تجربہ کار عورت تھی۔ گھوڑے پر سوار ہوتی اور صف قتال میں شمشیر زنی کرتی تھی۔ اس نے اپنی

بہادری اور ہوشمندی سے بہت سی بغاوتوں کو فرو کیا۔ مگر بعد میں ہندو فتنے اور نظر ان ترکوں پر اعتماد اور دوسرے اسباب کی بنا پر شکست ہوئی اور صرف چار سال حکومت کے بعد ۶۳۷ھ میں شہید ہوگئی۔ اس کے بعد دو سال معز الدین بہرام شاہ نے پھر چار سال التمش کے پوتے علاؤ الدین مسعود نے حکومت کی یہ بھی معزول کئے گئے

(۶) اس کے بعد التمش کے بیٹے ناصر الدین محمود تخت پر بٹھائے گئے انہوں نے امور سلطنت میں بڑی قابلیت کا ثبوت دیا۔ تاتاری مغلوں کے پیہم حملے جو ہندوستان پر ہو رہے تھے۔ ان کو شکست دی اور اندرونی باغیوں کو سزائیں دے کر مطیع بنایا۔ ان کی عمر کا بڑا حصہ مغلوں کی مدافعت اور بغاوتوں کو فرو کرنے ہی میں گذرا۔ یہاں تک کہ ۶۵۸ھ میں مغلوں کے بادشاہ چنگیز خاں کے پوتے ہلاکو خاں کا سفیر سلطان ناصر الدین محمود کی خدمت میں دہلی آیا۔ سلطان نے اس کی آمد پر ایک نہایت شاندار جشن مرتب کیا۔ اور پچاس ہزار سوار اور دو لاکھ پیدل کی زرق برق لباس اور سنہری ہتھیاروں سے آراستہ فوج اور دو ہزار جنگی ہاتھیوں کے سامنے سے گذرتے ہوئے اس کو دربار شاہی میں لایا گیا جہاں سونے چاندی اور جواہرات کے آرائشی سامان کے ساتھ ایک پہلو میں سادات و مشائخ و قضاۃ و علماء کی صف تھی دوسری جانب ان پچیس شہزادوں اور بادشاہوں کی قطار تھی جو خراسان و ایران و عراق و آذربیجان وغیرہ ممالک سے اپنی سلطنتوں کو تاتاری مغلوں کے ہاتھ برباد کرا کر ہندوستان میں پناہ گزیں ہوئے تھے۔ ایک قطار ہندو راناؤں راجاؤں کی جو تخت شاہی کے گرد تھی۔ اس جشن کے مرعوب کن نظارہ کا یہ اثر ہوا کہ تاتاری مغلوں نے آئندہ کے لئے ہندوستان پر حملہ کا خیال دل سے نکال دیا۔ اور اپنے سرحدی امیروں کے پاس احکام بھیج دیئے کہ آئندہ ہندوستان پر کوئی حملہ نہ ہو۔

(۷) سال بھر میں دو قرآن مجید اپنے ہاتھ سے لکھتے تھے بازار فروخت کر کے اسی سے سال بھر اپنی گذر کرتا تھا۔

(۸) ان کی ایک بیوی تھی وہی اپنے ہاتھ سے روٹی پکاتی تھی۔ ایک مرتبہ اس بیگم نے عرض کیا کہ روٹی پکاتے ہوئے ہاتھ جلتے ہیں کوئی خادمہ رکھ دیجئے سلطان نے کہا کہ میری آمدنی میں اتنی گنجائش کہاں کہ نوکر رکھ سکوں۔ رہا شاہی خزانہ وہ سب رعایا کا مال ہے اس میں سے ایک کوڑی بھی اپنی ذات کیلئے نہیں لے سکتا۔ ۱۱ جمادی الاولیٰ ۶۶۴ھ کو بیس سال حکومت کے بعد ان کی وفات ہوئی۔ ان کی اولاد میں کوئی شخص تخت و تاج سنبھالنے کے قابل نہ تھا اس لئے امراء سلطنت نے باتفاق

تک کا زمانہ جو تقریباً سو سال ہو جاتا ہے۔ ہندوستان کی اسلامی سلطنت کے حدود و وسعت کے اعتبار سے ایک جمود کا زمانہ ہے کہ سلطان شہاب الدین غوری کی وفات کے وقت جس قدر رقبہ زیر نگین آچکا تھا اس پوری صدی کے مسلمان سلاطین اسی کو تھامے اور برقرار رکھنے میں مشکل سے کامیاب ہو سکے۔ دکن اور جنوبی ہند کے ممالک کی طرف رخ کرنے کا کسی کو موقع نہیں ملا۔ کیونکہ یہ پوری صدی بیرونی اور اندرونی فتنوں اور طوفانوں سے اس طرح گھری رہی کہ ان میں سے کسی بادشاہ کو ان کے سلجھانے اور قابو میں لانے کی فرصت نہیں ملی۔ کیونکہ سلطان شہاب الدین غوری جس فتنہ کے استیصال میں عمر بھر مشغول رہے اور آخر کار اسی کے ہاتھوں شہید ہوئے یعنی "ملاحدہ الموت کا فتنہ"۔ اس کا بڑا حصہ اگرچہ سلطان کی کوششوں سے ختم ہو چکا تھا مگر اس کے ریشے ابھی تک ہندوستان کے اطراف خصوصاً نواح دہلی میں پھیلے ہوئے تھے اور ملتان پنجاب تو ان کا گھر تھا۔ ان کی شہادت کے بعد غلام خاندان کے بادشاہوں کو ان سے مڈبھیڑ کرنی پڑی۔ آخر تاتاری مغلوں کے سیلاب نے ۶۵۵ھ میں ملاحدہ کے مرکز الموت کو غارت کر کے ان کے آخری بادشاہ خورشاہ کو گرفتار کر لیا اور ملاحدہ کے فتنہ سے عالم اسلامی نے نجات پائی۔ لیکن اب مغلوں کا فتنہ اس کے قائم مقام ہو گیا جو ان کا سارے فتنوں سے زیادہ اشد ثابت ہوا۔ اس فتنہ نے ٹھیک اسی سال جنم لیا تھا جس سال ہندوستان کی سلطنت تخت غزنی کی ماتحتی سے آزاد ہو کر مستقل ہوئی اور ملک قطب الدین ایبک اس کے خود مختار سلطان تسلیم کئے گئے۔ یہ فتنہ مغولان چنگیزی کا تھا جو فتنہ تاتار کے نام سے مشہور ہے۔ کیونکہ ملک قطب الدین ایبک کا جشن تاجپوشی ۱۸ ذیقعدہ ۶۰۲ھ میں ہوا اور رجب ۶۰۲ھ میں تموجین یعنی مشہور چنگیز خاں نے مغلستان میں اپنی خود مختار حکومت کا اعلان کر دیا ان تاتاری مغلوں کا اصل مذہب بودھوں کے مذہب سے ملتا ہے۔ یہ سورج کو پوجتے تھے اور بعضوں میں آتش پرستی شامل ہو گئی تھی۔ دوسری طرف ان لوگوں نے مکر و فریب سے یہ تلبیس بھی کر لی کہ بعض جگہ اپنے آپ کو مسلمانوں کے لباس اور وضع میں پیش کیا جس سے لوگ ان کو مسلمان سمجھنے لگے۔ راجہ شیو پرشاد ستارہ ہند اپنی تاریخ میں ایک جگہ لکھتے ہیں:

"چنگیز خاں اور اس کے ساتھ والے مسلمان لوگ نہ تھے بلکہ ایک قسم کے بودھ کا دین رکھتے اور سورج کو پوجتے تھے۔" (آئینہ حقیقت نما ص ۲۸)

سر ڈنی سن راس یورپین مصنف اپنی "تاریخ دائس" میں لکھتا ہے۔

"ملک روس پر فرقہ تاتاری صاحب اقتدار تھا اس فرقہ نے ۶۱۲ء میں مسلمان

شہید ہوئے۔ سبکی نے طبقات الشافعیہ میں لکھا ہے کہ صرف شہر بغداد کے نواح میں ایک کروڑ آٹھ لاکھ مسلمان شہید کئے گئے۔ (طبقات الشافعیہ ص ۱۱۵ ج ۵)

سلطنت عباسیہ کے آخری خلیفہ کو نہایت بے دردی سے تہ تیغ کیا گیا۔ اس طرح یہ تاتاری طوفان گویا دنیا کے سب گوشوں پر چھا گیا۔ اس کی زد سے اگر بچا تو صرف ہندوستان اور مصر۔ اور یہ بھی عجب عالم ہے کہ یہ دو ملک جو اس طوفان کی رو سے بچے دونوں پر غلاموں کی سلطنت تھی۔ صرف انہی کی دو سلطنتیں ان کے مقابلہ میں فتحمند اور کامیاب ہوئیں۔ جس کا کھلا ہوا سبب مورخین کی نظر میں اس کے سوا کچھ نہیں کہ ان غلام بادشاہوں میں دینداری مذہب پرستی اور عدل گستری غالب تھی۔ اور ان کے سوا مسلمان بادشاہوں میں بھی عام طور پر عیش پرستی اور حب دنیا غالب تھی اور مذہب اور عدل گستری کے اصولوں سے دور جا پڑے تھے۔

اس جگہ مقصد تاتاری تاریخ لکھنا نہیں کہ یہ خود ایک مستقل داستان ہے جو ایک مستقل تصنیف کو چاہتی ہے اور علماء نے اس پر مستقل تصانیف لکھی بھی ہیں۔ اس جگہ تو صرف بتلانا منظور تھا کہ ہندوستان کی مستقل اسلامی سلطنت کو اپنی عمر کی پہلی ہی منزل میں کس قدر سخت طوفانی حوادث سے دوچار ہونا پڑا اور یہ کہ مسلمانوں کے غلاموں نے ان حوادث کا کس طرح مقابلہ کیا۔

غلام سلاطین کے اس احسان عظیم میں ہر ایک ہندی انسان کا ذرہ ذرہ دبا ہوا ہے کہ انہوں نے تاتاری مغلوں کو پنجاب اور ملتان کی جانب بھی اور بنگال و آسام کی جانب بھی ہندوستان کے اندر قدم رکھنے سے بار بار روکا۔ اور اس ملک میں آزادی سے قتل و غارت کرنے کا موقع نہیں دیا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان وحشی مغلوں نے ایران، عراق و شام، آذربائیجان وغیرہ اسلامی ممالک کو تباہ کر کے خلافت عباسیہ کا چراغ بھی بغداد میں گل کر دیا۔ اور کروڑوں مسلمانوں کو خاک و خون میں فنا کر دیا اور وسط یورپ تک کی دنیا کو تہ و بالا کر ڈالا۔

اگر سلطان شمس الدین التمش چنگیز خان کو ہندوستان میں داخل ہونے کا موقع دے دیتا اور مغل اپنی بے رحم خونریزی ہندوستان میں پوری کر سکتے تو ان کو ہرگز ممالک اسلامیہ کی طرف متوجہ ہونے کی ضرورت نہ رہتی۔ اور آج دنیا میں رام و کرشن کے نام کی مرلی بجانے والا ایک شخص بھی موجود نہ ہوتا۔ مغلوں چنگیزی کی نسلوں سے ہندوستان کی بستیاں بھر جاتیں۔ اور چنگیز خان کی مورتیاں ایک سب سے بڑے اوتار کی مورتیوں کی مانند ہندوستان کے مندروں میں نمایاں نظر آتیں۔ رحیم شبیر شاہ صاحب مترجم نے اپنی تاریخ میں جلال الدین خوارزمی کے بیان سے ایک

سے پار آنے اور اس کے تعاقب میں مغلوں کی ایک فوج کے اس طرف پہنچنے کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

''وہ (جلال الدین خوارزمی) سندھ سے ایران کی طرف روانہ ہوا۔ تب ان مغلوں کی فوج بھی لوٹ گئی۔ لیکن نمونہ اپنے ظلم کا اتنے ہی عرصہ میں دکھا گئی کہ دس ہزار ہندو غلام بنانے کے لیے قید کر لئے تھے اور جب لشکر میں رسد کی قلت ہوئی تو بے تکلف ان سب غلاموں کے گلے کاٹ ڈالے۔'' (آئینہ حقیقت نما ص ۲۹۶)

مغل ان تاتاروں کا یہ عذاب مسلمانوں کے لئے ایک تازیانہ عبرت تھا کہ وہ خواب غفلت سے بیدار ہوں اور تعلیمات اسلامی سے دور و مہجور ہونے کی سزا پا کر پھر اعلاء اسلامی کی پابندی میں اپنی نجات و فلاح تلاش کریں۔ کیونکہ انہی مغلان چنگیزی کو ان سے ساری دنیا زوال میں تیس سال تک مسلمانوں کے غلاموں سے جو نظام اسلام کے پابند تھے جب مصر و ہندوستان میں واسطہ پڑا تو دونوں جگہ بار بار نہایت ذلت کے ساتھ شکستیں کھانی پڑیں۔ اور جس زمانہ میں مغلوں کی خون آشامی کے سبب تمام دنیا میں قتل و غارت کے ہنگامے برپا اور خون کے فواروں کے ساتھ آگ کے شعلے بلند ہو رہے تھے۔ اس زمانہ میں ہندوستان کے غلام سلاطین کی بدولت رعایا امن و امان کے ساتھ آنند سے حیات بسر کر رہی تھی۔ اور سلطان غیاث الدین بلبن کا چچا زاد بھائی شیر خان اور سلطان کا بیٹا خان شہید ہندوستان کی مغربی سرحد پر مغلوں کے حملوں کو روکتے اور بار بار ان کو شکست دے کر بھگا دینے میں مصروف تھے تا آنکہ اسی میں اپنی جان دے دی۔ اس کے ساتھ تاریخ کا یہ سانحہ بھی حیرت و عبرت کا مرقع ہے کہ پنجاب کے بعض ہندو راجا ان حالتوں میں بھی تاتاریوں سے سازباز کر کے ان کے حملوں کو کامیاب بنانے کا سبب ہو جاتے تھے۔ ۱۲۴۳ء میں جو حملہ مغلوں نے پنجاب پر کیا وہ ضلع جہلم کے ایک ہندو راجا کی سازش سے کیا تھا۔

## چالیس سے زائد فرمانرواؤں نے ہندوستان میں پناہ لی

اس طوفانی زمانہ میں غلاموں نے جس طرح ہندوستان میں امن و امان قائم رکھا دنیا میں اس کی کوئی نظیر نہیں تلاش کی جا سکتی۔ یہی وجہ تھی کہ چالیس کے قریب تباہ شدہ فرمانرواؤں نے براعظم ایشیا کے مختلف ممالک سے فرار ہو کر ہندوستان میں پناہ لی۔

اس جگہ یہ بھی جتا دینا ضروری ہے کہ جس طرح مسلمانوں نے سلجوقی اور ترکمان ترکوں یا آذر سلطان بنا کر مہذب و شائستہ بنا لیا تھا اسی طرح وہ مغلان چنگیزی کو بھی مہذب اور متبع عملی

کر دہلی لائی گئی۔ تو اس نے اس شرط پر اسلام قبول کر لیا کہ اس کو بانوئے سلطنت ملکہ جہاں بنا لیا جائے۔ علاؤالدین نے اس کو منظور کر لیا اور اس کو بیوی بنا لیا۔ جس سے ہندوؤں کا مزید رسوخ اس کے دربار میں پیدا ہوا۔ دوسری طرف اسی حملہ گجرات میں علاقہ کھمبایت سے ایک ہندو بچہ جو خوبصورت کر کسی ساہوکار کے قبضہ میں تھا دہلی لایا گیا۔ اس نے سلطان علاؤالدین کی خدمت میں بڑا اثر و رسوخ حاصل کر لیا۔ اور ملک کافور کے خطاب سے مخاطب اور رفتہ رفتہ ترقی کر کے ہزار دیناری اور بالآخر وزیر اعظم بن گیا۔ اور پھر یہی ہندو بچہ سلطان علاؤالدین کو زہر دے کر مارنے اور اس کے تینوں بیٹوں کو خضر خاں وغیرہ کو قید کرانے کے بعد ان کی آنکھیں نکلوانے اور اندھا کرنے کا سبب بنا۔ اور چھوٹے بیٹے کو برائے نام تخت پر بٹھا کر خود قائم مقام ہو کر ہندوستان پر سلطنت کرنے لگا۔ مگر قدرت نے اس کو بھی زیادہ مہلت نہ دی اور سلطان علاؤالدین کی موت سے صرف ۳۵ دن کے بعد یہ بھی قتل کر دیا گیا۔ (تاریخ ص ۲۲۳)

یہ دنیا اگرچہ دارالجزا نہیں مگر ظلم کی سزا اکثر دنیا میں بھی مل جاتی ہے ایک ظالم دوسرے ظالم پر مسلط کر دیا جاتا ہے۔

کذلک نولی بعض الظالمین بعضا

علاؤالدین خلجی نے اپنے چچا و خسر اور چچا زاد بھائیوں کے ساتھ جو کچھ کیا قدرت نے اپنے غیر محسوس انتظام و انتقام سے اس کا بدلہ اس کے بیٹوں کے حق میں ظاہر کر دیا۔ خود اپنے دست پروردہ کے ہاتھ سے ہلاک ہوا اور بیٹے تباہ کئے گئے۔ تعالیٰ اللہ الملک الحق لا الٰہ غیرہ

بد نہ بولے زیر گردوں گر کوئی میری سنے

ہے یہ گنبد کی صدا جیسی کہے ویسی سنے

علاؤالدین خلجی کا یہ افسوسناک حال اشارۃً زبان قلم پر آگیا جس کو ہماری بحث سے تعلق نہیں۔ اس نے جو برائی کی وہ اپنے حق میں کی۔ ولکن کانوا انفسہم یظلمون۔ لیکن ہندوستان کی سلطنت کے لئے بلاشبہ بہت سی نمایاں خدمتیں انجام دیں۔ جن میں سے دکن اور تمام جنوبی ہند کی فتح اور تاتاری مغلوں کے پیہم اور سخت مقابلے اور پھر ہندوستان کے قلمرو میں مکمل امن و امان اور ظلم و جور، رشوت ستانی، شراب خوری اور جھوٹ دغابازی کا مکمل قلع قمع کر دینا خاص طور سے قابل ذکر ہیں جن کا اجمالی بیان آگے آتا ہے۔

## قلعہ رنتھمبور کی فتح

۶۹۹ھ میں علاؤالدین نے قلعہ رنتھمبور پر حملہ کیا یہاں کا راجہ ہمیر دیو تھا جو پرتھوی راج کی نسل سے تھا اور عرصہ دراز سے خود مختار ہو گیا تھا۔ جو خطا اس کی یہ تھی کہ اس نے نومسلم مغلوں کو جن کا سردار محمد شاہ نامی ایک شخص تھا اور جو الغ خان اور نصرت خان کی فوج سے باغی ہو کر بھاگے تھے اپنے یہاں پناہ دی تھی۔

سلطان نے رنتھمبور پہنچ کر محاصرہ شروع کیا۔ رنتھمبور کا محاصرہ ایک سال تک جاری رہا۔ نصرت خان اسی دوران میں ایک پتھر لگنے سے مارا گیا۔ آخر سلطان نے قہر و شوکت کے ساتھ اس قلعہ کو فتح کیا۔ ہمیر دیو اور اس کے متعلقین قتل ہوئے۔

## محمد شاہ باغی کی دلیری

فتح ہونے کے بعد سلطان نے محمد شاہ باغی کو مقتولین کے اندر زخمی پڑا ہوا دیکھا اور اس سے کہا کہ اگر ہم تیری مرہم پٹی کرائیں اور تو اچھا ہو جائے تو کیا احسان مانے گا۔ اس نے سلطان علاؤالدین کو جواب دیا کہ اگر میں تندرست ہو جاؤں تو تجھے قتل کروں اور تیری جگہ ہمیر دیو کے بیٹے کو ہندوستان کا بادشاہ بناؤں۔ علاؤالدین نے یہ سن کر اس کو ہاتھی کے پاؤں سے کچلوا دیا۔ مگر تھوڑی دیر کے بعد اس کی بہادری اور سابق وفاداری کا خیال آیا تو بڑی عزت و احترام کے ساتھ اس کے جنازہ کو دفن کرایا۔

## بے وفائی کی سزا

اور ہمیر دیو کے وزیر رنمل کو جو محاصرہ کے شروع ہی میں سلطان کی خدمت میں حاضر ہو گیا تھا اپنے سامنے بلایا اور کہا کہ تم نے اپنے قدیم آقا کے ساتھ کونسی وفاداری کی ہے جو ہم تم سے وفا کی توقع رکھیں یہ کہہ کر اس کو بھی قتل کروا دیا۔ یہ قلعہ اپنے بھائی الغ خان کو دے کر خود دہلی روانہ ہو گیا۔

(فرشتہ ص ۳۰۸)

## قلعہ چتوڑ پر حملہ

شعبان ۷۰۲ھ میں چتوڑ پر لشکر کشی کی اور چھ ماہ کے محاصرہ کے بعد محرم ۷۰۳ھ میں اس کو فتح کر کے اپنے بڑے بیٹے خضر خان کو چتوڑ کا حاکم مقرر کیا اور چتوڑ کے راجہ رتن سین کو گرفتار کر کے اپنے ساتھ دہلی لایا۔ رتن سین کا خواہر زادہ خود بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور مصاحبین میں داخل ہے

کوشش کریں کہ میری بیٹی جس کا نام دیول دیوی ہے میرے پاس آ جائے تو میں اسے دیکھ کر آنکھیں ٹھنڈی کروں۔ بادشاہ نے فوراً ملک کافور اور خواجہ حاجی کو تاکید کر دی اور الغ خاں حاکم گجرات کو بھی لکھا کہ جس طرح ممکن ہو دیول دیوی کو راجہ کرن سے حاصل کر کے دہلی بھجوا دو۔ ملک کافور اور خواجہ حاجی اور عین الملک الغ خاں سب نے سرحد گجرات پر پہنچ کر مقام سلطان پور میں قیام کیا۔ راجہ کرن اور رام دیو کو خطوط لکھ کر سلطانی احکام سے مطلع کیا۔ اور دیول دیوی کے لانے کی کوشش کی۔ مگر ان خطوط کا جواب ان راجاؤں کی طرف سے حسب منشا نہ ملا تو الغ خاں نے کوہستان بگلانہ کی جانب اور ملک کافور و خواجہ حاجی نے دیوگیری جانب پیش قدمی کی۔ الغ خاں دو مہینے تک راجہ کرن سے لڑتا رہا اور راجہ کا پہاڑوں میں تعاقب کرتا رہا۔ آخر مغارات ایلورا کے متصل پہنچ کر اس نے دو روز قیام کیا۔ اس کی فوج کے کچھ سپاہی مغارات ایلورا کی سیر کرنے گئے وہاں اتفاقاً ہندوؤں کا ایک دستہ فوج ملا جو دیول دیوی کا ڈولہ لئے ہوئے دیوگیری جانب جا رہا تھا۔ مقابلہ ہوا۔ مسلمانوں نے ہندوؤں کو مقتول و مفرور بنا کر ڈولہ پر قبضہ کر لیا اور الغ خاں کے پاس لے آئے وہ بہت خوش ہوا اور دیول دیوی کو دہلی کی جانب بحفاظت روانہ کیا۔ کنولا دیوی بیٹی کو دیکھ کر بہت خوش ہوئی اور اس کی شادی خضر خاں ولی عہد سلطنت سے ہو گئی۔

دوسری طرف ملک کافور اور خواجہ حاجی نے دیوگیر کو فتح کر کے رام دیو کو اسیر کیا اور بادشاہ کی خدمت میں لے کر حاضر ہوئے۔ جب رام دیو گرفتار ہو کر دہلی پہنچا تو سلطان علاؤالدین نے اس کے ساتھ نہایت عزت و مرحمت کا برتاؤ کیا۔ اس سے اقرار اطاعت لے کر اور رائے رایان کا خطاب دے کر چتر سفید عطا کیا اور دیوگیر کی ریاست اسی کو بخش دے کر گجرات کے ملک میں سے بھی ایک قطعہ بطور انعام اپنی طرف سے عطا کیا۔ اس کے تمام عزیز و اقارب اور بیٹوں کو رہا کر کے نہایت تزک و احتشام کے ساتھ دیوگیری جانب رخصت کیا۔ اس کے بعد جب تک رام دیو زندہ رہا سلطان کا وفادار خدمتگار رہا۔

جس زمانہ میں ملک کافور کو دیوگیری جانب روانہ کیا اس کے بعد ہی بادشاہ نے قلعہ سیوانہ کے راجہ ستل دیو کی شکایت سنی اور خود اس طرف روانہ ہوا۔ ستل دیو نے اپنی تمثیل سونے کی بنوا کر اس کے گلے میں زنجیر ڈال کر بادشاہ کی خدمت میں روانہ کی مگر بادشاہ نے اس کی خطا اس وقت تک معاف نہ کی جب تک وہ خود گلے میں زنجیر ڈال کر حاضر نہ ہوا۔

## ورنگل کی فتح صلحاً

۷۰۹ھ میں ایک حملہ ورنگل کے راجہ لدر دیو پر اس فوج کے شاہی سردار نے کیا تھا جس نے

چنانچہ ۷۰۹ھ میں تیسری مرتبہ پھر ملک کافور اور خواجہ حاجی کو دکن کی جانب فوج دے کر روانہ کیا اس مرتبہ بھی لشکر شاہی دیوگیر ہوتا ہوا دکن کی جانب گیا۔ اب دیوگیر کے راجہ رام دیو کا انتقال ہو چکا تھا اس کی جگہ اس کے بیٹے کو سند حکومت دے دی گئی تھی اس لشکر نے اول کنارہ کا علاقہ فتح کیا۔ پھر کرناٹک اور ملیبار وغیرہ کو وہاں کے راجہ بلال دیو سے فتح کر کے راس کماری تک پہنچا۔ انتہائی جنوبی راس پر جس کو سیت بندر رامیشور کہتے ہیں ایک چھوٹی سی پختہ مسجد گچ و سنگ سے بنوائی جو تاریخ فرشتہ کی تصنیف کے زمانہ تک موجود تھی۔ فرشتہ لکھتا ہے

"۔۔۔ مسجد مختصر از گچ و سنگ مرتب ساختہ بانگ اذان محمدی بلند و در آنجا گفتہ خطبہ بادشاہ علاؤالدین خواندند و تا ایں زماں کہ فقیر ایں تمامہ رقم تحریر ایں وقائع است۔ آں مسجد در نواحی سیت بندر رامیشور موجود و مسجد علائی مشہور است۔"

## ساحل کاروسنڈل کی فتح

راس کماری سے لشکر اسلام ساحل کاروسنڈل کی طرف متوجہ ہوا اور اس طرف کے بھی تمام راجاؤں سے خراج وصول کرتا ہوا اور اطاعت لیتا ہوا ۷۱۰ھ میں دہلی پہنچا۔ اس طرح کوہ ہمالہ سے راس کماری اور خلیج کھمبات سے خلیج بنگالہ تک تمام ہندوستان مملکت اسلامی میں شامل ہو گیا۔

۷۱۱ھ میں جب شاہی لشکر دیوگیر ہوتا ہوا ملک کنارہ میں داخل ہوا تھا تو رام دیو کے بیٹے سنکر دیو سے جو چند روز پیشتر اپنے باپ کا قائم مقام ہوا تھا کچھ خود سری کے آثار محسوس ہونے لگے تھے۔ ۷۱۲ھ کے ابتداء میں اس کی نسبت شکایات پہنچیں۔ اور ساتھ ہی تلنگانہ کے راجہ لدر دیو کی عرضی پہنچی کہ میں نے جب ملک (کافور) کے ذریعہ خراج دینے اور فرمانبرداری کا اقرار نامہ لکھ کر بادشاہ کی خدمت میں بھجوا دیا ہے۔ میرے پاس تین سال کا خراج جمع ہو گیا ہے یا تو سلطان مجھ کو اجازت دیں کہ میں وہ خراج دیوگیر کو بھجوا دوں تاکہ وہاں سے خراج سالانہ کے ہمراہ خزانہ شاہی میں پہنچ جائے یا سلطان کسی سردار کو یہاں بھیج کر براہ راست یہ خراج منگوا لیں۔ اس عرضی اور دیوگیر کے راجہ کی بے راہ روی کی خبر پہنچنے پر سلطان علاؤالدین نے سوچا کہ دکن کے علاقوں کی نگرانی اور وہاں امن و امان قائم رکھنے کے لئے ایک وائسرائے یا نائب السلطنت کا دکن میں موجود رہنا از بس ضروری ہے۔

## گلبرگہ، مدکل، رائچور کا براہ راست سلطنت دہلی سے الحاق

اس لئے اس نے چوتھی مرتبہ پھر ۷۱۲ھ میں ملک نائب کافور کو حکم دے کر بھیجا کہ تم مقام ایلچپور میں جو براہ راست شاہی مقبوضہ اور سب سے قریب ریاست دیوگیر سے ملا ہوا ہے پہنچ کر قیام کرو۔

لا دو یا اور دکن کے راجاؤں سے خراج وصول کر کے بھیجنا اور وہاں کے انتظام کو درست رکھنا تمہارا کام ہوگا۔ اور اگر رام دیو کا بیٹا راہ راست سے منحرف ہو تو اس کو قتل یا گرفتار کر کے تم دیو گیر کو اپنا قیام گاہ بناؤ اور اس علاقہ میں اپنی طرف سے امراء اور صوبہ دار مقرر کرو۔

ملک کافور نے رام دیو کے بیٹے کو جو واقعی منحرف ہو چکا تھا جاتے ہی قتل کیا اور تمام علاقہ مرہٹ میں گلبرگہ، مدگل، رائچور، رنگل اپنے عمل کار مقرر کر دیے۔ راجاؤں سے خراج وصول کر کے دہلی بھیجا اور ملک دکن میں جو جگہ شاہی تھانے قائم کر دیے اور اس کے بعد کسی راجہ کی یہ ہمت نہ رہی کہ سرکشی و خودمختاری کا خیال بھی دل میں لا سکے۔

دکن کا ملک اگرچہ بخشی فوج خواجہ حاجی کی اعلیٰ قابلیت سے فتح ہوا مگر سلطان علاؤالدین نے اپنی منشاء کو پورا کیا اور مرہٹ، دیوگیر، وارنگل سے راس کماری تک پورا ملک کافور کی سرداری میں فتح کرایا اور آخر میں اسی کو دکن کا وائسرائے بھی بنا دیا۔ (ص ۳۲)

سلطان علاؤالدین خلجی کو تنہا یہ کارنامہ کچھ کم نہیں کہ اس نے ۶۹۵ھ سے ۷۱۱ھ تک سولہ برس کی مسلسل کوششوں سے پورے ملک دکن اور جنوبی ہند جس کو آج کل صوبہ مدراس کہا جاتا ہے فتح کر کے سلطنت اسلامی میں شامل کر دیے۔ اس کے ساتھ جب یہ دیکھا جاتا ہے کہ اسی درمیان میں اس کو تاتاری مغلوں کے پیہم اور نہایت سخت حملوں کی بھی کامیاب مدافعت کرنا پڑی جس سے بالآخر تاتاری مغل مرعوب و مغلوب اور ہندوستان سے مایوس ہو گئے۔ تو اس تاجدار کی عظمت و شوکت اور بھی بڑھ جاتی ہے۔

۶۹۸ھ میں جبکہ سلطان کی توجہ فتح دکن کی طرف مصروف تھی، مغلوں نے خراسان میں ایک زبردست فوج فراہم کی اور ہندوستان پر نہایت سخت حملہ کیا۔ قتلق یا قتلغ خواجہ نامی مغلوں کا ایک شہزادہ مغلوں کا دو لاکھ لشکر جرار لے کر ہندوستان میں داخل ہوا اور راستہ میں لوٹ مار کیے بغیر سیدھا دہلی تک چلا آیا۔ دو لاکھ مغلوں کا یکایک دہلی کی فصیل کے نیچے پہنچ جانا کوئی معمولی حادثہ نہ تھا۔ خوف کے مارے آس پاس کے دیہات و قصبات کے لوگ بھی آ کر دہلی میں جمع ہو گئے اور تمام کوچہ و بازار آدمیوں سے پُر نظر آنے لگے۔ سامان خورد و نوش بھی کافی نہ تھا۔ اس محاصرہ کو تادیر برداشت نہیں کیا جا سکتا تھا۔ سلطان علاؤالدین نے لڑنے کے قابل آدمیوں کو منتخب کیا تو تین لاکھ آدمی شہر کے اندر موجود تھے۔ ان تین لاکھ کے لشکر کو لے کر وہ شہر سے باہر نکلا اور دشمن سے مقابلہ ہوا۔ ہندوستان میں اس وقت تک اتنی بڑی دو فوجوں کا ایک میدان میں کبھی مقابلہ نہیں ہوا تھا۔

سخت معرکہ آرائی کے بعد مغلوں کو شکست ہوئی۔ علاؤالدین کا بہادر سپہ سالار ظفر خاں اس لڑائی میں اپنی شجاعت کے انتہائی جوہر دکھا کر شہید ہو گیا۔ مغل جس تیزی اور سرعت سے آئے تھے اسی سرعت کے ساتھ شکست خوردہ ہو کر واپس چلے گئے۔ اس فتح عظیم کے بعد علاؤالدین نے اپنے لئے سکندر ثانی کا خطاب تجویز کیا اور یہی خطاب سکوں اور خطبوں میں جاری ہوا۔ (آئینہ ص ۳۰۹)

۷۰۳ھ میں پھر طرغی بیگ مغل نے ایک لاکھ بیس ہزار فوج کے ساتھ سلطنت دہلی پر حملہ کیا مگر سلطان کی مدافعت سے ناکام واپس ہوا۔ (ص ۳۰۲)

پھر ۷۰۴ھ میں علی بیگ اور ترپال خواجہ مغل نے کوہ ہمالہ کے اندر سے ہو کر اس راستے سے جس سے سلطان محمود غزنوی اپنی فوج لے کر قنوج پر حملہ آور ہوا تھا، ہندوستان پر حملہ کیا اور ایک صوبہ روہیل کھنڈ میں پہاڑوں سے نکل کر دامن کوہ سے امروہہ تک کے علاقے کو تاخت و تاراج کر ڈالا۔ ان مغل سرداروں کے ساتھ چالیس ہزار فوج آئی تھی۔ سلطان نے غازی ملک تغلق کو ان مغلوں کے مقابلہ پر بھیجا۔ غازی ملک تغلق نے پہنچ کر امروہہ میں ان کا مقابلہ کیا۔ اس لڑائی میں بھی مغلوں کو شکست ہوئی۔ علی بیگ اور ترپال خواجہ دونوں سردار گرفتار ہوئے اور بہت سے مغل میدان میں مارے گئے۔ صرف چند اشخاص بچ کر ترکستان و خراسان تک بمشکل پہنچے۔ (ص ۳۱۲)

پھر ۷۰۵ھ میں گنگ نامی مغل سردار نے ساٹھ ہزار سواروں کے ساتھ علی بیگ اور خواجہ ترپال کا انتقام لینے کے لئے حملہ کیا۔ غازی ملک تغلق نے ان کا مقابلہ دریائے سندھ کے کنارے کیا۔ ساٹھ ہزار مغلوں میں سے صرف چار ہزار بچ کر فرار ہو سکے باقی سب مارے گئے۔ ان کا سردار گنگ گرفتار کر کے دہلی زندہ بھیجا گیا۔ یہاں اس کو ہاتھی کے پاؤں سے کچلوا دیا گیا۔ (ص ۳۱۵)

اس کے بعد اقبال مندہ نامی مغل سردار نے حملہ کیا۔ اس کو بھی غازی ملک تغلق نے جو دیپالپور میں مغلوں کے حملے روکنے ہی کے لئے مقرر تھے شکست دے کر قتل کیا اور بہت سے مغلوں کو گرفتار کر کے دہلی بھیجا۔ ان پیہم شکستوں سے مغل بہت مرعوب ہو گئے۔ اور غازی ملک تغلق کی دھاک ان کے دلوں میں بیٹھ گئی اور عرصہ دراز تک ان کو ہندوستان پر حملہ کرنے کی جرأت نہ ہوئی۔ (ص ۳۱۶)

## سلطان علاؤالدین خلجی کا حسن انتظام

### شراب، رشوت، جھوٹ فریب کا استیصال، زمینوں کا نیا انتظام

سلطان علاؤالدین جب قلعہ رنتھمبور فتح کر کے دہلی پہنچا تو پہلے خود شراب نوشی سے توبہ کی اور

پھر شہر دہلی اور پوری قلمرو ہند میں بذریعہ منادی اعلان کرادیا کہ کوئی شخص شراب استعمال نہ کرے۔
چنانچہ اس نے اپنی حدود حکومت سے نہایت کامیابی کے ساتھ شراب خوری کا نام ونشان مٹادیا۔
خفیہ پولیس کا محکمہ قائم کیا۔ تحصیل و پٹواری مقرر کرکے زمینداروں سے نقد خراج وصول کرنے
کا ضابطہ موقوف کردیا اور بٹائی کا قاعدہ جاری کردیا ورنہ پٹواری کی جو ادارہ سے ماخوذ ہے۔
یعنی خراج موظف (مقررہ رقم) کے بجائے خراج مقاسمہ یعنی (بٹائی) مقرر کردیا۔

(ف) عام مورخین نے اس نئے قانون کو بھی علاؤالدین خلجی کے حسن انتظام میں شمار کیا
ہے لیکن حق یہ ہے کہ شرعاً اس کو یہ حق حاصل نہ تھا کہ خراج موظف کو خراج مقاسمہ (بٹائی) کی
صورت میں تبدیل کرے کیونکہ یہ نقض عہد ہے جو حرام ہے۔ ردالمحتار کتاب الخراج میں بحوالہ
کافی نقل کیا ہے۔

وفي الكافي ليس للامام ان يحول الخراج الموظف الى
خراج المقاسمة اقول وكذلك عكسه فيما يظهر من تعليله
لانه قال لان فيه نقض العهد وهو حرام۔

البتہ یہ بات اس کے حسن انتظام میں تھی کہ اس نے تمام محکموں میں کڑی نگرانی شروع کی کہ
کسی کی مجال نہ تھی جو کاشتکار سے ایک حبہ زیادہ وصول کرسکے۔ رشوت قطعاً موقوف ہوگئی۔ جھوٹ
بولنے کی سزا سخت مقرر کی گئی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس کی حدود حکومت سے کذب و دروغ کا نام
ونشان مٹ گیا۔ غارت گری اور لوٹ مار کا استیصال پورے طور پر کردیا۔ ہمارے پنجاب و سندھ
تک تمام سڑکیں اور راستے اس طرح محفوظ تھے کہ ایک عورت سونا اچھالتی ہوئی چلی جائے تو کسی کی یہ
مجال نہیں کہ اس کی طرف نظر بھر کر دیکھ لے۔ ملک میں ضروریات زندگی کی اس قدر ارزانی ہوگئی
کہ گندم ساڑھے سات جیتل کے ایک من آتے تھے۔ جس زمانے کا ذکر تھا ایک روپیہ کے
چالیس جیتل ہوتے تھے۔ گویا فی روپیہ پونے چھ من گندم آتے تھے۔

تمام ملک میں کھیتی ہونے لگی اور زمین کا کوئی قطعہ بنجر باقی نہ رہا۔ یہ سب انتظامات صرف دو
سال کے عرصہ میں پایۂ تکمیل کو پہنچ گئے۔ اس حیرت انگیز کامیابی کا سبب صرف یہ تھا کہ دہلی میں
ذی علم تجربہ کار لوگوں کی کثرت تھی۔ اور تخت نشین ہونے کے بعد علاؤالدین اس زمانے کے ذی علم
اور خود دار لوگوں سے مشورہ لینے میں تامل نہ کرتا تھا۔ اور ہر ایک کام میں علماء سے مشورہ کرتا تھا۔
یہی وجہ تھی کہ باوجود خود جاہل ہونے کے اس کے عہد میں کارہائے نمایاں وجود میں آئے۔

شکل میں پانی اور سلطان نے اس کو خسرو خان کا خطاب دیا۔ خسرو خاں کا ایک اور بھائی بھی تھا حسام الدین نامی، بادشاہ نے ان دونوں بھائیوں پر خصوصی عنایات مبذول فرمائیں۔ اس کے بعد عہد علائی کے آخری آئین منسوخ کر دیے اور لہو ولعب میں وقت گزارنے لگا۔ یہ دیکھ کر دکن کا راجہ ہرپال دیو باغی ہو گیا۔ سلطان خود فوج لے کر دیوگیر کی جانب روانہ ہوا اور دہلی میں شاہین نامی ایک غلام کو وفا الملک کا خطاب دے کر قائم مقام بنا دیا۔ دیوگیر پہنچ کر باغی راجہ کو گرفتار کر کے اور بہت سے لوگوں کو قتل کر کے ریاست پر قبضہ کیا۔ اور خسرو خاں مذکور کو وزارت کا عہدہ دے کر دکن کا انتظام اس کے سپرد کیا اور ملک کافور کی تمام املاک کا اس کو مالک قرار دیا اور ملک دکن کے تمام ماتحت راجاؤں کی نگرانی اور ان سے خراج وصول کرنے کا انتظام ملک کافور کی طرح اس کے سپرد کر دیا۔ اور ظفر خان حاکم گجرات کو بلا جرم محض خسرو خاں اور اس کے ہم قوموں کی شکایت پر قتل کرا کر گجرات کی حکومت خسرو خاں کے بھائی حسام الدین کو سپرد کر دی۔ اس طرح گجرات و دکن پر دونوں ہندو زادوں کو متصرف فرمانروا بنا کر دہلی پہنچا۔

اس قتل پرستی سے امراء میں بڑی بددلی پیدا ہو گئی اور مبارک شاہ کے قتل کی سازشیں ہونے لگیں۔ بادشاہ نے ظفر پر ظلم یہ کیا کہ اس کے تین بھائی جو گوالیار میں اندھے کر کے قید کیے ہوئے تھے اپنے آدمی بھیج کر تینوں کو قتل کرا دیا۔

ادھر گجرات میں حسام الدین نے اپنی قوم کے ہندوؤں کو اپنے گرد فراہم کر کے بڑے بڑے عہدے عطا کیے اور اس خیال میں مبتلا ہوا کہ خوب مضبوط ہو کر خود مختاری اور بغاوت کا اعلان کرے۔ ادھر خسرو خاں نے دکن میں گونڈوانہ کے راجہ سے بلا کسی وجہ اور قصور کے ایک سو ہاتھی چھین لیے۔ پھر معبر کے راجہ سے بیس ہاتھی اور بہت سا خزانہ حاصل کیا اور ہندوؤں کو فوج میں بھرتی کر کے بغاوت و خود مختاری کے منصوبے گانٹھنے لگا۔ ضیاء برنی لکھتا ہے۔

> ''شبہا مجلس خلوت ساختے و با تا سے چند ہندوے خود و با چند ہندو کی از یاران ملک
> نائب محرم خود و مردانہ و مدد اندیشہ بلغاق (بغاوت) کردے۔''

ادھر گجرات و دکن میں حسام الدین و خسرو خاں ہندوؤں کی سلطنت دوبارہ قائم کرنے کی تجویز کر رہے تھے ادھر دہلی میں سلطان مبارک شاہ نے نماز روزہ ترک کر کے رات دن لہو ولعب کو مشغلہ بنا لیا تھا۔ حسام الدین نے گجرات سے ایک تحریر سلطان کی خدمت میں بھیجی، جو تھا کہ وہ اس نوجوان بادشاہ کو لہو ولعب میں لگائے رکھے۔ ضیاء برنی اسی حسام الدین کی بابت لکھتا ہے۔

"بہانہ کثر ہندو ہائے گجرات زیادہ قوت گذران نداشتند بہر کہ فیضی بیو بود قریب بیست
ہزار گجراتی نزد خود جمع ساختہ ہر چہ داشت صرف ایشاں کرد و بہ اسپ و یراق ایشاں را
آراستہ ساخت و قوت و مکنت تمام بہم رسانیدہ از گجراتیاں و غیرہ چہل ہزار سوار اعوان
و انصار نزد او مجتمع گشتند۔"

دہلی میں خود مختار اسلامی سلطنت قائم ہونے کے بعد یہ پہلا موقع تھا کہ برِ عظیم ہند کے بادشاہ کی اجازت سے چالیس ہزار ہندو سواروں کی فوج جمع تھی۔

اب دہلی کے بااثر امراء میں صرف ایک قاضی ضیاء الدین ایسا شخص تھا جو سلطان سے آزادانہ گفتگو کر سکتا اور سلطان کا سچا ہمدرد تھا۔ قاضی ضیاء الدین بادشاہ کا استاد اور قاضی خان کے نام سے مشہور تھا۔ کوشک سلطانی یعنی قصر ہزار ستون کے دروازوں کی حفاظت بھی اس کے سپرد تھی۔ دہلی کے مخلص ہندوؤں کے اس اقتدار اور قوت و شوکت اور فاسد ارادوں سے مطلع تھے مگر کسی کو یہ جرأت نہ تھی کہ سلطان کی خدمت میں خسرو خاں کے خلاف ایک لفظ بھی زبان تک لائے۔

انہی ایام میں سلطان بغرض شکار دہلی سے سرساوہ کی طرف گیا۔ وہاں خسرو خاں اور دوسرے ہندوؤں نے اس کے قتل کا ارادہ کیا مگر خسرو خاں کے بعض ہمدردوں نے مخالفت کی اور کہا کہ یہ کام ہم کو قصر سلطانی میں انجام دینا چاہئے تا کہ دہلی پر قبضہ ہو ورنہ ممکن ہے کہ ہمارے دہلی تک پہنچنے سے پہلے مسلمان سرِ راہ مخالفت پر آمادہ کھڑے ہوں۔ سلطان سرساوہ سے دہلی آیا اور قاضی خاں نے شہر کی عام افواہوں سے متاثر ہو کر سلطان کی خدمت میں عرض کیا کہ ہندو فوج کی کثرت خطرہ سے خالی نہیں ہے۔ میں نے سنا ہے کہ روزانہ خسرو خاں کے مکان میں ہندو جمع ہو کر مشورے کرتے ہیں اور خسرو خاں کا ارادہ ہے کہ سلطان کو قتل کر کے خود بادشاہ بن جائے۔ آپ کم از کم اتنا تو کریں کہ خسرو خاں کی فوج کے بعض گجراتی ہندوؤں کو اپنے پاس تنہائی میں بلا کر ان سے اس معاملہ کی بابت استفسار کریں۔ ممکن ہے وہ رعب سلطانی میں آ کر صحیح واقعات بیان کر دیں۔ اور ان افواہوں کی کوئی اصلیت نکلے تو آپ حفاظت کر سکیں۔ اور نہ نکلے تو خسرو خاں کا مرتبہ اور بڑھ جائے گا آپ کو ہر وقت اختیار ہے۔

ابھی قاضی خاں اپنی بات ختم کرنے نہ پایا تھا کہ خسرو خاں بھی حاضر ہو گیا۔ سلطان نے قاضی خاں کے سامنے ہی خسرو خاں کو مخاطب کر کے کہا کہ تیری بابت قاضی خاں ایسا ایسا کہہ رہا ہے۔ یہ سن کر خسرو خاں مکار نے فوراً رونا شروع کر دیا اور رو رو کر کہنے لگا کہ یہ تمام مسلمان امرا

اس لئے یہ سب دشمن ہو گئے ہیں کہ حضور نے مجھ کو سب سے بلند مرتبہ عطا کر دیا ہے۔ یہ سب درگاہ
کو حضور کے ہاتھ سے قتل کروانے کی تدبیر کیا اور مجھ کو ذلیل و خوار کرنا شروع کر دیا۔ یہ دیکھ کر بادشاہ کا دل
بھر آیا۔ وہ اس کو اپنے سینے سے لگا کر کہنے لگا کہ تیری قوم کی نسبت میں کسی کی شکایت کو ہرگز ہرگز
نہیں سنوں گا۔ یہ رنگ دیکھ کر قاضی صاحب بادشاہ کی ہدایت پر افسوس کرتے ہوئے باہر آ گئے اور
اب ان کو بھی خسرو خاں یا دوسرے ہندوؤں کی نسبت بادشاہ سے کچھ کہنے کی جرأت نہ رہی۔ فرشتہ
لکھتا ہے۔

"بادشاہ را از گریہ او دل بدرد آمدہ او را در کنار گرفت و بوسہ بر رخسارہ اش داد و التفات
کہ بخاطر نیاورد۔"

اس واقعہ کے اگلے روز خسرو خاں نے زیادہ تامل کرنا مناسب نہ سمجھ کر سلطان کے قتل کرنے کا
مصمم ارادہ کر لیا وہ رات کے وقت قصر ہزار ستون کے بالا خانہ پر سلطان کی خدمت میں حاضر ہوا۔
نیچے دروازوں کی نگرانی اور پہرہ دلوانے کے لئے قاضی خاں موجود تھے۔ قرارداد کے موافق
خسرو خاں کا چچا رندھول مع جاہریا کے قاضی خاں کے پاس آیا اور پان کا بیڑا قاضی خاں کی خدمت
میں پیش کیا۔ قاضی خاں رندھول سے بیڑا لیتے تھے اور جاہریا نے جو رندھول کے ساتھ تھا
نہایت چستی کے ساتھ قاضی خاں کے پہلو میں خنجر گھونپ دیا۔ قاضی خاں فوراً شہید ہو گئے مسلح
ہندوؤں کی ایک جمعیت نے فوراً داخل ہو کر پہرہ داروں کو قتل کرنا شروع کر دیا۔

جب شور و غوغا محل میں بلند ہوا تو سلطان نے خسرو خاں سے پوچھا یہ کیسا شور ہے۔
خسرو خاں فوراً اٹھ کر لب بام آیا اور تھوڑی دیر تامل کر کے سلطان کے پاس واپس گیا اور کہا کہ
سلطانی اصطبل کے چند گھوڑے کھل گئے ہیں وہ بھاگے پھر رہے ہیں اور لوگ ان کو پکڑنے کی
کوشش کر رہے ہیں۔ اس سے شور مچ رہا ہے۔ سلطان یہ سن کر مطمئن ہو گیا اور خسرو خاں سے
باتیں کرنے میں مصروف ہو گیا۔ اسی وقت جاہریا اور دوسرے ہندو جو اس کام پر مامور تھے بالا
خانہ پر چڑھنے لگے۔ زینہ کے دروازے پر ابراہیم اور اسحاق نامی دو پہرہ دار موجود تھے۔ وہ مانع
ہوئے نتیجہ یہ ہوا کہ وہ دونوں شہید ہو گئے۔ اور قاتلوں کی جماعت اوپر چڑھ آئی۔ ابراہیم اور
اسحاق کی مزاحمت کرنے اور قتل ہونے کا شور چونکہ قریب ہی تھا اس لئے سلطان کچھ مشکوک ہوا۔
قاتلوں کی اس جماعت کو بے محابا تیغ برہنہ آتے دیکھ کر سلطان فوراً اٹھا اور محل سرائے کی
طرف بھاگنے لگا۔ خسرو خاں نے سمجھا کہ اگر سلطان محل سرائے میں داخل ہو گیا تو اس کو پکڑنے
اور قتل کرنے میں دقت ہوگی تو وہ سلطان کے پیچھے بھاگا اور محل سرائے کے دروازے میں داخل

واو تا چند غلامان سلطان قطب الدین را کہ اختصاص بیشتر داشتند و از امراء کبار شدہ بودند بگیرند و بکشتند و در روز بعضے از ایشان را در خانہائے ایشان کشتند و بعضے در سرائے آوردند و گوشہ بردند و گردن زدند و خانمان و زنان و غلام و کنیزک ایشان بہ ہندوان بخشیدند و خانہ قاضی ضیاء الدین را با جمیع اسبابیکہ در خانہ او بود تاراج کردند و بچہ کہ تمام در اول شب فرار شدہ بود بہ ہند وصول داشتند۔"

خسرو خاں پہلے ہی تمام اہتمام کر چکا تھا۔ جو صوبہ دار دور دراز کے صوبوں میں مصروف تھے ان کے عزیز و اقارب دہلی میں موجود تھے ان سب کی نگرانی اور دیکھ بھال کا بندوبست کیا تا کہ وہ دہلی سے فرار نہ ہو سکیں اور سرکشی پر آمادہ نہ ہو سکیں۔ جن لوگوں کے اہل و عیال دہلی میں نہ تھے ان کے بیٹوں یا بھائیوں کو خسرو خاں نے پہلے سلطان قطب الدین مبارک شاہ کے حکم سے بطور یرغمال دہلی بلوا لیا تھا۔ لہذا اس کو کسی زبردست بغاوت کا اندیشہ نہ تھا۔ تمام صوبہ داروں میں سب سے زیادہ جس شخص کا خیال تھا وہ غازی ملک تغلق صوبہ دار دیپالپور تھا جو سلطان علاؤ الدین کے زمانہ سے مغل افواج کے سبب بڑی شہرت اور اثر رکھتا تھا۔ غازی ملک تغلق کا ذکر اوپر آ چکا ہے۔ اس کا بیٹا فخر الدین جونا خاں جو بعد میں سلطان محمد تغلق کے نام سے مشہور ہوا دہلی میں موجود تھا۔ خسرو خاں نے تخت نشین ہوتے ہی ملک جونا خاں کو میر آخور کا عہدہ عطا کیا اور اس کی سب سے زیادہ دلجوئی اور خاطر مدارات کرنے لگا تا کہ اس کا باپ غازی ملک مخالفت پر آمادہ نہ ہو سکے۔

جواہر پارچے کو جو کہ قاضی خاں اور سلطان قطب الدین خلجی کا قاتل تھا زر و جواہر سے تلوایا گیا۔ رندھول کو رائے رایان کا خطاب ملا۔ قصر ہزار ستون اور محل سرائے سلطانی میں ہندو ہی ہندو نظر آنے لگے دہلی میں پہلے ہی سے چالیس ہزار ہندو سواروں کی مسلح فوج تھی۔ مسلمانوں کی کوئی طاقت دہلی میں باقی نہ رکھی گئی تھی۔ جو مسلمان موجود تھے ان کو خسرو خاں نے اپنا ہمنوا بنا لیا تھا اب بادشاہ ہو کر اس نے ہندوؤں کی بھرتی شروع کر دی۔ ہندوؤں میں جابجا خوشیاں منائی گئیں کہ اب دہلی پھر ہندوؤں کے قبضہ میں آ گئی۔ دیول دیوی جو خضر خاں کے قتل کے بعد سلطان قطب الدین مبارک شاہ کی بیوی بن گئی تھی اب سلطان کے قتل ہونے پر اس کو خسرو خاں نے اپنی بیوی بنا لیا۔ خسرو خاں کو اسلام سے پہلے ہی کوئی تعلق نہ تھا۔ اب بادشاہ بننے کے بعد اس نے اپنے نام کی تبدیلی کرنا اس لئے مصلحت نہ سمجھا کہ ملک میں بہت سے ایسے مسلمان مرد موجود تھے جنکو وہ فریب دے کر اپنی مخالفت سے باز رکھنے کا خواہاں اور بتدریج اسلامی سلطنت کو

خالص ہندو سلطنت بنانا چاہتا تھا۔ باوجود ان تمام باتوں کے فطرت اپنا رنگ دکھائے بغیر نہیں رہ سکتی تھی۔ چنانچہ دہلی کی مسجدوں کو ہندوؤں نے مسلمانوں سے چھین لیا۔ مسجدوں کی محرابوں میں بت رکھے گئے اور مسجدوں کو مندر بنا کر ان میں گھنٹے بجنے اور بت پوجے جانے لگے۔ اذان کی آوازیں بلند ہونی موقوف ہو گئیں۔ پھر اس سے بڑھ کر یاجی پن کی حرکت یہ ہوئی کہ مسلمانوں سے قرآن مجید زبردستی چھین چھین کر جمع کئے گئے اور ان کو ایک دوسرے پر رکھ کر خسرو خاں کے دربار میں چھوٹے بچھونے چبوترے بنائے گئے اور ان پر ہندو درباری بیٹھے۔ غرض اسی طرح کی کمینہ حرکات سرزد ہوئیں جن کے لکھنے کی تاب زبان قلم نہیں رکھتی۔ خزانوں کے منہ کھول دیئے گئے اور لاتعداد ہندو روزانہ آ آ کر فوج میں بھرتی ہونے لگے۔

ملک جونا خاں ابن غازی ملک دو تین مہینہ تک تو مجبوراً اس ہندو گردی کو دیکھتا اور برداشت کرتا رہا۔ ایک روز موقع پا کر اور گھوڑوں کی ڈاک بٹھا کر وہ دہلی سے دیپالپور کی طرف بھاگا۔ چند گھنٹے کے بعد اس کے فرار کا حال خسرو خاں کو معلوم ہوا تو تعاقب میں سوار بھیجے مگر وہ ملک جونا خاں کی گرد کو بھی نہ پہنچ سکے۔ ملک جونا خاں جب اپنے باپ غازی ملک کے پاس پہنچ گیا تو اس نے خدا کا شکر ادا کیا اور اپنے ولی نعمت سلطان قطب الدین خلجی کے خون کا انتقام لینے کے لئے تیار ہوا۔ ملتان کے امیر کو لکھا کہ فوج کو لے کر میرے شریک ہو جاؤ تاکہ ہم دونوں مل کر خسرو خاں سے سلطان قطب الدین کا انتقام لیں۔ امیر ملتان نے لکھا کہ جو شخص دہلی کا بادشاہ ہو چکا ہے اس کا مقابلہ ہم جیسے چھوٹے چھوٹے امیروں سے کب ہو سکتا ہے۔ غازی ملک نے ملتان کے ایک رئیس بہرام ایبہ نامی کو خط لکھا کہ امیر ملتان امارت کے قابل نہیں رہا تم اس کو قتل کر کے ملتان کی حکومت اپنے قبضہ میں لاؤ۔ اور وہاں کی فوج لے کر میرے پاس چلے آؤ۔ بہرام ایبہ نے حاکم ملتان کو قتل کیا اور فوج لے کر غازی ملک کے پاس دیپالپور چلا آیا۔ غازی ملک نے فوج لے کر دہلی کی طرف کوچ کیا۔

خسرو خاں نے یہ خبر سن کر ایک زبردست فوج اپنے بھائی کی سرداری میں روانہ کی۔ سرستی کے قریب لڑائی ہوئی۔ خسرو خاں کی فوج شکست کھا کر بھاگی۔ غازی ملک سرستی سے روانہ ہو کر اندرپت کے میدان میں پہنچ کر خیمہ زن ہوا۔ خسرو خاں ہندوؤں کا لاتعداد لشکر لے کر شہر سے باہر نکلا۔ غازی ملک کے مٹھی بھر مسلمانوں کے مقابلہ میں یہ بے شمار ہندو فوج زد و خورد کا ہنگامہ گرم ہونے پر کچھ بھی نہ ٹھہر سکی اور خواس باختہ ہو کر بھاگی۔

تغلق خاندان میں محمد تغلق کا دور ملک کی اقتصادی ترقی میں خاص حیثیت رکھتا ہے۔ خصوصاً زراعت کی ترقی اس کے زمانہ میں غیر معمولی ہوئی جس کا تذکرہ اس کتاب کے پہلے حصے میں آچکا ہے۔

خاندان تغلق کے بعد ۸۱۷ھ سے ۸۵۵ھ تک [illegible] سال سیدوں کی حکومت رہی اس کے بعد ۹۳۲ھ تک لودھی خاندان کی اور پھر ۹۶۲ھ تک سوری پٹھانوں کی حکومت رہی۔ مگر یہ سب سلاطین کچھ ایسے حالات میں رہیں کہ مرکزی سلطنت میں ضعف اور طوائف الملوکی کا دور تھا۔ ۷۵۱ھ سے ۹۶۲ھ تک ڈیڑھ سو سال یہی طوائف الملوکی کا ایسا دور دورہ رہا کہ ایک ایک شہر اور ایک ایک قصبہ میں ایک ایک امیر و سلطان خود مختار بن بیٹھا تا آنکہ ۹۶۲ھ میں ہمایوں نے پھر ایران سے واپس ہو کر ہندوستان فتح کر کے متحدہ اسلامی سلطنت دوبارہ قائم کی اور خاندان مغلیہ کا دور آیا۔

اس ڈیڑھ سو سال کے عرصے میں مسلمان بادشاہوں کی باہمی آویزش اور جنگ و جدل کا بازار گرم رہا۔ کوئی تعمیری کام ان حالات میں کیا ہو سکتا تھا۔ اس پورے دور میں قابل ذکر اور موضوع بحث سے متعلق کچھ کام ہوا تو وہ شیر شاہ سوری کے زمانے میں ہوا جس نے اپنے مختصر سے پانچ سالہ دور حکومت میں اپنی جنگی اور انتظامی قابلیت سے ایک طرف تو ہندوستان کے اکثر علاقے فتح کیا دوسری طرف بہت سے تعمیری کام رفاہ خلق کے متعلق انجام دیئے۔

پورے ملک کے طول و عرض میں بڑی بڑی شاہراہیں نکالیں۔ اراضی ملک کا بہترین انتظام کیا۔ محقق مؤرخین لکھتے ہیں کہ "آئین اکبری" اسی کے وضع کردہ قوانین کا دوسرا نام ہے جس کو ابوالفضل نے اپنی ادبی قابلیت سے مزین کر کے پیش کر دیا ہے۔ شیر شاہ کے عہد کے کچھ حالات اس کتاب کے پہلے حصے میں بیان ہو چکے ہیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ ۹۶۲ھ کو خاندان مغلیہ کی حکومت کا دور شروع ہوا جو ہندوستان کی اسلامی سلطنت کا آخری دور تھا۔ ان سے بتدریج انگریزوں کے قبضہ میں پہنچی۔ اور تقریباً ڈیڑھ سو سال انگریزوں کی حکومت و تسلط رہنے کے بعد ۲۷ رمضان ۱۳۶۶ھ کی شب قدر، جو گویا نزول قرآن کی سالگرہ کی رات تھی انگریزوں کا اقتدار ختم ہو کر ملک کے دو حصے پاکستان اور ہندوستان بنے اور پاکستان کا انتظام حکومت مسلمانوں کے ہاتھ آیا۔

واللہ غالب علی امرہ اللّٰھم مالک الملک تؤتی الملک من تشاء وتنزع الملک ممن تشاء وتعز من تشاء وتذل من تشاء بیدک الخیر انک علی کل شیء قدیر۔

ہندوستان میں تقریباً دو سو برس سے انگریزی اقتدار اور قانون کی ترویج نے جن مسائل کو گوشۂ گمنامی میں ڈال دیا اور ان مسائل سے سابقہ نہ ہونے کی وجہ سے ان کے اصول وفروع نظروں سے اوجھل ہو گئے اراضی ہند کا حکم بھی ان میں سے ایک ہے کہ انہیں حکومت کی ملکیت قرار دیا جائے یا قدیم زمیندارہ سسٹم کو برقرار رکھا جائے بالخصوص ہندوپاک کی تقسیم کے بعد زمینوں کے کیا احکام ہیں، کون سے احکام شریعتِ اسلامی کی رو سے نافذ اور واجب العمل ہیں؟

نیز مسلمان حکمرانوں کے زمانے میں ان اراضی کا مالک کون تھا، حکومت نے اول فتح کے وقت کیا حکم دیے اور انگریزوں نے جب اس اسلامی سلطنت پر قبضہ کیا تو انہوں نے یہاں کی اراضی کے متعلق کیا احکام دیے؟

زیرِ نظر کتاب ''اسلام کا نظامِ اراضی'' میں حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ نے قرآن وسنت کے دلائل حضرات فقہاء کی تحقیقات اور تاریخ و معاشیات کی کتابوں کی روشنی میں ابتدائی اسلامی احکام و درجات کے ذکر کے بعد براعظم ہندوپاک کی زمینوں کے مفصل شرعی احکام جمع کر دیے ہیں ہندوپاک کی زمینوں میں عشر و خراج کے احکام، اراضی اوقاف کے احکام اور ضمناً پاک و ہند کی تیرہ سو سالہ تاریخ کا نہایت دلچسپ مجموعہ۔

E-mail: ishaat@pk.netsolir.com
ishaat@cyber.net.pk